



ماونو

بإيد قضاة

رسم و خوشبو کے حسن و خوبی کے
ختم کے لئے استعارہ



میں نے اپنے
 دل کو اپنے
 دل کو اپنے
 دل کو اپنے



میں نے اپنے
 دل کو اپنے
 دل کو اپنے
 دل کو اپنے

میں نے اپنے دل کو اپنے دل کو اپنے



میں نے اپنے دل کو اپنے دل کو اپنے



لاہور

ماہِ نو

بیادِ فتیض

فتویٰ

ماہِ نو اقبال سٹیج

گفتگو (ماہِ نو)

گفتگو (ماہِ نو) کے ساتھ ساتھ دیگر اخبارات کے

گفتگو (ماہِ نو)

پہلے نمبر سے جاری ہونے والی

ماہِ نو

سیدتیجی کے ساتھ ساتھ دیگر اخبارات کے

ماہِ نو

ماہِ نو کے ساتھ ساتھ

ماہِ نو

ماہِ نو کے ساتھ ساتھ دیگر اخبارات کے

ماہِ نو

ماہِ نو

تیمت نامہ

15 ماہ

ماہِ نو

150 ماہ

ماہِ نو کے ساتھ ساتھ

120 ماہ

تیمت نامہ

30 ماہ

فروری

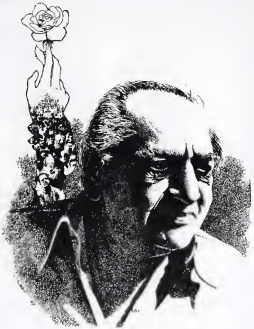
2002ء

30 ماہ 2 ماہ 30 ماہ

ادارہ مطبوعات پاکستان

12/12/2002ء کو لاہور میں جاری ہونے والی 32 ماہ 30 ماہ 30 ماہ

ادارہ مطبوعات پاکستان کے کٹر بانی اور مدیر ایچ ایم ایچ 12/12/2002ء کو لاہور میں جاری ہونے والی 32 ماہ 30 ماہ 30 ماہ



آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

آخر میں مضمون

اقتاب

آٹا کے نام

اور
آج کے علم کے نام

آج کا علم کہ ہے زندگی کے چرچہ گلستاں کے حفا
زرد پتوں کا بن

زرد پتوں کا بن جو راد لیں ہے

دور کی دلچسپی جو راد لیں ہے

مکراتوں کی افسردہ جہاز کے نام

مکراتوں کی افسردہ جہاز کے نام

پوست پھوٹنے کے نام

تاکہ دلوں کے نام

ریل گاڑی کے نام

کارخانوں کے عجب کے جہاز کے نام

بادشاہ جہازوں والی مالوا، نائب اللہ علی اللہ
درختان کے نام

جس کے وجود کو عالم نہا لے گئے

جس کی بیٹی کو راکو اٹھا لے گئے

تعمیر کعبہ کے ایک نکتہ پورا نہ گئی

دو کوی مار گئے یہ پہاڑ کے کمر مارے گئی

جس کی ملک فرور دلوں کے پاؤں سے

دھجھکاں رہ گئی

اُن کے پاؤں کے نام

رات میں جن کے تکتے جلتے ہیں

نہیں کہ مار گئے رہے بازوؤں کے سنبھلے ہیں

تو کہ تاجہ بیبر
منتظر زار میں کہ پہلے بیبر
ان حسناؤ کا نام
جن کی آنکھوں کی شکل

چشمینوں کو اور بھجوں کی جگہ پر سے ہٹا کر کھلی گئی ہے
مرخصا ہے

انا جاناؤں کہ نام
 حبیبہ مرزا
 بحسبیت ریاکار سیکھوں یہ سچ میرے لئے انا
 مرزاؤں کہ نام

ہندوؤں کی عورتوں کو بھگوان کے نام
پر نکلنا ایک خاست کہ ہے جانند

رازوں کو اُڑا کے اُڑا دے اور نہ ہونے
 جس کے سارے جسم کو آتی ہے آہ دہکا
 آنکھوں کی فنا
 چور اور بے گناہ
 گاموں کی سدا
 آرزو نہ سسوں میں اپنے پسینے میں
 پڑھنے والوں کے نام
 وہ جو اسبابِ طبع و قلم
 کے دروں پر کتاب اور قلم
 کا نام نہ لے، اُمتیج پھیلنے پھیلنے
 اور پورے کرشمہ آسما
 وہ معصوم جو بکواس میں

در ۱۶۰۰ پیچہ نکلے جہاڑوں میں دلائی لاما
 لاما پنجن جیوان
 بشارت پہنچا تھا تو آپ بھائی، دلائی لاما سے
 ان اسکیرورسکے ()

منجانبہ سکینوں میں فرما کے شبتاب رحم
 منیہ خانوں کے سکریٹری، دلائی لاما کے
 جلوس کے ایلچنگ خانوں

ان کے دلائی لاما کے سکریٹری ()
 وہ جو شبتاب کے طرح
 اپنے سینے پر خود خدا ہوئے

منیر احمد منیر ()

فیض کی ایک یادگار تقریر

ایک صاحب کی تقریر جوفیوں نے سنا سکی ہیں افواہی فیض اس اقسام کی بڑا کلمہ تقریب کے موقع پر اردو زبان میں کی۔

”محترم اراکین مجلس مصلحت“ فرامیہ اور حضرت!

الفاظ کی تخلیق و ترتیب نامراد اور لایک کا پوتہ ہے۔ لیکن زندگی میں بعض مواقع ایسے بھی آتے ہیں جب یہ قدرست کام جواب دے جاتی ہے۔ آج اگر جان کا یہی ساری شرط لگے بھی اور فقی ہے۔ اپنے کوئی الفاظ میرے ذہن میں نہیں آ رہے ہیں میں میں اپنی عزت، عزت دہائی کے لئے لیکن پرانہ کھلی مسودیت پر میں کے غلط اداسوں، اداسوں اور آپ سب فرامیہ اور حضرت کا شریہ خاطر خواہ طور سے ادا کر سکوں۔ لیکن اس اقسام کی مجلس تو ای ایک بات سے واضح ہے کہ اس سے لیکن کا محترم نام اور مجلس لفظ درست ہے۔ لیکن جو اور حاضر میں انسانی عزت کا سب سے بڑا رنگ ظہور ہے اور اس میں انسانی زندگی اور اس زندگی کے سن و خونی کی شروعات ہے۔ مجھے اپنی تحریر و عمل میں یہی کوئی کام نظر نہیں آتا جس حجم اور حد کے شایان شان ہو۔ لیکن اس عزت بخشی کی ایک اور ضرورت اس میں آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ جس قدر اور آدرش کے ساتھ مجھے میرے ساتھیوں کو پہنچانی رہی ہے لیکن اس اور آزادی کی گفتگو جوائے خود اس کی عظیم ہے کہ اس واسطے سے اس کے حقیر اور اپنی

کارکن بھی عزت و احترام کے مستحق سمجھتے ہیں۔

میں تو اپنی طور سے نکلوں اور قائم پختہ لوگوں کے علاوہ سب ہی مانتے ہیں کہ اس اور آزادی بہت صمیم اور جتنا کہ چیز یہی ہیں اور یہ سب ہی تصور کر سکتے ہیں کہ اس کلام کے کچھ ہیں اور سب سے کے درست ذہن کا آئینا ہے اور جان کے چپٹے ہوئے اپنے نامور کا تم ہے اور تصور کا سونے چھلور آواز کی ان سب عظمت کی خاص اور عالی اس سب طویل کی قائل ہے جو انسان اور میں میں تحریر کرتی ہیں یعنی شعور اور ایمان، انصاف اور صداقت، نور اور شجاعت، نیکی اور دلدادگی اس کے بظاہر اس اور آزادی کے حصول اور جمیل کے مصلحت پیش منہ انسانوں میں

انصاف کی کچھ کچھ خواہاں چاہتے ہیں بہ فطرت سے ہیں نہیں ہے۔ وہ اس نے نہیں ہے کہ انسانیت کی اہمیت سے اب تک ہر مہم اور ہر دور میں متحدہ عوامل اور قوتیں ہر گل اور ہر پتہ پر ہیں۔ یہ قوتیں ہیں، تخریب و تعمیر، آزادی اور ذہنی، انسانی اور حیوانی، انصاف و انصاف و انصاف و انصاف کی فطرت ہیں، یہی صورت آج بھی ہے اور اسی نوعیت کی تکمیل آج بھی ہادی ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ آج کی انسانی مسائل اور گزشتہ دور کی انسانی، انجمنوں میں کی فوجیتوں سے طرف بھی ہے اور حاضر میں رنگ سے وہ قوتیں کا اس طویل شاپ ہر دور نہیں ہے۔ آج ان گل اس سے نون خرابے کا خاتمہ مراد ہے۔ آج کل رنگ اور اس کے معنی ہیں ان تمام



کی جادوئی جادو کاغذوں پر انسانی ہر حرکت کے خاتمے کا تسلسل کا اندازہ ہے انھیں پر انسانی سرزمین کی آبادی اور برادری کا انحصار ہے۔ یہ پہلا فرق ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ سب سے پہلے انسانوں کو فطرت کے ذخیرہ پر مبنی دوسری جادو کاغذ کے ذریعہ پر مبنی قدرت کی جادو اور برادری کی ضرورتیں پوری طرح سے تسکین پا سکتی ہیں اس لئے آپس میں جھگڑیں جھگڑاؤں اور کاکہ کاکہ نہ کرنا اور بھی موجود تھا۔ لیکن اب یہ صورتیں ہیں کہ اب انسانی عقل، سائنس اور صنعت کی بدولت اس منزل پر پہنچ گئی ہے کہ جس میں سب قوتیں بخوبی مل سکتے ہیں اور سب سی جھگڑاؤں ختم ہو گئی ہیں۔ بطور ایک قدرت کے یہ ہے کہ جادو کاغذ ہمارے کے یہ جادو کاغذیں اپنا دوسرا اور خصوصی مقاصد کی تسکین ہوس کے لئے نہیں بلکہ ہمارے انسانوں کی پیروی کے لئے کام میں لائے جاتے ہیں۔ اور عقل اور سائنس اور صنعت کی کل ایجادیں اور صلاحیتیں تحریر کے بجائے تحریری محصولوں میں صرف ہوں لیکن یہ سب ہی ممکن ہے کہ انسانی معاشرے میں ان عناصر سے مطابقت پیدا ہو اور انسانی معاشرے کے احوال پہلے کی پیروی ہوں۔

اتصال اور ابھار وادی کی بجائے انصاف، برادری، آزادی اور انسانی فرائض خالی میں اعلیٰ جانیں۔ اب یہ دنیا اور دنیاوی بہت جگہ بلکہ کل کام ہے۔ اس عمل میں اس کی جدوجہد اور آزادی کی جدوجہد کی حد میں آپس میں مل جاتی ہیں۔ اس لئے کہ اس کے دوست اور دشمن اور آزادی کے دوست اور دشمن ایک ہی فیصلے کے لوگ، ایک ہی نوازی کی فوجیں ہیں۔ ایک طرف وہ سامرائی فوجیں ہیں جن کے حوالہ جس کے اشارے ہیں اور جس کے لیے قائم ہیں۔ دیکھتے اور جنھیں ان ایجادوں کے حوالہ کے لئے پوری انسانیت کی جھگڑ

جی قبول ہے۔ دوسری طرف وہ طاقتیں ہیں جنھیں بلکوں اور کمپنیوں کی نسبت انسانی کی پہلی مزہ ہے جنھیں دوسروں پر غم چلانے کی بجائے آپس میں ہاتھ داندے اور سالانہ کر کام کرنے میں زیادہ لطف آتا ہے۔ سائنسہ اخلاق کو بھول کر اور مردانگی فوج کی عقلوں پر کی صورتوں میں خیر اور کجیہ انسان جتنی اور انسان، عقل کی یہ تعلق نہیں پوری ہے۔ آزادی پسندوں اور پسند لوگوں کے لئے دنیا میں سے ہر جادو اور ہر صورت پر توجہ دینا ضروری ہے۔ مثال کے طور پر سامراج اور غیر سامرائی فوجوں کی نازی عقلوں کے حوالہ و جستجو سے بعض ایسے ناکام میں بھی شادی



پاکستان میں جیسے کہ عربوں میں سب سے زیادہ

اختلافات موجود ہیں جنھیں حال ہی میں آزادی ملی۔ ایسے اختلافات ہمارے ملک پاکستان اور ہمارے سب سے قریبی ہمسایہ بھارت میں اور بعض اعلیٰ نکاحوں میں موجود ہیں جو اس عالم اور انسانی برادری کی روایتی اور کائنات کو پسند نہیں کرتے۔ اس لئے مسیح پسند اور اس دوسرے حصوں میں ان اختلافات کے حوالہ و حل پر غور کرنا اور اس عمل میں مدد دینا بھی لازم ہے۔

اب سے ہمارے پہلے سوویت اتحاد کا تازہ کارنامہ ہر طرف، پائیس کوئی بات تھی ہر دہائی خیال آباد، کراچی کی کل جب تمام جہاں کی دنیا میں چڑھ کر اپنی ہی دنیا کا نظارہ کر سکتے ہیں تو چھٹی چھٹی

یکپسکی خود غرضیاں یہ نہیں کے چند گروہوں کو ہائے کی کوششیں اور انسانوں کی چند فوجوں پر اپنا سکہ چلانے کی خواہش کسی بھی حال میں نہیں ہیں۔ اب تھک سادی کا تعلق کے راستے ہم پر کھلا ہوا گئے ہیں۔ ساری دنیا کے لئے انسانی کس میں آسکتے ہیں تو کیا انسانوں میں ہی مشورہ صنف حراج اور دیانت دار لوگوں کی جتنی تھا دوسرے نہیں ہے جو سب کھلا کر کے کر یہ جنگی اڈے سپر لائیو۔ ہم اور راکٹ تو جیہی بدوشی سندھ میں غرق کر دیا ایک دوسرے پر جھڑ پھانے کے بجائے سب کی کر تعمیر کا ناکہ کا چلو جہاں جگہ کی کوئی جگہ نہیں ہے جہاں کسی کو کسی سے



پاکستان میں جیسے کہ عربوں میں سب سے زیادہ

دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے جہاں دھندلایا گیا ہے اور ان گنت دہائیوں۔ مجھے یقین ہے کہ سب رکاوٹوں اور جھگڑوں کے باوجود ہم لوگ اپنی انسانی برادری سے بہت متاثر ہو رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انسانیت میں نے اپنے دشمنوں سے آج تک کبھی ہار نہیں لی اب بھی گلاب ہر کر رہے ہیں اور انھیں جگہ جگہ اور علم و کھودت کے ہم نے ہماری دماغی زندگی کی جادوئی شہرہ کی جس کی تھیں اب سے بہت پہلے جادوئی جادو کاغذ نے کی تھی۔

عمل خیر اور ہر جادو کی جی کر ہائے جگہ کر خلی و علی امت

فیض کی کہانی..... فیض کی زبانی



ادارے شعراء کو مستحق یہ ثابت دہی ہے کہ زمانے نے ان کی قدر نہیں کی۔ چاندنی لکھنے والی دوری شاعری کا ایک مستقل موضوع ہے۔ ہمیں اس سے اکتا لکھنا ہے کہ ہم پر لطف و محبت کی اس قدر بارش رہی ہے اپنے دوستوں کی طرف سے اپنے لئے ان کی طرف سے اداس کی جانب سے مکی امن کو ہم جانتے نہیں اس کو رعایت دیتی ہے کہ اس دواصل کا تقاضا ہونے کے لئے خود کو بہت کام ہم نے کیا ہے اس سے مجھ کو یاد نہیں کرنا چاہئے تھا۔

کوئی آن کی بات نہیں ہے لیکن ہی سے اس قسم کا تاثر رہا ہے جب ہم بہت چھوٹے تھے اسکول میں پڑھتے تھے اسکول کے لڑکوں کے ساتھ کچھ اسی قسم کے تعلقات قائم ہو گئے تھے۔ خواہ وہ انہوں نے اسیں اپنا لیدر تسلیم کر لیا تھا مگر ان لیدروں کی عظمت ہم میں نہیں تھی۔ آواز آتی بہت کم آواز ہو کر

دوسرے اس کا رعب دامن یاد وہب سے بڑا داخل ہو۔ ہم پڑھتے تھے میں ٹھیک تھے سیکھ لگتی لیتے تھے لیکن پڑھائی میں ہم نے کوئی ایسی کمال پیدائش کیا تھا کہ لوگ ہماری طرف متوجہ ہوں۔

لیکن کام میں ہوتا ہوا تو ایک یہ بات خاص طور سے یاد آتی ہے کہ ہمارے گھر میں خاتمی کا ایک کلام تھا۔ ہم بھی پڑھتے تھے ان میں ہمارے چھوٹے بھائی (احسان) اور بڑے بھائی (عظیم) ان خاتمی سے دلی ہو کر تھیں کہ میں مصروف رہتے تھے۔ ہم

اکیلے ان طوائفی کے ہاتھ آگئے۔ اس کا بھوکھانہ بھی ادا ہو کر کھانا کھا دیا۔ فائدہ تو یہ ہوا کہ ان طوائفی نے ہم کو اپنی شریعت و زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا۔ جس کی وجہ سے کوئی غیر مذہب یا انڈیئم کی بات اس زمانے میں ہمارے موبہ سے نہیں تھی تھی۔ اب بھی نہیں تھی۔ قصداً یہ ہوا جس کا مجھے کمال معلوم ہوتا ہے کہ لیکن میں کھنڈرے ہیں یا ایک طرح کے لہو و لعب کی زندگی گزارنے سے ہم غرور ہے۔ مثلاً یہ کہ گلی میں کوئی فنگ آؤٹا ہے کوئی گلیاں کھیل رہا ہے۔ کوئی ٹو چار رہا ہے ہم اس کھیل کو دیکھتے رہتے تھے اکیلے چھوٹے۔ ہوتا ہے شب و روز تھا ہمارے آگے کے صدائیں ہم میں جاتوں کے صرف انسانی بنے رہتے وہاں میں شریک ہونے کی حسد اس لئے نہیں ہوتی تھی کہ اسے شریعت و مصلحت و شریعت کام نہیں سمجھتے تھے۔

اساتذہ مکی ہم پر مصر ہیں رہے۔ آج کل کی میں تھیں جانتا ہوں کہ ہمارے لئے مشکل کنکال میں ختم ہوئی تھی۔ ہمارے عہد کے استاد نہایت ہی جادویم کے لوگ تھے۔ صرف مکی نہیں کہ ان میں سے کسی نے ہم کو ہاتھ نہیں لگایا بلکہ ہر کلاس میں ہم کو پانچ جانتے تھے۔ لیکن ان میں کوئی کلاس کا کچھ نہ تھا۔ اس کام سے ہمیں بہت کوفت ہوتی تھی اور ہم کو خوش کرتے تھے کہ میں تو بڑی تھیں ہوں میری عمر تھی کہ ہمارے کلاس ہوا معلوم نہ ہو۔ علم لگنے کی جانے کمال عجیبہ رہا

کلیاں آہستہ سے کچھ دغیر و کچھ ہم بکے رہتے تو استاد کہتے یہ کیا کر رہے ہو دوسرے چاٹھاؤ۔

وہاں فریاد کرتے ہیں اکیلے یہ کہ بچوں کی جو دلچسپیاں ہوتی ہیں ان سے محروم رہے۔ دوسرے یہ کہ اپنے دوستوں میں عداوتیں ہونا اپنے استاد سے نہیں ہے بلکہ اس وقت ہمارے دوستوں کا جو ہمارے کلاس کے دوستوں اور معاصروں سے مکی ہمارا آج بھی دل رہا ہے۔

مکی ہم اپنے ابا کے ساتھ ٹری کی لڑائی جھگڑے جھگڑا کرتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ ان کے ساتھ ہم اٹھ بیٹھے ہمارے ساتھ مجھ کے لڑاؤ کی اور کھنڈر و جھگڑا ہوتی ہمارا ہم پر ہاتھ پائی سے ہمارے وقت کے بڑے فاضل تھے۔ وہاں قرآن پڑا لیا کے ساتھ بڑے ہمارے کھنڈر کی میر کے لئے کچھ کھنڈر لڑاتے کہ

جانا کرتے تھے خطا کھینے کے لئے اس زمانے میں انہیں خطا کھینے میں کچھ دقت ہوتی تھی۔ ہم ان کے نکتہ بازی کا کام انجام دیتے تھے انہیں انڈیا بھی جہ کرنا تھے۔ ان مصروفیات کی وجہ سے ہمیں انہیں میں بھٹ فائدہ ہوا۔ انڈیا انگریزوں کے انہیا رات پہنچے اور خطوط کھینے کی وجہ سے ہماری استعداد میں کافی اضافہ ہوا۔

ایک اور بار چارہ ہوئے۔ ہمارے گھر سے ملی ہوئی ایک مکان تھی جہاں کتابیں کرانے پر لگی تھیں۔ ایک کتاب کا کریبہ پچھو ہوتا۔ وہاں ایک صاحب ہوا کرتے تھے جنہیں سب "بھائی صاحب" کہتے تھے۔ بھائی صاحب کی آکان میں اردو ادب کا بہت بڑا ذخیرہ جمع تھا۔ ہماری بھینجی صاحبی، جماعت کی غالب طبعی میں جس کتابوں کا راج تھا وہ آج کل قریب قریب مفقود ہو چکی ہیں جیسے "مہم ہوشربا"، "فتنہ آکا"، "مہا بلیم فخر" کے ناول وغیرہ۔ یہ سب کتابیں جہ انہیں۔ اس کے بعد شاموں کا کام پڑتا تھا شروع کیا تو آج کا کام پڑتا تھا۔ غالب تو اس وقت بہت زیادہ ہماری کتب خانہ میں آج ہمارے کام بھی آدھا کرنا تھا۔ کبھی تو آدھا کرنا تھا۔ آج کل آدھا تھا جس میں کمال پڑا کہ جب قسم کا ہوتا تھا ان شعر سے لکھنا اور ادب میں دلچسپی ہونے لگی۔

ہمارے اہل کے مٹی گھر کے ایک طرف کے ٹیبر بھی ہے۔ ہمارا اس سے کئی بات پر اختلاف ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ اچھا آج ہم تمہاری صلاحیت کر کے کریم بادل پڑتے ہو۔ جس اس سے بہت سی اصلاح اور ہم نے ان کی بہت صلاح کی کہ صلاحیت نہ کریں مگر وہ دے دے اور لا۔ صلاحیت کر دی لی۔ دہا نے ہمیں بلایا اور کہا کہ میں نے سنا ہے تم بادل پڑتے ہو۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ کہنے لگے بادل ہی چھوٹا ہے تو انگریز ہی بادل چھوٹا کر بادل اگلے نہیں جاتے۔

شعر کے تھوٹے ڈاکٹر بری ہے وہاں سے بادل ڈاکٹر جہاں کر۔

ہم نے انگریز ہی بادل پڑنے شروع کیا۔ انہیں پڑھائی اور نہ جانے کیا کیا پڑھا۔ وہ بھی آدھا کرنا بھی آدھا کرنا آدھا کرنا پڑتا تھا۔ اس مطالعہ کی وجہ سے ہماری انگریزی بہتر ہو گئی۔ دوسری جماعت میں پہنچے تھے محسوس ہوا کہ بعض استاد پڑھانے میں کچھ غلطیاں کر جاتے ہیں۔ ہم ان کی انگریزی دوست کرنے لگے اس پر ہماری پائی توڑ ہوتی کہ ان استاد کی خواہش ہوتی کہ وہ کہتے اور کہیں ہم سے کچھ انگریز ہی آئی ہے پڑھ کر ہمیں پڑھایا کہ ہم سے کہیں پڑھتے ہو اس زمانے میں کبھی انہیں ایک خاص قسم کی کینٹین ملادی ہو پائی تھی کینٹین سے لگاؤ تھا۔ ہم کو خوشیہ ہمارے ہاتھ خوب پیر و زانو ہوا کہ ہم کی چٹک میں ڈالے بڑے استادوں کا گانا سننے۔ استاد تو کئی سینیں تھیں "امت عبداللہ" خاص استاد ہاشمی علی خاں اور مولے نظام علی خاں وغیرہ۔ ان استادوں کے ہم عصر اور ہمارے دوست رفیق غوثی مرحوم سے بھی محبت ہوتی تھی۔ رفیق لا کاٹھ میں پڑھتے تھے۔ پڑھنے تو خاک تھے جس کی طور پر کاٹھ میں داخلے رکھا تھا۔ کبھی خوشیہ انور کے کمرے میں ہوا بھی رفیق کے کمرے میں نہ تھا کہ جاتی تھی۔ رفیق اس طرف انہیں اس طرف تالیف سے متاثر ہوا وہ کافانی سوانح ملا۔

جب ہمارے والد فوت ہوئے تو پچھ چاکر گھر میں کھائے تھے کہ انہیں بھی ہے۔ کی سال تک وہ بار بار سے ہوا تو سستی کی اس میں بھی لطف آجاس لے کر اس کی وجہ سے فائنٹا ہل کر وہ کہنے کا بہت سوانح ملا۔ خاص طور سے اپنے استادوں کا کاٹھ میں ایک چھوٹا سا مطالعہ ہی کیا تھا کہ ان کے ہاوس اور دوست تھے اقبال نام لکھیں اور شیخ احمد سمیں۔ ڈاکٹر

عبداللہ کی بھی اس مٹی میں شامل تھے۔ ان کے ساتھ شام کو کھل، داکٹر۔ جلی کے گلوں میں جو دوسرے واقعات ہوتے ہیں وہ بھی ہونے اور برکی کے ساتھ ہوتے ہیں۔

گرمیوں میں تعلیمات ہوتیں تو ہم بھی طور شد اور اور بھائی شکیل کے ساتھ سری کر پنے جانا کرتے اور کبھی اپنی کٹھن کے پاس ان کی پڑھتی جاتے۔ ان کی پرستش ہوتی ملک ہونے کے گھر کے دوسرے لوگوں سے واقف ہوتے۔ کبھی اپنی سب سے بڑی انشورہ کے بارہم سال پنے جاتے جہاں حاضر قدرت کیچھنا سوانح ملا وہ دل پر ایک خاص قسم کا نقش ہوتا۔ ہمیں انسانوں سے ہٹا لگاؤ پانا قدرت کے حاضر اور مطالعہ میں غفلت سے نہیں رہا مگر ان کی باتوں میں نے محسوس کیا کہ شعر کے ہو گئے تھے جس کا بھی اپنا ایک حصہ ہے جو وہ دھڑا کر دیا۔ ہمارا اس سے کم نہیں بلکہ اس کو کہنے کے لئے ہمارے دوسری طرف کی فکر پڑا ہے۔

لکھے یا ہے ہم مٹی روزانے کے اندر پہنچے تھے۔ ہمارا والد ان کی نگاہ پر۔ لکھے ہر مٹی کئی چھوٹا سا ایک جن میں تھا ہر طرف ہاتھ تھے۔ ایک رات چاند نکلا ہوا تھا۔ چاندنی چھوٹا اور ارد گرد کے گڑے کرکٹ کے ڈاکٹر پڑھتی تھی۔ چاندنی اور سامنے یہ سب لکھ کر کہو کہ جب پرامن طریقے لکھے۔ چاندنی حکایت سے شری پڑھتی کچھ کی تھی اور کچھ جب ہی قسم کا مضمین بنا ہوا کیا تھا جس میں نے لکھی کہ لکھتی تھی کی ہے ایک آدھ لکھ میں سحر لکھی ہے۔ شری لکھیں لکھوں اور کو یوں میں کبھی اور کے وقت لکھتی شام کے وقت کچھ اس قسم کا کہ جب آجاتا ہے جسے کوئی پڑھتا ہے۔ ہم شب چاند نور فراہمی "ایم و دہاشتی کے وجہ سے چودہ غیرہ ای زمانے سے حلقہ ہیں۔

انہم اسے میں پہنچے تو کبھی کو اس میں جانے کی ضرورت ہوئی کبھی بالکل ہی نہ پہاں دوسری کتابیں جو نصاب میں نہیں تھیں پڑھتے رہتے اس لئے امتحان میں کوئی خاص مواز حاصل نہیں کیا لیکن کچھ معلوم تھا کہ جو لوگ کمال مہم آتے ہیں ہم ان سے زیادہ جانتے ہیں خواہ ہمارے تجرباں سے کم ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ بات ہمارے سامنے بھی جانتے تھے۔ جب کسی استاد کا بیچہ پروفیسر و کسٹن یا پروفیسر ہریش چندر کا یا تھا تو بیکھر کر بے کوئی نہ پڑھتا تو ہم سے کہتے کہ ہمارے بھائی تم بیکھر کر ایک ہی بات پڑھتے پروفیسر بھاری بے قاعدے کے پروفیسر تھے۔ وہی نہیں کرتے تھے۔ پروفیسر و کسٹن کے اے ایسوی مادی کا تھی ادب تو گھر ان میں اس موضوع سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس لئے ہم سے کہنا کہ تھی بیکھر کر کو دوسرے جہان میں دینی لڑکے ہمارے ساتھ تھے ان سے کہی کہنا کہ تھیں بیکھر کر لوگ بھی چڑ کر رہے۔ اکابر ان کے بارے میں کہہ پا رہے تھے آکے ہم سے پوچھ لیا۔ چنانچہ ہم استاد ہم ہی زمانے میں ہو گئے تھے۔

ابتدائی ثانوی کے دوران میں ڈاکٹر کے زمانے میں ہمیں کوئی خیال ہی نہ تھا کہ ہم فارسی کے سیاست و دیگر جہاں وقت میں میں بالکل ہی نہ تھی اگرچہ اس وقت کی تحریکوں مثلاً کانگریس تحریک خلافت تحریک باکھت گھکی اور پشت پند تحریک کے اثرات تو اس میں تھے۔ مگر ہم غور ان میں سے کسی تھے میں تحریک نہیں تھے۔

شروع میں خیال تھا کہ ہم کوئی بڑے کرکڑیں جائیں کیونکہ انہیں سے کرکٹ کا شوق تھا اور بہت کھیل کچے تھے بھاری چاڑھا جانا چاہتے۔ سرکاری کرنے کا شوق تھا۔ ان میں سے کوئی بات بھی نہ تھی۔ ہم کرکڑیں تھے خفا اور نہ بھاری کی۔ البتہ استاد کو کرکڑیں تھے۔

ہماری زندگی کا شاید سب سے خوش گوار وقت امرتسری کا تھا کی افشار سے ایک قریب چلے کہ وہ اب ہمیں بھلی دفتر پڑھانے کا موقع تھا تو بہت لطف آیا اپنے طلبہ سے دینی کا لطف ان سے ملے اور روزمرہ کی کاموں کا لطف ان سے کہہ سکتے تھے انہیں پڑھانے کا لطف۔ ان لوگوں سے دینی اب تک قائم ہے۔ دوسرے یہ کہ اس زمانے میں کچھ عیسائی سے شرعاً گھٹنا شروع کیا۔ جس سے یہ کہ امرتسری میں بھلی بار سیاست میں تھوڑی بہت بصیرت اپنے بکھر لگا دی تھی سے یہاں میں ہی محمود غلط تھے اور انکر رشید جہاں تھیں انہوں میں ڈاکٹر تاخیر آگے تھے۔ یہ ایک ہی دنیا جہت ہوئی۔ حور و دہلی میں کام شروع کیا۔ مول لہری لڑکی ایک انہیں بنی تو اس میں کام کیا۔ ترقی پند تحریک شروع ہوئی تو اس کی تنظیم میں کام کیا۔ وہی سب سے دینی تحریکوں کا ایک بالکل چاہیہاں ہوا تھا۔

ترقی پند عہد الپ کے بارے میں ہمیں شروعاتی ہونیکہ وہاں میں مصداقاً عرب لیٹن کی ادارت کی تشکیل ہوئی تو وہ تھیں برس اس کا کام کہہ اس زمانے میں تھیں انہوں کے روزے نہ تھے انہیں ایک ادب ہمارے ادب "دائے دوسرے ترقی پند تھے کی وہی

تک ان دونوں کے درمیان ہمیں پہلی درجہ میں کی حد سے کوئی مصداقہ نہ رہی ہو جائے تو ایک بہت ہی دلچسپ اور تسکین دہنہ تھا۔ برصغیر میں رنج و شروع ہمارے رنج و غم میں ہمارے دوست تھے ایک سید رشید احمد تھے جو رنج و پاکستان کے ڈائریکٹر بحری ہوں۔ دوسرے سونو تھو چپ تھے "جو آج کل ہندوستان میں شعور سیاست کے سربراہ ہیں۔ دونوں ہماری پہلی ماہوں کے کلچرل ڈائریکٹر تھوڑے۔ ہم اور ہمارے ساتھ شو کے دو چار اور عرب ڈاکٹر تاخیر حسرت "صوفی صاحب اور ہری چند اختر و دیگر تھے آئے جاتے تھے اس زمانے میں رنج و کا پندرہ گام ڈائریکٹر آف پرائمری تھیں جاتا تھا بلکہ ہم لوگ ہی کر دیا کرتے تھے۔ ترقی پند میں چلتے تھے اور ان سے پندرہ گام مرتب کرتے تھے ان دنوں ہم نے ڈائے کچھ بیکھر لکھنے نا چاہا کہ انہیں "یہ سب ایک مستقل عقیدہ تھا۔ رشید وہ دینی ہے کہ تو ہم دینی جانتے تھے۔ وہاں نے نے لوگوں کے ملاقاتیں ہوئیں۔ دینی اور گھٹو کے لکھنے والے کہہ ان سے سیاسی ہوئی۔ مہلا سوادہ جعفری "ہاں مہلا سوادہ جعفری "ہم دینی کے بارے میں اس وقت سے دینی کے علاوہ سمجھتے تھے۔ وہ سارا زمانہ مصداقہ کا بھی تھا اور ایک طرح سے بے گھر کی گئی۔

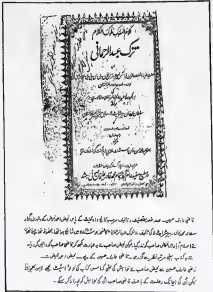
☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بیلوں میں گزارنے چاہئے۔ یہاں انہیں اپنے دوست اہلبیت کی مجال سے ملنے کی اجازت نہیں تھی حتیٰ کہ وہ اپنا گم کی مشال نہیں کر سکتے تھے۔ فیض کی چٹوٹیں ان کے زمانہ قید کی یادگار ہیں۔

ہے کسی زمانے کی یادگار ہیں۔
 حنا روح و گم بکن کی قید کیا تم ہے
 کہ ان دنوں میں تو یہی انہیں میں نے
 تو یہاں چھوڑی ہے قید کیا کہ نہ ملتا ہے

فیض صحافت کے میدان میں: فیض کی شخصیت صحافت کے میدان میں طوب نھری طور عروج پر پہنچی 1938-39ء تک انہوں نے ماہنامہ



نامہ دار، محبوب، صدر طبع، فضیلت، داناہ، سوسے کا بی، اور ایکٹ کے پاس انہیں دھارنہ کے بارے میں گوارہ
 سہارہ میں لایا۔ بیڑا پکڑنے کی طرف۔ ان کی عہدہ دارانہ اور مشورہ میں لایا گیا تھا۔ انہوں نے اپنے
 12 اسماء آؤں انہیں صاحب کو زندگی بھر انہیں صاحب سے عہدہ دارانہ کے ساتھ صاحب کو انہیں گوارہ
 تھے کہ اب۔ اپنا سر نہ لکھتے کہ وہ سے اس کا حالت صحت کے ہے۔ لیکن اور عہدہ دار
 زخمی حالت صحت سے لیکن صاحب سے قراہی کی تھی کہ میں کاپ کا کو لاؤں بیٹ کے لیے اور پھر بیٹا
 انہیں نے ان کی اپنا ایک دھلت کے باعث قاضی صاحب ان کی سواہی کو چارہ کر سکے۔

”زندہ نامہ“ کی بہت سی نگینیں انہوں نے نگہری
 مشعل جیل اور لاہور مشعل جیل میں قیام کے دوران
 لکھیں۔ مارچ 1953ء سے مارچ 1955ء تک کی
 مکی جہاں لکھیں اس گھر سے میں شامل ہیں۔ ان کے
 یہ اہلدار جن میں گئی حیات اور گئی کام کا احساس تھا

ہر ایک صف، دفتر میں رہاں میں نے
 سارا کس کے سلسلے میں تھے سے فیض 20
 اپریل 1955ء کو چھوڑے۔ دوسری بار 1958ء میں
 کنگلی ایکٹ کے تحت گرفتار ہوئے اور اپریل 1959ء
 میں رہائی ملی۔

”صاحب لطیف“ کی ادارت کے قرائن اہام دینے
 1947-55ء تک اخبار و رسالے میں رہائی کی
 شہادت سے طبعیات سرائیام دی۔ ان میں چھ ایک
 قابل ذکر ہیں۔
 روزنامہ پاکستان، پاکستان، پاکستان، پاکستان، پاکستان



میرزا سید باقر

وہ باتیں جن کا فیض کو ساری عمر بچھتاوارہا

تک ہے۔ کیمبرج میں داخلہ چکا ہے تمام چاروں
تعلیم ہیں۔

ہو گئے۔ آپ مانگیں یا نہ مانگیں! آپ نہیں یا
رہے ہیں۔ اور واقعی یہاں کے چاروں ماہرہ جنگ عظیم
شروع ہو گئی۔ ہمارا اطالوی جہاز جو ہمیں لندن کے
ہائے وفاقہ پہنچا ہی نہیں سکا۔ اس طرح واقعی ہمارا
دست بند ہو گیا۔ وہ سے آج تک کبھی کبھی سوچا
ہوں کہ واقعی کچھ ہو گا! علم میں لگایا۔

اور فرد فیض صاحب آپ سے پوچھا
چاہوں گا کہ اپنے لٹریچر میں اپنی انگلیوں میں جو مقصد
زندگی کا آپ نے دیا ہے کہ زندگی کا وہ کلاس میں جو کل کیا
تجربوں کی حاضرت کی کوئی جگہ ہے۔ اس میں سوائے
واقعے آپ کو کس تک پہنچا کر گیا؟

فیض صاحب صرف اس تک کیا کہ اس کی
دست لگا ہو گئی۔ کبھی کبھی لگا گیا تھا ہے۔

انوار ماریف: آپ کا گریجواٹ میں تھا
دیں آپ نے ابتدائی تعلیم حاصل کی اس زمانے کے
حوالے سے سمجھنے کی کہ وہاں میں ہمیں کبھی شریک کر
لیں۔

فیض: مجھے کیا یاد ہے کبھی کہ وہاں میں نے ابتدائی
سینئر ایجنسی دیکھا تھا کہ سات سال کے بچے تو انعام
ہم نے تو ان شریف حلقہ کرنے سے کہ ایک حافظہ
صاحب مقررہ کے لئے کہ ہم کو حلقہ کیا کہی تو ہم نے
تین سالہ سے حلقہ لکھے۔ اس کے بعد ہماری انگلیوں

اور جی ہاں تھا آپ کو۔
فیض: یہ دوسری بات ہے۔

اور فرد میں سوچ رہا تھا لندن کے حوالے
سے اور انگلستان کے حوالے سے کہ

فیض انگلستان کے حوالے سے یہ کہ وہاں
جنگ عظیم شروع ہوئی تو اس سے چھ مہینے پہلے ہم نے
کیمبرج میں داخلہ لیا تھا۔ ہائے کی تمام چاروں تعلیم
تھیں انگریزی جہاز میں ہماری سینٹرل جگہ ہم نے لکھی
کیرلے کی سوائے تھے۔ یہاں ہائے کی بات ہے
وہاں ہم ہر شے کے کالج میں پڑھا کرتے تھے۔ کالج
کرکٹ کیم کے سپر تھے۔ ایک سردار صاحب تھے جو
ہوری کرکٹ کیم کو سامنے مہیا کرتے تھے۔ ہم نے
سوچ دیکھا تھا کہ وہاں کام کاج کر کے کام چلا لیں
گے۔ سردار صاحب سے بات ہوئی تو انہوں نے کہا
کہ ہیں کریم کریم کہ آپ کے پاس لکھتے ہی جائیں ہم
آپ کو بل کی فروخت پر مشغول نہیں رہیں گے۔ مگر
ایک شراہے کہ میں جانتی سے پوچھنے پوچھنے کی کام نہیں
کرتا۔ آپ کو اس سے ملنا ہوگا۔ ہم اس وقت کے ہیں
پچھلے۔ وہ کوئی چشمہ جو جتنی نہیں تھے زلیلے سے میں ملانم
تھے۔ جتنی صاحب نے ہمارا نام اور چاروں بچے انہیں
معلوم کی کہ وہ کچھ دیکھ دیکھا اور بولے

آپ تو جانی نہیں رہے ہیں ہم نے پوچھا کیا
مطلب؟ تو بولے اسٹوڈیو بند ہو گیا ہے۔ ہم نے کہا
”دست بند سے کیا مطلب ہے۔ ہماری جیب میں

انوار ماریف فیض صاحب! اگر ہم آپ سے
کہہ باتیں کرنا چاہیں! آپ کا انداز لکھنا چاہیں تو
ہمیں بتائیے کہ کوئی کوئی ہی باتیں ہمیں کی نہیں ہیں
چاہیں گے کہ آپ سے پوچھنا نہ کیا۔

فیض: لکھی بہت سی باتیں ہیں مثال کے طور پر
ہمارے ہمارے اہلکار میں کچھ پڑا لکھنے کے ہم لکھی
آئے ہیں اور وہ ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے علاوہ
ہماری لکھی میں ہمیں آتا کہ کوئی ہی باتیں ہیں جو آپ
سے پوچھنے کی ہیں۔ ہماری زندگی تو ایک مکمل کتاب
کی سی ہے۔

انوار ماریف: عام طور سے آپ کے بارے میں
ایک چیز ہے کہ آپ نے اپنی کیریئر زندگی
گذاری ہے اور بڑی کامیاب زندگی گذاری ہے۔
کبھی کوئی دیکھتا تو آپ کو ہوا ہوگا؟

فیض: ایک دیکھتا تو ہے کہ جب ہم اسکول
میں پڑتے تھے تو ہماری Ambition پوچھی کہ ہم
ایک بڑے کرکٹر بنیں۔ وہی تک کبھی کبھی ہم خواب
میں دیکھتے ہیں کہ ہم بہت بڑے ٹیسٹ کرکٹر ہیں اور
کرکٹ کھانا کھیل رہے ہیں۔ ایک تو وہ ہم نہیں ہیں
تک۔ بہت بڑا دیکھتا ہے۔

اور فرد: فیض صاحب یہاں آپ سے تھوڑی
سی عرض کرنا چاہوں گا کہ آپ کرکٹ میں کبھی جاتے
تو پانچ سال تک آپ کا خوب تھا وہ حقیقت کا
دوبہ اختیار کر لیتا۔ جو میں کرکٹ سے دیر کر کر



دعوتِ اسلام کے مبلغین اور مبلغین کی اہلیہ، خواتین اور بچے شریعت اسلامیہ کی تعلیم دینے والے

دیکھئے! انہیں۔ تو ایک بچہ تھا وہ اب کی ہے۔ جو آپ کا کسی
 باپ چاہے ہے اس کے لئے اس کے بعد ہم آگے بڑھ کر گئے۔
 اتحاد میں ماضی و حال سے مگر یہ آزاد و آزاد
 کی تعلیم حاصل کی۔ ہر مہم مدرسہ میں داخل ہوئے۔
 ہمارے لہجہ میں تھے وہ انہیں اس سب کے بعد تھے۔ اس
 لئے پہلا سیمینار میں داخل کیا گیا۔ ہم جب بنگلہ مرید
 مدرسہ بھیجے گئے تو بڑے احترام کے گئے۔ انہیں محلی
 کیڑے پہنائے گئے۔ انہیں میں کامل لگا کر کیا یہ
 اور وہ نہ جانے کیا کیا احترام ہوئے۔ وہ کونزوں والی
 گاڑی میں بٹھا کر مدرسہ بھیجا گیا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا
 کہ رات بچھا ہوا ہے اور مجھے کچھ کچھ میں سے
 چارے بچھائے ہوئے ہیں۔ وہ انہیں پہلا پھاڑ کر
 دیکھنے لگے کہ یہ کون سا چارہ ہے؟
 اور فرار (مطلق حکم کرتے ہوئے) فیصل
 صاحب کی اور ان کی بہن اور ان کے بہن کے
 فیصل چاہتے ہیں انہیں لگاتار ہم پر کہتے

دعوت ہوئی اور لہجہ کیا کہ آج کے بعد ہم پر نہیں
 کریں گے کہ ہم اب یہ الگ الگ ہیں۔ بڑے محو سے
 ان تک ہم اس اسکول میں رہ کر پڑھائے ہوئے
 زندگی طلب کر رہی۔ ایک تو ہمارے نام پڑھنا اسکول
 کے بعد تھے اس نے ہر مہم میں اسلام کرتا تھا۔
 امتحان دیکھ کر ہوتے ہی نہیں تھے۔ اپنے انہیں ہم اور
 قاری گھر اس سے زیادہ چاہتے تھے وہاں کے
 استاد اور بھائی تھے۔ آخر ایک دن ہم نے اپنے ہاں سے
 کیا کہ ہم اس اسکول میں نہیں چاہیں گے۔ وہاں
 سے ہم ملحق اسکول چلے گئے۔
 یہ بھی اس زندگی کی یاد ہے کہ سب کا گھر اور
 غلطی کی طرف ایک جہتی تھی۔ امرتسر میں داخل ۱۱ سال
 تھا۔ سارے شریعت ایک طرے کا بھگت تھا۔ ساری
 کہاں کہاں گئے۔ باہر سے لہجہ آتے تھے اور ان کے لئے
 شریعت میں لہجوں کے دروازے لگائے جاتے تھے۔
 یہوں سے کسی کا زبان بھاری ہوتی تھی۔ وہ ان کا

ہاں ۵۵ تو ہمارے مسلمان "عکس سب ساتھ ہوئے
 تھے۔ فرار تھے "جو بولے سہاواں۔ سہ سہری
 اہل "فرار" "فرار" "طاہر" کی صدا بھرتی ہوئی
 فرار "نئے لازم" کی آواز گئی تھی اور اس کے بعد
 طاہر اقبال کا فرار "سارے جہاں سے اچھا
 بعد اس کا "کالہ" ہوا تھا۔
 یہ بگاتے ہوئے ہی رہتے تھے۔ ہمارے ادا
 ہر کٹر کے بہت بڑے تھے کہیں تھے تو ایک آج تھے کہ
 آپ ان کی گریڈ میں صدمہ تھے۔ دیکھتے تھے ہی تو بہت
 ہوتا ہے کہ میں اس میں ان کو پڑھ کر گئے
 اپنے جہاں کا طریق آتا ہے یہ ابھی بہت پہلے ہیں۔
 اور پھر وہ اس میں ان میں نہیں کہتے کہ سہ کر رہے
 انہیں دیکھ کر ہمارا خطاب مل گیا۔
 انہیں دیکھ کر ہمارے ہاتھ کی آپ کی دعا میں
 کیسی تھی؟
 فیصل طاہر سب کو صرف ایک ہی بار دیکھا

”میں کرکٹر بننا چاہتا تھا“

کرشن گوئل فیض صاحب انہی حالی میں ایک انٹرویو میں آپ سے پوچھا گیا تھا کہ آپ یہ بتانے کو اپنے کون سے سوال ہیں جو آپ سے نہ پوچھے جائیں لیکن میں اس کے باہل برعکس کہنا چاہتا ہوں۔ آپ نے سینکڑوں بڑا دلانہ انٹرویوز دیے ہیں آپ ایسے سوال تا نہیں جو آپ نے پیش سوچا ہو کہ کاش مجھ سے کوئی پوچھے اور میں اس کا یہ جواب دوں۔ اسلی کوئی سوال ہے؟

فیض: اہل بات یہ ہے کہ ہم تو انٹرویو دہیرہ دینے کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ہمارا کام تو صرف کہنا ہے۔ ہم سے کوئی کیا سوال پوچھتا ہے کہیں پوچھتا ہے ہم نے کبھی انور نہیں کیا۔ جو کبھی کوئی سوال کرے ہم جواب دینے کو تیار ہیں۔ آپ پوچھ رہے ہیں کہ کوئی ایسا سوال جو ہم سے کرنا چاہتے ہو اور ہمیں اس کا جواب دینا چاہئے تھا۔ یہ ادا سوچنے کا نیچے سوچ دینے کا سوال سمجھتے۔

کرشن: آپ نے انہی کہا ہے کہ میرا کام کہنا ہے اچھا تو ہمارے ساتھ ہے۔ آپ نے شعر کہا کہ شروعات کیا تھا؟

فیض: شعری شایہ ہم نے بھیجی ہی نہیں کہ بدلی شروع کر دی ہوگی۔ جس کا ہم نے کبھی کوئی ریکارڈ نہیں رکھا۔ لیکن سیدگی سے ہم نے اس وقت کہنا شروع کیا تھا جب ہم گوگنٹ کاٹی میں داخل ہوئے۔ یہ بات 1929ء کی ہے ہم تقریباً انیس میں

پڑھتے تھے جب پہلا مشاعرہ انگوٹھ کاٹی اور ٹیٹا کاٹی کے اس مشاعرے میں شعر کے سامعہ خواہ مخواہ اعتراضات اٹھائے تھے۔ آج کل جو فرقہ مشاعرے کا رواج چل رہا ہے اس زمانے میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ کاٹی میں ایسا ہوتا کہ بڑے بڑے شاعر ہوتے تھے وہ دوا بچا کر گھر لے کر بیٹھے تھے اور ہمارے جیسے انہی شاعر بننے کی کوشش میں ہوتے تھے اور سامعین میں بیٹھتے تھے۔ اور بدلی بدلی ان کو پکارا جاتا تھا تو ہم نے مشاعرے میں پرمیتا گوگنٹ کاٹی میں ہی شروع کیا تھا۔ پہلی بار جو ہم نے غزل پڑھی تو بہت داللی ملی۔ شاعر کی صداقت اس کی نگارنی صاحب کر رہے تھے۔ پہلے وہ ٹیٹا بہت داللی تو دوسرے دور کے لئے بھی نہیں دیا گیا مگر ہمارے پاس تو صرف ایک ہی غزل تھی۔ ایک بار ہمارے ایک دوست راج سوہن نے اپنے ایک دوست کے نام ایک محظوم نام سے لکھوایا تھا جو کہم نے نظم کر کے کہہ دیا تھا۔ ہم نے بھی دوسرے دور میں وہ محظوم غلام بھائی داس کے بعد مشاعرہ شروع ہوا تو پانچ سو حسرت ’صوفی احمد اور عبدالحمید سادک جیسے بلند پایہ صاحب فن اور اہل قلم ہمارے پاس آگے اور کہنے لگے کہ محظوم ہمارے ہی کا کہتے ہو جت گئی ہے۔ میں نے کہا ”ہی ہی کی گئی ہے۔“ کہنے لگے ”ہی ہی ایک بہت اچھا ہے شعر کیا کریں“ ہم نے کہہ کر ہم تو واقعی شاعر ہو گئے ہیں یہ اس قسم کے بدلی کے لوگ ہمیں

مرا رہے ہیں۔ یہ ہے ہمارے شعری سفر کا آغاز۔ کرشن انہی آپ نے کہا کہ کئی زمانے میں آپ تک بدلی کیا کرتے تھے اس زمانے میں بدلی کیا تھا کہ آپ بنا عرض ہیں گے؟

فیض: کبھی بھی نہیں۔ اس وقت تو ہم کرکٹر بننا چاہتے تھے۔ اپنی خواہشات کا دائرہ یہاں تک ہی محدود تھا۔ کرشن شاعری کے علاوہ آپ ہمدرد بھی رہے اور اعلیٰ کے ایلٹریک۔ آپ فوج میں بھی رہے۔ ان سب کے باوجود آپ کا شاعری سے دور رتنا اور رہا۔ یہ بتاتے تھے کہ عارضی میں آپ کیسے رہے گئے۔ خلاف فوج میں آپ کیوں اور کیسے گئے؟

فیض: جب بڑی نے داس پر حملہ کر دیا اور ہائی ہندوستان تک پہنچ گئے تو ہم نے سوچا کہ اب تو فائززم کا سوال ہے۔ پانچ گروہ کی حمایت کا سوال نہیں ہے۔ وہ ایک مائیکرو فیک کئی فائززم کے خلاف اور مجھ جیسے کے فن میں۔ جب ہم نے سوا کر ہمیں فوج میں شامل ہونا چاہیے اور مجھ ہی قورڈن کی عدالت کے لئے نہیں بھیجا ہوا تھا چاہئے۔

کرشن: اس کے بعد ہمارے نے سیاست میں بھی حصہ لیا؟

فیض: سیاست میں تو ہم نے فوج میں جانے سے پہلے ہی حصہ لیا شروع کر دیا تھا۔ ہمارے ہاں کرشن: ہم 1935ء میں امرتسر میں چمکتے تھے تو

فیض سے ایک گفتگو

نصرت اور ادب میں آپ کا ایک منفرد مقام ہے۔ اور اس کے علاوہ عالمی ادب پر بھی آپ کی نظر ہے اور ادب پر یہ کہوشیں تسلیم بھی کر لیا گیا ہے کہ روایت اچھے ادب کی اساس ہے مگر نیک سوال یہاں پیدا ہوتا ہے کہ یہ مشرق کی اولیٰ روایت مغرب کی روایت کا مقابلہ کر سکتی ہے؟

فیض کا مقابلہ فیض کر سکتی ہے اس لیے کہ ہر ملک کی روایت جو ہے وہ اس ملک کے حوالے کے مطابق حالات کے مطابق اس ملک کے مذہب اور نگاہ کے مطابق اس کا ادب پھر بنی ہوتا ہے۔ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس ملک کی روایت یا مینا ہے اور اس ملک کی روایت گھٹا ہے۔ ان میں بھڑکی یا کٹری کا مقابلہ نہیں ہو سکتا بلکہ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ ان میں کیا چیزیں مشترک ہیں اور کیا مختلف۔ اس بنیاد پر ان میں تقابل ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر دارا فرخ زیادہ فصیح زبان پر مدح و ستائش اگرچہ شاعری کا ہے۔ داری شاعری اور ان کی شاعری کا فرق بڑی بڑی حدوں میں اور ان کی جدوجہد کا فرق ہے۔ اور یہ گھر اور ان کے گھر کا فرق ہے۔ ہمارے یہاں صدیوں تک ایک ایک ہی کلام قائم رہا جس کو ہم لولائی شاعری یا جاگیردارانہ کلام کہتے ہیں اور اس حد سے ہمارے طرز اندیش میں بہت زیادہ داخلی تبدیلیاں نہیں ہوئیں۔ مطلقاً کے آنے سے پہلے ایسی کچھ کہ مسلمانوں کے

آنے سے پہلے دارا فرخ میں لکھتی رہیں۔ لوگ آتے رہے اور اہل اپنی تہذیب اپنے ساتھ لاتے رہے۔ ہر کسی کے آنے کے بعد زبان دلی شاعری کے علاوہ مختلف صوم پر اڑ چکا لیکن مسلمانوں کے آنے کے بعد کوئی جو اتفاقاً یہیں آیا جب تک گھر پر نہیں آئے۔ اس دور میں ایک جو طریق چلایا لیکن سرحدیں اخراجی صدی کے بعد دوبارہ سنا اتفاقاً بنیں مگر چروں کے آنے کے بعد انفرادہ شروع ہوا۔ داری تہذیب کا بھی دور ہمارے گھر کا بھی۔ اور داری اس حد میں اپنے عروج کو پہنچی۔ عام طور سے ہوتا ہے کہ جب کسی تہذیب کا عروج ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ صرف ادب بلکہ تمام فنون کا بھی عروج ہوتا ہے۔ اور شاعری کی ایک نسبتاً مختلف حیثیت ہے کہ اس کا عروج اس وقت ہوا جب ملک کی تہذیب کا ملک کے گھر کا ملک کی ثقافت کا اور ملک کی سیاست کا خطہ یا دور یا زمانہ ہو۔ ہمارا تہذیب

نصرت اس حد کے شاعر تھے۔ آپ کے خیال میں ان کا یہ مقام ہے۔ میرا مطلب ہے کہ کیا ان کی اپنی کوئی روایت یا طرز اندیش تھی؟ فیض اس زمانے میں یہ دو سو سال کا قصہ ہے۔ اخراجی صدی سے لے کر یک سو سو سال کی صدی کے اخیر سے اخراجی صدی کے نصف تک جو شعرا ہیں وہی دور کے داری شعرا ہیں۔ انہوں

نے اپنے اپنے طریقے سے اس زمانے کا بھی محاصرہ کیا اس زمانے کی جو بھی ثقافت تھی اس زمانے کی جو بھی روایات تھی اس کو اپنے اپنے انداز سے منظر کشی کرنے کی کوشش کی لیکن چونکہ اس وقت کوئی بڑا انقلابی نہیں آیا اس لیے اس عہد کی شاعری میں ایک طرح کا تسلسل ہے۔ اس میں ایک خلیہ کی کیفیت ہے۔ جو ان کی فہم کی اور دلیا کی ہے ثنائی کہ یہ بات واضح طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے۔ یہ کیفیت اس عہد کی روایت ہے۔ اب رہا سوال اخراجیت کا تو ہر اچھے شاعر کی اپنی اخراجیت ہوتی ہے۔

نصرت آپ اس عہد کے کس شاعر سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں؟

فیض ایک حد تک بڑی آزادی پر ایک سے متاثر ہوتا ہے۔ نصرت جیسے ہم اور شاعری کی کاٹنگ روایت کہتے ہیں وہ آپ کے خیال میں کس شاعر سے متاثر ہوئے؟

فیض جہاں تک اور شاعری کی روایت کا تعلق ہے۔ روایت شروع ہوئی وہی دلی دلی ہے۔ اگرچہ ان سے پہلے بھی اور شاعری موجود تھی مگر جس کو ہم اور کی کاٹنگ روایت کہتے ہیں وہ ان سے شروع ہوئی۔ ان کے بعد پہلے بڑے شاعر تھے پیدا ہوئے۔ میر کی جود روایت تھی اس میں اور غم اور دنیا سے چڑھائی کا عالم تھا۔ ان کے مقابلے میں

فہمی سربراہان
۱۹۸۰
کراچی کھیل



فہمی سربراہان کی ایک تصویر
انسانی سربراہان



ڈاکٹر منظور الہی
فیض شہنائی
منیر یازدی
فیض احمد فیض
احمد ندیم قاسمی
ڈاکٹر سلیم اختر اور
سعادت حسینی



فیض احمد فیض
احمد ندیم قاسمی
ڈاکٹر سلیم اختر اور
شبنم کھلیل



فیض احمد فیض اور
سر فرید اقبال

تو سمجھو اس لئے جو کہ بھڑکنا اور حقیقت پسند کرنا وہ جان دار خاص تھے۔ ان دونوں کی ایک ایک روایتیں ہیں انہی کے اقتدار سے بھی۔ اس لیے کہ شاعر کی زبان سادہ و شیریں، مٹھنی اور ہلکی ہونا چاہی۔ اس کے بغیر شاعر کی زبان زیادہ بھروسہ زیادہ زوردار اور قاری غماز بھی۔ خیالات اور مضامین کے اقتدار سے بھی دونوں مختلف تھے۔ سادہ و سادہ تھے وہ زیادہ غلبہ پند تھے۔ جو لوگوں پر گہرا دھچکا دیتی تھی اس کی زیادہ مہاکاوی کرتے تھے۔ سحر زیادہ واضحیت پسند تھے۔ یہ دونوں روایتیں ساتھ ساتھ چلیں۔ اس کے بعد یہ دو روایتیں جدا ہو گئیں۔ عام طور پر ہوتا ہے کہ کسی بھی دور کے شاعر پر یا اس کے آثار میں یا شاعر پیدا ہوتا ہے۔ اس عہد کے شاعر پر یہاں سے ہونے غالب۔ انہوں نے سادے سادے کا خاص کر دیا۔ اس روایت کا جو اثر زیادہ سال سے چل رہا تھا۔ ایک طرح سے غالب میں اس کا خلاصہ ملتا ہے۔ غالب کی شعری روایت کے تین پہلو ہیں ایک تو باطنی کے بارے میں باطنی کشا اچھا ہے اس کا حسن اس کی خوبصورتی۔ وہ تہذیب میں سے وہ واقف تھے اور وہ ان کی آنکھوں کے سامنے منہ رہی تھی ایک طرح سے اس کا مرثیہ غالب نے لکھا۔ ان کی شاعری کا دوسرا پہلو ہے حالی اس میں جاہلی ہے سرور سادگی اور انسانی کا شعری ہے۔ تیسرا پہلو ہے عقلیت اس میں اسد بھی ہے اور خوف بھی۔ ایک کلیت ہے کہ پانچوں باب کا ہونے والا ہے؟

حضرت زبان کے حوالے سے روایت کا قصہ کن طرح ہوگا؟

فیض جہاں تک زبان کا تعلق ہے کہ وہ غالب نے کوٹھن کی قاری کے ساتھ جو ادراک تھا تو ان کو

تازہ کرنے کی وہ اس کی جگہ سے لئے اس قدر نے فیض جہاں نے اپنا طرز جان غالب نے حروف کو دیا۔ اس کے بعد انگریزوں کا عہد ہے۔ انگریزوں نے باقاعدہ درس دئے ایک گفتے میں ایک ایک دہائی میں اور ان کی مدد سے انہوں نے یہ کوٹھن کی کہ رنگ روایت سے بہت کہ مٹھنی جو انگریز کی شاعری ہے اس کی تعلیم میں اس کے کہوں کی شاعری کریمہ چاہی جاتی اور آواز سے کہ کیا کہ وہ بجائے ان مضامین کے جو پچھلے شاعر لکھتے آئے ہیں یعنی کچھ دہائی کی باتیں۔ کچھ گروہ بندی کی باتیں اس سب کی بجائے دوسرا کی باتیں لکھیں۔ نچرل شاعری، شوخی شاعری، طنز و طعنا اور زبردست کا موسم، مردوں کا موسم، دلچسپ ہے باطنی شاعری یا بات بھی۔ یہ ایک ایسی شاعری تھی جو لوگوں کے دل کو کھینچ لیتی تھی۔ زبردست قلب سے اس کا کوئی رشتہ نہیں تھا، انہیں دوسری سے دلچسپی تھی اور نہ بہت سے۔ نتیجے کے طور پر یہ شاعری جو کہ انگریزوں کی عقل میں فروغ کی کی گئی تھی خود سے دلوں میں ختم ہو گئی تھیں اس شاعری کا ایک پہلو تھا۔ ملک کے معاشرتی اور سیاسی حالات کی عکاسی شاعری میں آئے گی اور اسی سے ہی شاعری کا آغاز ہوا۔

حضرت اس دور کا سب سے بڑا شاعر آپ کے خیال میں کون ہے اور قی شاعری کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے؟

فیض اس دور کے سب سے بڑے شاعر ہیں اور جتنی ہیں ان میں دور کے اثر میں آتے ہیں۔ دیکھیں:

برود میں شاعر جو ہے وہ دوسرے حالات کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ کسی نہ ملک ایک طبقے کی ترجمانی کرتا ہے۔ وہ جوتو سب سے زیادہ دائرہ ہے۔ اس طبقے کے خدائے اس کے مضامین

اس کی ذہنی شاعری میں داخل ہوتی ہے۔ انگریزوں کے آنے سے پہلے یہ عہد سادہ و سادہ اور ان کی جگہ ان کے ختم ہونے ہی لعل کا اس آگلی۔ آگلی شاعری جو ہے اقبال تک اس سطح پر پہنچے کی شاعری ہے۔ اس میں ایک نیا سماجی شعور پیدا ہوا۔ قومیت کا جذبہ آزادی کا جذبہ اور اس زمانے میں جو انگریز کی شاعری کی تعلیم ہوتی ہے وہ اس کی لیے جتنی بھی کوٹھن شعور انگریز کی سے غریب یا ناقص تھے نہیں ہو میں لوگوں نے انگریز کی تعلیم حاصل کی، طلب سے بڑے گھر گھر آئے انہوں نے خود دگر اور مطالعے کے بعد انگریز کی کو اور انگریزوں کے شاعرانہ محقق Methods کو اپنا لیا اور پھر یہ فیض شاعری بنے ہوئی۔

حضرت اس عہد کا جواہر ہے تجزیوں کا دور کہا جاسکتا ہے۔ فیض اور قاری تجزیوں کے مطالعہ یعنی قرعے بھی ہوئے۔ حالی اور آواز سے شروع ہو کر ان تجزیوں کی وضاحت کی طرح ہو گئی ہے۔

فیض شروع شروع میں دھکیل خلی ہوئی۔ 1905ء کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں نے انگریز کی شاعری کو کھرا کر یہ انداز دیا کہ ان میں سے کون سے گروہ بات اپنے ہیں جو حالی زبان کی مداح میں داخل تھے ہیں۔ انہیں ہم اپنی شاعری میں سو کہنا کہہ سکتے ہیں۔ اس ادراک کے بعد عقلیت، تجربہ و شروع سوائے اس سے پہلے کے تجربہ و عقلیت تھے۔ عقلیت تجربہ کرنے والوں میں ان ہم۔ واقعہ اور تجربہ دہائی ہیں۔

حضرت تعلیم کی طرح کہ سنے دلوں میں بہت نام؟ فیض حالی اور آواز کے مطالعہ میں شاعر کی ہیں اس میں ہر شاعری کی ادراک کے مطالعہ کی اور

حضرت آپ کے خیال میں شاعری میں سے تجربہ

ہونے چاہئیں یا اپنی سمت متحرک ہو جائیں، اور اس کی
 توجہ کرنے، مانگا ہے؟
 فقیہ کوئی بھی تجربہ اس وقت تک کامیاب نہیں ہوتا
 جب تک اس میں دو اہمیت کا جو براہ کی درجہ نہ
 ہو۔ یعنی اگر یہ کی مثال تو ایسی ہے جیسے ایک
 نما ساج اُتید تو اور وقت جتنے اور اس کے
 لیے حساب نہ کریں اور صوم کے طور اس کی جو
 کے پھیلے اور پھولنے کی بجائیں جو مناسب طور
 میں اپنی احتیاج ہو کوئی تجربہ اس وقت تک
 کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک اس میں ہوں نہ
 ہو۔ جہاں تک مادیات کا تعلق ہے اور اس وقت
 تک نہیں چلتی جب تک وہ چلنے سے سوس کا
 خیال نہ رکھے۔ اسے کھاتے کے تجربوں کی بنیاد
 پہنچے ہیں اگر پھانٹے ہوئے ہوں تو چ پھلتا
 پھوٹا کہاں ہے مگر کہا جاتا ہے۔

حضرت ایک ذہنی سوال آپ نے اپنی شاعری کے
 ابتدائی ادب میں کی خاموشی کا اثر قبول کیا؟
 فقیہ جب شاعری شروع کی تو اس وقت کے جو بھی
 مشہور شاعر تھے ان کا اثر آپ کو ملتا تھا شریانی
 حسرت سہانی۔

حضرت جتنی صلاح آبادی؟
 فقیہ جتنی صلاح آبادی؟
 حضرت عباس اقبال؟

فقیہ یوں کہ اس میں ہر پہلو سے پہچان کا اثر
 تھا مگر جہاں تک روادار سے میرا تعلق ہے وہ
 میری نو جوانی کا زمانہ تھا اور اس زمانے میں عام
 طور سے ہر شاعر دہائی شاعری کرتا رہا ہے اس
 لیے اس زمانے کے جو دہائی شاعر تھے آخر
 شریانی حسرت سہانی حقیقتاً چاروں عمری ان کا اثر
 نہ تھا نہ وہ خود روادار ہے کہ اگر چہ ان کے ساتھ
 بھی تھا تھا۔ اس زمانے میں اگر چہ ان کے بھی

مشہور شاعر نہیں اور چلتے تھے انھیں کھاراج تھا
 ان کا بھی اثر تھا۔ بلکہ ان میں عمار سے متحرک
 تھے اور اقتدار میں جتنے اثر شریانی کے شاگرد
 تھے ان سے قریب تھے۔ ان کی ادبی کی جہ
 سے ان کا بھی اثر تھا۔ مگر کے اصول کے تعلق نظر
 قاری شاعری کا اثر بھی تھا۔ اس کی اور کا بھی
 عربی چہ اس لیے عربی شعراء سے ان کی تعلق ہی
 واضح تھی۔

حضرت اور۔ چاہی آپ نے پنجابی ذہنی قوت کی
 ہے؟
 فقیہ پڑھنے کی بات ہے۔ کسی نے پہنچ کر اور چار
 پنجابی میں شاعری کر کے دکھائی۔ ہم نے کہا
 کہ پھر کہہ دیجئے۔ پنجابی میں بھی لکھ کے۔
 حضرت پنجابی کے ہوائے سے آپ نے پنجابی زبان کو
 کہا پایا؟

فقیہ پنجابی کی خاموشی یہ ہے کہ بہت سے مضامین
 ایسے ہیں جو صرف پنجابی میں لکھے جاسکتے
 ہیں۔ آپ انھیں اردو میں نہیں لکھ سکتے۔

حضرت آپ کا انداز ادبی شاعری کی طرف ہے۔
 فقیہ ملتی ہیں۔ عوامی شاعری اردو میں ہو ہی نہیں
 سکتی۔

حضرت آپ کے اس بیان پر کچھ کتابوں کا خیال ہے
 کہ آپ نے لکھا کہ اردو کو صدمہ پہنچا ہے۔

فقیہ ہر خیال ہے کہ اس میں صدمہ ہے کی تو کوئی
 بات نہیں ہے۔ کوئی پرانی بات نہیں ہے اس میں۔ ہر
 زبان کا اپنا مزاج ہوتا ہے اور جو عوامی شاعری
 زبان سے وہ کتابوں میں ہونی چاہی نہیں۔ کسی
 بھی علاقے کے دیہات میں اردو نہیں ہوتی
 ہوتی۔ آپ دلی سے چھ سال پہلے چلے جائیں
 وہاں لوگ اردو نہیں پڑھتے۔ لکھنؤ سے بھی چار
 سال پہلے چلے جائیں وہاں بھی اردو نہیں ہوتی

ہوتی۔ وہاں کی زبان ان کے لیے کہیں کڑی ہوتی
 کہیں نہ ہوتی۔ آپ انھیں دلی ہوتی۔ کتنے تین
 گز اور دھیں۔

حضرت آپ کا مطلب ہے کہ اردو کی ادبی زبان
 نہیں ہے؟
 فقیہ جی ہاں اس میں شاعری میں کہہ سکتا ہوں کہ اردو
 نہ اعلیٰ شاعری زبان ہے۔ اردو دیہات میں کہیں بھی
 نہیں ہوتی ہوتی۔

حضرت آپ نے کہا کہ ہے کہ اگر آپ کو شاعری
 کرنا ہے تو آپ جیسا شعر کہتے ہیں مگر شاعر
 پادشاه تھا جیسا کہیں۔

فقیہ دلی میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کی جہ نہیں ہے کہ
 نہ شاعر ہیں۔ یا شاعر تو آپ کی ہے۔ جو
 یہ ہے کہ پنجابی شعراء میں ان کا میر نہیں جاتا
 اور ان کے کہہ سکتے ہیں کہ وہاں ہے۔ عمار
 ان میں اور داغ کی ساخت اب بکواسی ہو چکی
 ہے۔ جو صرف اردو شاعری کے لیے سوزوں ہے۔
 حضرت تو پھر آپ نے پنجابی شاعری کی طرف کہاں
 رجوع کیا؟

فقیہ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ بعض مضامین
 ایسے ہیں جو صرف پنجابی میں لکھے جاسکتے ہیں
 اگر آپ کسی کہان کے لیے شعر کہنا چاہیں تو وہ
 پنجابی میں کہا جاسکتا ہے اردو میں نہیں۔

حضرت آپ کا مطلب ہے کہ آپ کے کہان کیلئے؟
 فقیہ جی ہاں۔ پنجاب کے کہان کے لیے انھن چوبی
 کے کہان کے لیے بھی آپ اردو میں نہیں لکھ سکتے
 اور کڑی ہوتی میں لکھنا چاہئے۔

حضرت آپ نے اپنی شاعری میں کسی طرح کے
 تجربات کیے؟

فقیہ انھوں نے تجربہ شعر و ادب سے ساتھ ساتھ ہے۔
 حضرت آپ کی بیشتر شاعری فنی شاعری ہے کہ

آپ کے خیال میں "نظریہ" سامنے لکھ کر اچھا شعر کہا جاسکتا ہے؟
 لیکن میرا ایک نظریہ ہے مگر نظریہ کا سامنے نہ کر
 اس میں شاعری نہیں کرتا۔ وہ نظریہ شاعری کا جزو
 ہی نہ ہے نہ کلام ادبی کی اپنی ذات کا جزو ہی نہ
 ہے۔ اسے سامنے نہ کر لیتے تو سوال نہیں ملتا۔
 شاعری ایک مضمون سامنے نہ کر نہیں کی جاتی
 بلکہ مضمون بہ شاعر کی اور اس وقت قلب اس کی
 ذات کا حصہ ہی نہ ہے "نظریہ" شعر کے روپ
 میں اعلیٰ ہے۔

حضرت اس سے یہ گھما کر کہ کوئی یہ شاعر نہیں
 ہے جو محض ایک مخصوص نظریہ کو سامنے نہ کر شعر
 کہتا ہے؟

لیکن کیوں نہیں ہیں ایسے محض شاعری جو نظریہ
 کو شعر بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت ایک عام خیال ہے کہ جو محض ترقی پسند شعرا
 تھے وہ سب نظریاتی شاعری کرتے تھے۔

لیکن نظریاتی شاعری سارے ہی شعرا کرتے ہیں۔
 ہر شاعر کا کوئی نہ کوئی نظریہ تو ہوتا ہی ہے۔ خالی
 الذہن ہی تو کوئی نہیں ہوتا۔ نظریہ کا مطلب یہی تو
 ہوتا ہے کہ وہ دنیا کو نہ دیکھتا ہے نہ دیکھا ہے اور
 کہتا ہے؟

حضرت ترقی پسند اگر ہیں اور غیر ترقی پسند اگر ہے کے
 شعرا ہر آپ کے ذہن پر ایک بنیادی فرق کیا ہے؟

لیکن ترقی پسند اگر ہے کے شاعروں اور دوسروں میں
 بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ اپنے معاشرے کو
 معاشرے کی بنیاد کو اور معاشرے کے مستقبل کو
 ایک خاص زاویہ سے دیکھتے ہیں۔ لیکن ہر شخص
 ہے کہ ترقی پسند شعرا کو معاشرہ شعر لکھنے کی
 خواہش ہے ہاں یہ ترقی پسند ہی ہے کہ وہ ان
 مضمون پر نہیں لکھ سکتے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ترقی

پسند شعرا کوشش کرتے ہیں کہ آج کی دنیا کی جو محض
 حقیقت ہے اس کو روئے داری سے پیش
 کرے۔ اس میں ہر طرف کے آگے کی آزادی
 ہے اس میں ادبی مافیٰ بھی مثال ہے اس میں
 سیاسی مسلک بھی مثال ہے سیاسی جہد بھی
 مثال ہے اس میں اصول و معیار تو ادبی "زمین"
 آسان بلکہ "مطلق غرض" سب کچھ مثال ہے۔
 شاعر سب چیزوں کا مطالعہ کر کے شعر لکھتے ہے۔ یہ
 نہیں جانتا کہ اس میں سے یہ نکلے اور وہاں
 مثال کر لے اس میں سے مافیٰ مثال اور وہاں
 چیز مثال کر لے۔

حضرت آپ نے "مجموعہ مکی" میں میرے محبوب
 نہ ایک "مکی" نہیں لکھ کر مافیٰ کو شاعری سے
 نکل نہیں دیا کیا؟

لیکن (مکی) میں انہیں ہم نے باہر نہیں نکالا۔ یہ
 کہنا بھی تو ایک طرح سے مافیٰ کا اعتراف
 ہے۔ بات صرف اہمیت کی آہنی ہے۔ کہ
 کہ وقت ان سے مسائل عام ہیں اور ان سے
 غیر عام کچھ مثال تو بھی ہوتے ہیں۔ ایک طرح
 سے انہر کی مثال سے لکھتے ہیں تو وہاں حرکت
 خبر ہی ہوتی ہیں "مختصر انہاروں کے پاس سادگی
 خبر ہی آگئی ہوتی ہیں مگر سب خبر ہی تو نہیں
 لکھیں۔ یہ وہاں تو یہ ہے کہ کوئی ی
 خبر ہی نہیں لکھی اور کوئی ی نہیں اس کے بعد
 یہ نہیں ہے کہ کہ خبر کے لیے کئی دلی سرنی
 ہو۔ ہم ان کو پیچھے سے پرچا ہیں کے بابا خبر ہی
 ملے پر ہی شاعری میں لکھی ہوتا ہے۔

ابھی تو یہ آپ کو اہم نظر آتی ہیں اور ابھی
 تو یہ لکھی ہیں جن کو آپ زیادہ اہمیت نہیں
 دیتے لیکن وہی لکھی تھیں تو ابھی کچھ خبر ہے
 اس کو تو آپ ہر صورت جان کر ہی کہ خواہ وہ

مافیٰ ہے "خواہ وہ چوٹی راستہ ہے" خواہ وہ
 قہر صورت مکان ہے "خواہ وہ ایک قہر صورت
 لعل ہے۔ اور آپ کا تجربہ ہے تو آپ اسے
 جان کر ہی کہ کچھ ہیں اس کا انہی نہیں سمجھتے۔
 کے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے وہ نہیں۔
 اس کی اہمیت اپنی جگہ ہے اس کی طرح صورتی
 اپنی جگہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ چاہی
 دیکھیں گے کہ ان کی دلی چیز ہے کہ اس کی اہمیت
 زیادہ ہے اور یہی اس میں شاعری میں قہر ہے۔
 اہمیت ہی کہ اہمیت ہے۔

حضرت وہ سب کوئی مضمون آپ کے ذہن میں آتا ہے تو
 آپ کی چیز کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اگرچہ کہ
 اہمیت کو دیکھ کر؟

لیکن قہر ہی وہ ہیں میں اس کی فرق نہیں ہے۔ وہ
 ہیں ہے کہ وہ سب کوئی شعر لکھتے تو مختلف اہمیت
 میں مختلف طریقے سے شعرا ہوتا ہے۔

حضرت آپ کے ذہن میں پیچھے کیا آتا ہے پہلے میں
 یا آج؟

لیکن میرے خیال میں پہلے میں ہی ایک مثال پیدا
 ہوتی ہے اور تب یہ سوچتے ہیں کہ اس مضمون کو
 الفاظ کا چہرہ کیسے پہنچا جائے۔ کبھی ایک دامن
 دامن میں آجاتی ہے تو کبھی ایک انجان۔ الفاظ سے
 پیچھے انجان آتا ہے جیسے ایک غم کے بارے میں
 میں نے لکھا ہے۔ "توڑوں کی ایک شام۔"

حضرت لی ہاں۔ بہت قہر صورت غم ہے۔
 لیکن میں نے اس کا تجربہ کیا تھا۔ لیکن میں سب
 سے پہلے شاعر بہت جلد سے لکھتے ہیں تو ان کے
 کچھ نظر آتے ہیں۔ کبھی نہیں آتا تھا کہ اس
 انجان کا لفظوں میں کیسے ادا ہوتے۔ بہت سوچ
 کہ خیال آتا کہ اس کا شام کے چاند غم سے تصویر کیا
 جائے اور صبر مانا گیا۔

نہایت زہد اور رقی ہے رات
آئی ہاتھ میں لٹائی تو غریب کی آواز مچی آگیا۔
پھر کوشش کی کہ اس کو آگے بڑھایا جائے تو پھر
کاٹہ مچی زخمی میں آگیا۔ رات کا قافہ ہے پھر
سوچا کہ اس کا بیلن کیا ہو۔ دو تین صرے ہو
گئے تھے بیلن مچی نہ گیا۔

ضرورت کہ الفاظ آپ کی شاعری میں ہر بار آتے
ہیں۔ مثلاً طوق و سلاسل بہار، رادوہ سن زخمیاں
موسم اور بہت سے دوسرے الفاظ۔ کیا یہ الفاظ
لا شعوری طور پر آپ کی شاعری کا لیلیاں جزویں
جاتے ہیں یا پھر شعوری طور پر آپ انہیں استعمال
کرتے ہیں؟
فیض باگل شعری طور پر۔

ضرورت۔ میرا مطلب تھا کہ جس طرح بیکہ حرکات و
سکرات لا شعوری طور پر ہماری طبیعت کا حصہ بن
جاتی ہیں، کیا یہی طرح کہ الفاظ بھی غیر شعری
طور پر ہمارے غماز کا بیکہ بن جاتے ہیں۔؟

فیض شاعری میں جانتا آدمی، کچھ بھی نہیں کہتا۔
شاعری میں آپ سب کچھ شعوری طور پر کرتے
ہیں۔ ہر بار اگر کوئی لفظ آپ کی شاعری میں آتا
ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اگر آپ کو ہر
بار ہوتا ہے۔ رادوہ سن۔ ظاہر ہے کہ جب سے
دارالکتاب چاہے رادوہ سن کے علاوہ کچھ بیواہی
نہیں رہا ہے۔

ضرورت آپ ان کے علاوہ بھی تو کچھ تہا دل الفاظ
استعمال کرتے تھے؟

فیض ٹھیک ہے۔ تہا دل الفاظ استعمال کیے جاسکتے
تھے مگر ان کے مستحق تو ہی ہوتے۔ غرض مچی
استعمال ہوتا ہے، زخمیاں بھی استعمال ہوتا ہے،
عقل بھی استعمال ہوتا ہے مگر اگرچہ ایک ہی ہے
تا۔ میرا خیال ہے زخمیاں اور غرض مچی تقریباً اتنی

میں ہر ایک کو لکھتی ہر رادوہ سن۔ پتہ سننے کی بات
ہے۔ تو ایک کیفیت ہے، یعنی رادوہ سن کی
زخمیاں کی غرض مچی کی عقل اور دلست و صراحت کی اس
کے مقابلے میں بہار، غرض مچی، کھنکھاس وغیرہ اس
قصہ کا دوسرا سنا ہے۔ ایک طرف یہ ہے اور
دوسری طرف وہ ظاہر ہے وہ دل، اگر بات ایک
دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اس لیے یہ الفاظ
بار بار آتے ہیں۔

ضرورت آپ کی شاعری کا مخصوص رنگ ہے۔ یہ تکرار
ایک طرح سے آپ کی پہچان بھی ہے اور اس کو
ایک خوبی سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر شب بھی تکرار
جس کو ہزار میں نظر آتی ہے تو وہ محض عین چلتی
ہے۔ کیا نہیں؟

فیض تکرار کی شاعری تو بہت غرض ہے۔ اس کی وجہ یہ
نہیں ملتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ الفاظ کی تکرار سے کوئی
خامی نظر آتی ہے ہزار میں۔ بات یہ ہے کہ اس
میں پیدا نہیں ہے کیونکہ ان کی شاعری کی سر
بہت گہری۔ انہوں نے جب شاعری شروع کی
ان کا بیجا مجموعہ "آجک" شائع کیا جو ہر چار
سال پر محیط ہے۔ اس کے بعد انہیں وقت نہیں
ملا۔ کیونکہ کے ذاتی حالات اس قسم کے ہو گئے
کہ وہ زیادہ نہیں لکھ پاتے اور نتیجے کے طور پر ان
کی شاعری اپنی پہلی کوشش سے پہلی ہی ختم ہو گئی
نہیں چلتی مچی ہے ان کی شاعری وہ بہت
خاص صورت ہے۔

ضرورت سربراہ شعری کے بارے میں ایک عام خیال
یہ ہے کہ وہ صرف ایک انتہائی خاموش ہیں۔ اس کی
شاعری میں ماحول کے خلاف رد عمل ہے۔ کیا
آپ بھی ایسی سمجھتے ہیں کہ وہ نہ صرف انتہائی خاموش
ہیں بلکہ ان کی شاعری میں اس کے علاوہ بھی کوئی
جوت ہے؟

فیض نہیں انہیں انہیں ہے۔ شروع شروع میں تو انہیں
نے صرف انتہائی خاموشی کی، بعد میں ان کی
شاعری میں بہت جوت پائی آئی ہے۔

ضرورت ان کی آواز کی شاعری جہاں کہ یہ محسوس ہوتا ہے
کہ غائب کے رنگ میں ضمیر کہہ رہا ہے۔

فیض، ہمارا رنگ تو اب ایک عام رنگ بن گیا ہے کہ جس
دارالکتاب یا دوسرے کوئی بھی رنگ کی کمی کی ذاتی
میراث نہیں ہوتا۔ بلکہ ہوتا ہیں ہے کہ جوت کے
رہ تھو ایک علاوہ ایک خاص قسم کی "ایک خاص
حم کا استاد" عقلمند ہوتا ہے جس سے اس میں
کا حراج ہوتا ہے۔ کہنے کے اس کو پہلے اختیار کر لیا
اور بعد میں وہی رنگ عام ہو گیا۔

ضرورت مگر اب تو بہت سے لوگ آپ کے رنگ میں
شاعری کر رہے ہیں۔ آپ کے انداز کو اپنا رہے
ہیں۔

فیض میں نے عرض کیا تا جب کسی عہد کو ہمارا
استعمال کیا جاتا ہے اور لوگ شاعر کے قصور و
اس کی ذاتی اور ذات کی سمجھت ہے، آجک کا اپنی
ضرورت کے مطابق پڑتے ہیں تو اس کو زیادہ
استعمال کرنے لگتے ہیں اور پھر ایک خاص انداز
کی شاعری ہونے لگتی ہے۔

ضرورت ٹی۔ انہیں نے اپنے ایک مضمون میں
لی کہ شخصیت کے عقیدہ کا کام نہیں بلکہ شخصیت
سے گریز کا کام دیتا ہے۔ کیا آپ اس خیال سے
متفق ہیں؟

فیض نہیں۔ شخصیت کا ماحول ہر گز کا حال ہی
نہیں پیدا ہوتا۔ غالباً ٹی۔ انہیں ایلینٹ کے دامن
میں جوت جوتی ہو گئی کہ اگر ماضی صرف اپنے
داعی گروہات پر انحصار کرنے تو وہ بات اتنی پر عمل
اتنی ذاتی ہو جانے کی کہ کسی دوسرے کو اس میں
داخل نہیں ہو سکتی۔ دوسرے لوگ کی گروہات میں

دلچسپی اس وقت لے سکتے ہیں جب وہ خود اس میں شریک ہو سکیں۔ اس اعتبار سے آپ اپنی ذات کو ایک ذکاوت کو خوش کریں گے کہ آپ کی ذات کا وہ حصہ جس میں دوسرے بھی شریک ہو سکیں اس کا اظہار کریں۔ اور وہ حصہ صرف آپ کی ذاتی بات ہے جس سے دوسروں کو کوئی حلاوت نہیں اس کو ایک دیکھیں۔

ضرورت مگر آپ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ آج کے جدید شعراء صرف ذاتی شاعری کر رہے ہیں۔ ان کی شاعری کا محور ان کے بڑے ذاتی قسم کے ذاتی تجربات ہیں۔

فیض دیکھتے ہیں انسان کی ذات اپنے باطنی اپنے معاشرے سے الگ ہے کوئی چیز نہیں ہے۔ ہمارے معاشرے میں جو اس کے مسائل ہیں ان سے کوئی بھی شخص اپنی ذات کو باہر الگ نہیں کر سکتا۔ یہ باتیں ہیں کہ اگر انش کے کے انفرض آپ اپنی ذات کو باہر معاشرے سے الگ کر بھی لیں تو پھر آپ کا دور ذاتی دیدادوں کے لیے مہل ہو جائے گا۔ اگر آپ کے پائوں میں کھانا چھو جائے اور آپ اس کا ذکر کریں تو دوسرا کسی حد تک اسے محسوس کر سکتا ہے کہ کتنا چھینے سے کتنی تکلیف ہوتی ہے لیکن اگر آپ ساری تفصیل بیان کرنے چاہتے ہیں تو کیا کس طرح بھلا کس دماغ سے بھلا کس وقت بھلا؟ تو اس سے دوسروں کا کیا واسطہ؟ شاعری اس حد تک تو انفرادی ہے کہ آپ اپنے ہر کے کاٹنے کا ذکر کر رہے ہیں لیکن اس پر ہے میں اور جو کس کا تجربہ بھی شامل ہونا چاہیے کہ وہ اس میں داخل ہو سکیں تو اس میں کوئی سکڑاؤ نہیں نہیں ہے۔ ہمارے ہیں کہ ہر آدمی کی ذات کے تین مرکز ہوتے ہیں۔ اس کی اپنی ذات ایک اس کا معاشرہ ایک ساری دنیا جو

اس کی ہم عصر ہے۔ انہیں اس کی نظر کا دائرہ وسیع ہو گا۔ جتنی دور تک وہ دیکھ سکتے آتی ہوتی اس کی شاعری ہوگی۔ جتنا چھوٹا دائرہ ہو گا اتنی چھوٹی اس کی شاعری ہوگی۔ یہ تعلیم کسب کہ اس کی نظر دیکھتی ہے ساری دیکھتا تو اپنی نظر سے ہی ہے مگر ہم یہ ہے کہ اس کی نظر چلی کہاں تک ہے۔ اگر کسی کو ایک نظری تجربہ یا تو پھر نظر سے کیا ہو گا! ضرورت بلکہ وہ اپنی ذات کے حوالے سے غلط ہو دیکھتے ہیں۔

فیض بڑی خوشی سے دیکھیں مگر جب ان کو ایک نظر آئے گا تو یہ دیکھیں گے کہ ہم جن دیکھنے والی نظر ہے نہ کیا دیکھتا ہے بعد کی بات ہے۔ ضرورت ہی شاعری کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

فیض: دو سب ایک طرح کے تو ہیں جس طرح طرح کے شاعر ہیں۔ ان میں سے بہتر کچھ شاعر ہیں اور بہتر بے شاعر ہیں۔ سب ایک نامی سے تو نہیں بٹھا پاسکتا۔

ضرورت: سیر اندازہ دھڑکتی کے جدید شعراء کی طرف توجہ دینی کہ شاعری اپنی اپنی طرح ہے جس طرح فیض کا ذاتی موضوعی دور ضرور ہیں۔

فیض: (دماغی کرنا) ہماری میں کسی شاعر سے لڑائی کے لیے چاہتے ہیں۔ آج کے چھینے کی شاعر ہیں ان سب کو ایک جانے میں تو دیکھیں یا سب کو کی فصل میں جو بھی شاعری شروع کرتے ہیں ان کے بارے میں یہ چھینے سے تو نہیں کہا جاسکتا کہ جاسکے جانے کا وہ دوسرا راستہ میں وہ جانے گا۔ صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں کچھ بات ہیں ان میں مکان نظر آتا ہے بعض میں مکان نظر نہیں آتا لیکن کسی کے بارے میں یہ چھینے سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ شاعر ہے یا یہ شاعر نہیں

ہے گا۔ اس لیے تو وہ ان شاعروں کے بارے میں رائے قائم کرتے ہیں جو اپنی احتیاط سے کام لیتا رہا ہے۔

ضرورت: اگر شاعری میں ایک ایسا دور ہو سکے تو ہم ان میں رائے کا ہے انہوں نے بہت خوبصورت تجلیں نکالی ہیں ان کی شاعری کو آپ اردو کی ادبی روایت میں اٹھانے سے تعبیر کرتے ہیں یا محض ایک تجربہ کا نام دیتے ہیں۔

فیض: رائے کی شاعری کے حلقہ ہمارے ہیں۔ ان کی شاعری بھی ایک حلقہ ہے۔ ان کی بہت ہی شاعری محدودت شاعری ہے لیکن تجربہ نہیں ہے۔ اس لیے وہ شاعری روایت میں شامل ہیں۔

ضرورت: اگر ایسا ہے تو ان کی شاعری آپ کی شاعری کے مقابلے میں کم ہو گئی کیوں ضرورت کی باقی ہے اور اس کے علاوہ آپ کی تخلیق زیادہ کیوں ہوئی ہے اور ان کی تخلیق مقابلہ کیا کریں؟ فیض: اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ رائے یہاں آئے نہیں زیادہ تر ہمارے۔

ضرورت: عمر ان کے شعری مجموعے آئے۔ فیض: ہاں لیکن زیادہ عمر وہ انہوں نے پڑھیں میں گزرا اس لیے ان کا پھر نہیں رہا یہاں کے لوگوں کے خلاف کے ساتھ۔ لیکن اب یہ کہ ان کی ہر بعد کی شاعری ہے وہ جاسم پڑھنے والوں کے لیے اتنی مشکل ہے اتنی جہم ہے کہ وہ اس سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔ اس کو سمجھنے کے لیے اس سے لطف اٹھانے کے لیے بہت سا مطالعہ کرنا چاہیے بہت سی کتابیں چاہنی چاہیں تو خود ہی قاری بھی بن جائے تو خود ہی انگریز ہی بھی آتی چاہیے۔ اس طرح انہوں نے اپنے پڑھنے والوں سے فاصلہ بن دیا۔ لوگ ان تک نہیں آتے

ہائے حسرت وہاں تک۔

حسرت ان ہمہ انشائی شاعری کے ہاں سے نہیں بکھڑ
تا نہیں۔

فیض (جو کہ سوچ کر رازش بہت اچھے شاعر تھے)
بہت تہہ دار شاعر تھے اس میں کوئی شک نہیں کہ
انہوں نے بہت سے محنتی قریب بے کچھ نثر اس
زبان میں کیے جس سے چشم رنگ ہاں نہیں
تھے۔ مگر جب کہ وہ نکلے تو انہوں نے انہیں مان لیا
لیکن زبان اور خیالات کے واسطے وہ انہوں
کی فطرت سے نہیں نکل سکے۔ اس کی بنیادی وجہ
یہی تھی کہ وہ اعلیٰ تک تک سے باہر تھے۔

حسرت اب تہہ رازی کے ہاں سے نہیں۔ انہوں نے
راہرو میں گیت گئے ہیں کیا وہ اور گیت کی
مدایت میں کیا یہ سچ ہیں یا محض ایک قریب؟

فیض قریب کوئی دہی چڑ نہیں ہے مگر گیت ہمارے
ہاں کوئی نیا قریب نہیں ہے۔ یہ پہلے سے گئے
ہوئے تھے ابھر ضرورت سے لے کر آج تک۔ ہاں
آج میں ایک ایسا دور آیا تھا جب لوگ گیت نہیں
کہتے تھے۔ گیت گھبرا کر آبادی سے زیادہ کس
لے گئے تھے۔

حسرت عظمت اللہ ناں بھی ہیں۔

فیض جی ہاں عظمت اللہ ناں نے بھی گیت گئے جیسا
حقیقہ جانے مرے لے گئے ہیں۔ گیت کا وہاں میرا
تھی کہ میں تو نہیں ہے۔ وہ تو حقیقہ کے بعد آئے
جی اس لیے گیت میرا تھی کہ ایسا نہیں ہیں۔ اگر
آج کے عہد میں کسی کو مہوہ دایم تو وہ حقیقہ
جانے مرے ہیں۔

حسرت آزاد و غزل کے ہاں سے آپ کا کیا خیال
ہے؟

فیض آزاد و غزل کوئی چیز نہیں ہے۔

حسرت آپ نے کوئی گزریا کیا ہے اس میں شہ؟

فیض جب یہ کوئی چیز ہی نہیں ہے تو گزریا کہاں سے
کرنا۔ آزاد و غزل ایک چیز ہیں جس کا کوئی
مطلب نہیں ہے۔ غزل ایک ہوا کا نام ہے اس
میں آزاد کی سوال ہی نہیں پڑا کرتا۔ اگر آپ
اس میں آزاد کی رہیں گے تو یہ کوئی اور چیز ہو
جائے گی غزل کہاں سے چکی۔

حسرت آپ کا مطلب ہے کہ غزل میں کوئی قریب نہیں
ہو سکتا؟

فیض کہیں نہیں ہو سکتا۔ غزل میں قریب ہر قریب
ہوئے ہیں اور ہو سکتے ہیں۔ غزل کے اندر ہر
غالب نے قریب بے کچھ استفادے کے شہیوں
کے خیالات کے۔ سب سے بڑے قریبات
اقبال نے کیے مگر غزل کی قدام میں وہ کس میں
غلط حکمت اور ہائی چیز ہے۔ غزل کی قدام
سے الگ ہو کر غزل میں کوئی قریب نہیں ہو سکتا۔ تو
کوئی اور چیز ہو جائے گی۔

حسرت قریب ہر قریب کے فورا بعد جو کاموں نے
میرے الگ کو اپنا حلقہ اختیار کر لیا تھا وہ سب
صدیقی و مجرہ۔ کیا ان کی شاعری کا مدایت میں
کوئی مقام ہے؟

فیض مدایت میں ان کا مقام نہیں ہے۔ ان کا مقام
جو ہ شاعری میں ہے۔ آج کے شاعر کا مدایت
میں کیا مقام ہے یا آج کا محفل ہے۔

حسرت جی ہاں۔ آزاد کی مدایت کے ہاں سے میں کیا
خیال ہے؟

فیض اگر ان کی کوئی مدایت تھی تو وہ انہیں کے ساتھ ملے
ہو گئے۔ اس کو آج کوئی مدایت نہیں رہتا۔ تو کوئی
چیز نہیں تھی۔

حسرت ایک مدایت تو ہمارے قریب ہے تو ہوتے۔

فیض ان کی مدایت ہے مگر وہ مدایت ان اصولوں کی
ہے جو انہوں نے اپنی شاعری اور تنقید میں بیان

کیے۔ شاعری محض انشائی کی خاطر ہی نہیں ہے۔
اس میں حقیقت کا اظہار ہونا چاہیے۔ اس کی
شاعری جو مگر جی ان اصولوں کی قیود یا مادہ نام نہیں
ہے مگر جو انہوں نے اصول بیان کیے انہوں نے
جو شاعری کا ذوق پایا وہ ہمیں حقیقتاً قیود مدایت
کی بنیاد بنا۔

حسرت عام طور سے یہ خیال ہے کہ آپ کی وہ شاعری
جو آپ نے ہزاروں کے لپٹے کی ہے وہ بہت
غریب صورت ہے۔ اگر آپ کو یہ تسلیم ہے تو اس کی
کوئی فائدہ نہیں؟

فیض زعمان میں ظاہر ہے فرصت زیادہ ہوتی ہے۔
آدی تراش غزل زیادہ کر سکتا ہے۔ عام ہاں
میں دوسری صورت خیالات کے باعث آدی کا کجی
فرصت نہیں ملتی کہ وہ شعر پر جی تہہ سے سکے۔
دوسری بات یہ ہے کہ خیال میں ایک خاص قسم کا
یہ ہوتا ہے کہ انہیں ہے۔ ان دنوں ساری قریب شعر
پر ہر کوئی ہوتی ہے ہاں اس وقت آدی جو شکر ہے
تو یہاں ہے جسے بنائے نہیں کر لیا ہے گئی۔

حسرت ایک بات اور ہے۔ بے دبی چشم نکھوں میں
غزل کے آج تک غزل کے کہ۔ بے کچھ ہاں ہے
حالا کہ نظم کا چاہا جب دلچسپ ہے چاہا آج تک ہے اس
کی کوئی خاص چیز؟

فیض اس لیے بھائی کہ ہم کو آج تک ہے۔ بھائی
زبان کا حراج بھی نہیں ہے۔ شاعری کی مدایت
ہلے کے لیے بہت بڑا شاعر ہے۔ گھبرا کر
آپانی کے خوش کی تھی اس کے بعد کسی نے آج
تک خوش نہیں کی۔

حسرت گھبرا کر آبادی کی شاعری کے ہاں سے میں کیا
خیال ہے آپ کا؟

فیض بہت بڑی شاعری ہے۔ وہ ان کا شاعر ہے کہ
اس نے شاعری کی زبان ہلے کی کو خوش کی۔

اس کے اندر کسی نے انکی کوٹھلی نہیں کی۔ بعد میں گنگوڑے سے واپس آئے۔ شاہ غائب اہل انیسویں نے تحفیک دہلی مصنفین نے فیضان دہلی مگر تحفیک نہیں دہلی۔ ہم نے بھی وہی تحفہ استعمال کی اس لیے کہ کبک اور دارے آج کل میں آیا تھا نہیں۔

حضرت عمرؓ آپ کے بعد میں تو بہت سے بے فکر رہے تھے اور خاص طور سے آپ کو انگریزوں کی سب پر بھی غور ہے تو پھر آپ نے راجہ اندر کیوں پہلا؟

فیض (دلی) میں یوں کہنا کہ ہم کسی کی اچھا۔ حضرت انکرا آپ بہت دینی تو ایک دفعہ دوست کی جہالت کر دی۔ اپنے چار کام میں سے ایک سنا لی۔ آپ کے بڑے پرانے گھر تھے۔ لیکن فریادی دست صاحبزادوں ہمارے دست نہ لگے۔ ان کے بارے میں تو بہت کہنا تھا چنانچہ مگر آپ کی جہالت کو ان کی آئی ہیں۔ سردار کی بیوا کا نام شہزادہاں میرے دل میرے سارے دل کے بارے میں بہت کہنا تھا۔ میں میں سے ایک سائیں باہن کے بعد کی کوئی اچھا نہ تھا۔

فیض لکھتا ہے۔ ایک چھوٹی سی نظم میں لکھی۔ حضرت امیر شاہ فیض

آج پھر وہ دفعہ کے دوا کے میں ہم پر کہ تیرے خیال کے پھول ترک حلقہ کے دشت سے جن کے آئینے کے ہاں سال کے پھول تیری دلچسپی کا آئے پھر تری یاد پر چاھا آئے ہاتھ کر آواز کے ہارے میں جگر کی بات اور جہاں کے پھول

حضرت بہت غریب۔ بہت چارے علم ہے۔ لی۔ اس سے پہلے کہ میں آپ سے ایذا نہ لوں کہ بعد حلی شعرا کے بارے میں لکھی۔ آپ نے تو اس کو چھوڑ دیا۔

فیض ہمیں کہتے ہوں ہونا نہیں۔ حضرت دوسرا پہلا تو آپ بعد میں مقرر ہوئے تھے کہ تہہ تو کہہ چکے تھے اور آجے کا سرچ کا ہو

فیض ہم طور سے شام میں میں نے کا سرچ کا ہے۔ شاعر میں جب دلی شاعر کہتے تھے اس وقت کا لیکن ہوتا ہے۔ جب تک اس کو چھوٹے نہیں تو ایک سے دانے کا چم نہیں کی جا سکتی۔

حضرت آپ کو شعری مجموعے سے سنا تھا انے ہیں گئے تو لوگوں میں میرے کتا پائی ہیں اور

فیض ہاں کتا پائی اٹھ ہیں شہزاد اٹھ ہیں ہارے لوگوں میں اختر ایمان ہیں اٹھ لاکھ ہیں اٹھ ہیں دھما خیر میں مہا اٹھ ہیں۔

حضرت اختر ایمان کی شاعری کے بارے میں کہہ فرما نہیں۔

فیض اختر ایمان بہت اچھا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ جب کوئی نئی کتاب آتی ہے تو یہاں پائی نہیں۔

وہ کہہ دلی سردار بختری بھی اٹھ ہیں۔ لیکن اٹھ ہیں لی۔ آج تو یہ ہے کہ یہاں کے شعرا اور وہاں کے شعرا میں کوئی بہ فرق نہیں ہے۔

حضرت میرے خیال میں تو فرق ہے۔ میں نے یہاں کی شاعری کو کام کے لیے دیکھا۔ ایک پلا۔

فیض (دلی) میں بھی ہاں تو اس فرق ہے مگر زیادہ نہیں ہے۔

حضرت مگر یہ فرق کیوں ہے؟

فیض اس لیے کہ ہم سب لوگ ادبیات کے قریب

ہیں۔ ہم تو ادبیاتی لوگ ہیں۔ یہاں زیادہ سے نہیں لکھیں ہیں۔ میں نہیں چاہا۔

بعد میں میں تو بڑے شعر بہت زیادہ ہیں۔ لیکن ہے۔ وہی ہے۔ لکھتے ہیں۔ اس لیے وہاں کے شاعر زیادہ شعری ہیں۔

حضرت فرق کے بارے میں یہ کہتا نہیں۔ انہوں نے کہ شاعر کی کوئی یاد ہے؟

فیض آجے بڑے شاعر کے بارے میں کیا بات کریں۔

حضرت امیر شاعری کی روایت میں فرق کا بھی تو ایک مقام ہے۔ اس میں مقرر نہیں ہو کر آیا۔

فیض امیر شاعری کی روایت کے دو بڑے ستون تھے اور سنا ہیں۔ مگر کہ جہالت تھی اس کے بڑے شاعر تھے۔ یہاں سنا تھے۔ یہاں سنا تھے۔

امیر سب میں سنا تھا سنا گیا آئی ہیں۔ حضرت میرے پاس وہ لکھتے تھے۔ میں سے میں آپ کا شعر پڑھا کہ سون آپ نے میرے

شعر کے شعر سے انہوں کا جو اب اس قدر سون تھا اور ان کا بہت سادہ تھا۔

☆☆☆

میرے دل سے سنا
ہاں میرے علم سے
کہ میں نے سنا
دیکھا گیا صدائیں
کرنے نہ ان کے

اپنی بہتر ویں سالگرہ پر فیض کا انٹرویو

محسن رضوی آج صبح نے روزنامہ جنگ اسلام آباد سے جناب فیض احمد فیض کو دست دی ہے۔ فیض صاحب کی شخصیت کسی تشویش کی گنجائش نہیں۔ ان کی اعتبار سے وہ منفرد شخصیت کے حامل ہیں اور پاکستان کی بین الاقوامی شناخت کا حقدار سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ گفتگو کرنا ان کے لیے ہم نے اردو ادب کی چند ستر شخصیات کو بھی یاد کیا ہے۔ بھری مراد جناب مفرد میر، جناب اظہار احمد، جناب فضل شعلی، جناب فارغ بخاری، پروفیسر جیلانی کامران، سعادت سعید اور افضل نازکی سے ہے۔ ہماری گفتگو کا موضوع ان کی شخصیت، فن، ادب اور نظریہ ہے۔ میں سب سے پہلے جناب مفرد میر صاحب سے گزارش کر رہا ہوں کہ وہ گفتگو کا آغاز فرمائیں۔

مفرد میر فیض صاحب آپ اپنے حالیہ تحریرات کے بارے میں کچھ بتائیں۔ لیکن پر اسرائیلی جارحیت کے دوران آپ بھی تو حیرت میں تھے۔

فیض احمد فیض لیکن کے بیشتر واقعات اظہار دینے، ہمارے لیے کھلا رہے آپ تک پہنچے ہیں میں اس میں زیادہ اضافہ نہیں کر سکتا۔ اسرائیلی جارحیت تو پہلے سے متوقع تھی۔ کس طرح سے ہوئی کب ہوئی اس کے بارے میں کئی کئی ایک سے اطلاع تھی تھی۔ میرا خیال یہی تھا کہ

اسرائیلی اپنی اسرائیلی کہ جو پہلی لیکن تک محدود رہیں گے۔ اس سے گئے تھے؟ انہیں گے۔ اس کی ایک جہ تو حالیہ زمانے میں کا وہاں تھا اور دوسری یہ کہ لیکن کی حکومت کے تعلقات فلسطینیوں کے ساتھ بھی ہیں اور مغربی طاقتوں کے ساتھ بھی اسو خیال تھا کہ اسرائیلی اس امر کا کلام کرے گا کہ یہ خیال تھا کہ وہ بارہو، اگر کرنا چاہتے ہیں، اس قدر سہ آسانی سے نہیں کریں گے۔ ان کی کارروائی محدود ہوگی۔

مفرد میر اس مسئلے کی کوئی فوری وجہ بھی تھی؟ فیض احمد فیض جب پہلے دن حیرت سے ہوئی مفرد میر تھا جب جان کو، جس میں ایک ہزار سے زیادہ جانیں ضائع ہوئی تھیں تو اس کا انہوں نے مدد یہ پیش کیا تھا کہ اسرائیلی کے مفروضات تھے جس میں کاپا آری بھی ہوئی یا دوسری سرنگ سے مارا گیا تھا اور یہ کہ چونکہ ان کے ایک مفرد یہ تھیں میں کوئی چٹائی بھی تھی جس کا پتہ نہیں کہ سنے چٹائی تھی۔ اس جہ سے وہ اظہار کا رد عمل کر رہے ہیں۔ اس ہوئی تھی سے پہلے میں اقوامی سنگ پر فائر بندی کا مطالبہ تو سنا تھا۔ اس مسئلے کے بعد اگلے دن چونکہ کوئی کارروائی اس وقت نہیں ہوئی تھی کہ فائر بندی کا رد عمل کے طور پر انہوں نے یہ مسئلہ کیا ہے۔ اس مسئلے کا نکتہ تھوڑا طوطا تھا جس نے اہل ہر کے دقت تھے۔ انہو تاریخ کا اسرائیلی نے

لیکن میں اپنی فوجیں اتار دیں اور اس کے بعد ہر روز مسلسل دو دن تک کے بعد بھی جنگ بھی ختم اسرائیلی کی طرف سے ہوئی منقطع ہوئے۔ وہ، ہم پاری ہوئی، یہی اور شروع ہوا تھا۔ ہر دو طرف نے اہل ہر کے دقت پر ہی منقطع کرنے تھے ان کے علاوہ فوجی آبادی پر بھی ہم چڑھتے تھے۔ یہ ان کی اذیت اور جراثیم پیدا کرنے کی حکمت تھی تھی۔ انکا یہ بھی مطالبہ تھا کہ بی ایل و صبرا داخل اس وقت ہم کارروائی بند کر دیں گے۔ بی ایل کا جواب تھا "ہم بھیہم انہیں وائس کے آخری دم تک لڑیں گے۔" یہ تو لیکن میں جہاں فلسطینیوں کے کیمپ ہیں وہاں کیمپ ریاست ہیں اسرائیلیوں کو ان ریاست میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی۔ انہوں نے ان کیمپوں اور ریاست کا چاروں طرف سے محاصرہ کر کے ان پر مسلسل ہم پاری کی جس کا مقصد یہ تھا کہ وہاں پر مقیم لوگ بھاگ جائیں یا مرجائیں یا بھاگ جائیں یا کوئی نہ رہے اس وقت وہ وہاں داخل ہوں۔ لیکن انہوں نے کہا۔ وہ پہلے تک فلسطینیوں کی طرف سے مطالبہ ہوتا رہا۔ ہم نے تو میرے ہی ان فائر بندی کر لی تھی۔ فلسطینیوں کا حوصلہ اور جرأت قابل داد تھی۔ انہیں "کازینس" کازینس، "بھٹائی" سکول، مسلسل اسرائیلی ہم پاری کی زد میں رہے۔ فلسطینیوں کے خلاف بھی اور اقوامی مراکز بھی اس

اسٹیٹ بہادری سے جڑا ہونے جہاں فلسطینی قیادت کے لوگ تھے خصوصاً اس مرحلہ تک ایک لگی سے دوسری لگی 'ایک مکان سے دوسرے مکان تک' اپنے لٹکانے پڑے رہے مگر بیاداری ان کا عقابہ کئی رہی۔

سادات صیہونی فیکٹ صاحب! اس دوران میں فلسطینیوں کا سرکاری کیمپ تھا۔

فیلز اور فیکٹس ان کے حوصلے بہت بلند تھے۔ اس دوران میں کھانے پینے کی اشیاء ملتی رہیں۔ ضروریات زندگی اور ادویات کی دکانیں کھلی رہیں۔ ان حالات میں ملحقہ کامیاب اور خوف ہذا ہے وہاں اس کا نشانہ تک بھی نہیں تھا۔ وہ بچے کے بعد قلعہ صیہون اور دیگر قلعہ کرمانے والے وہاں پہنچے انہوں نے دہشت گردانہ شراب کیا اور فلسطینیوں سے کہا کہ آپ شہر نکلی کر دیں اور شرط یہ نکالی کہ پہلے حمیادہ الی دیں۔ وہاں کے بعد انہیں وہاں سے باہر نکلنے کا پتہ نہ رہا اور اسے استعمال کر دیا۔ ایک بچے تک یہ معاملہ چل رہا تھا جسے کسی کی طرح وہاں سے نکلنے کا موقع مل گیا تھا لیکن اس وقت تک یہ معاملہ فروزا ہو چکا تھا۔

صدر صیر آپ کے لکھنے پر بھی ہم بدلی ہوئی؟ فیلز اور فیکٹس حارسہ خطر کا تجربہ نہ ہی تھا۔ تمام ہو گیا تھا لیکن میں ایک دن پہلے ہی وہاں سے کہیں باہر نکل کر گیا تھا۔

صیہونی دہشت گرد صاحب یہ فرمائیے اس سارے عرصے میں مسلم ممالک کا کیا حال رہا؟

فیلز اور فیکٹس ان کوئی کاروائی نہیں رہی۔ انہوں نے تو اس سارے عرصے میں فراہم ہوئی کہ کبھی گھبرا نہیں کیا۔

اسلامی اہم مراکز کے جن میں سے ایک ہے کہ گیمبرہ ۱۱ تھا وہاں ان کا بھی کوئی بدلی تھا نہ وہاں؟ فیلز اور فیکٹس جی ہاں انہیں شہید تھا نہ تھا نہ ہوا۔ یہ امر نیکیوں کے ساتھ تھرا یا چھتا سر کر رہا۔ پہلی لڑائی 1948ء میں ہوئی جب اسرائیل نے اس وقت میں ممالک اردن، شام اور مصر کی فوجیں ان کے خلاف صف آرا تھیں مگر شہنشاہ ہاچا دن کے بعد اس ممالک کو یوریت اٹھاتا چلا۔ دوسری لڑائی 1967ء میں ہوئی، کوئی سات دن پہلی مارچ 1973ء میں لڑائی ہوئی یہ سب انگلیں فوجوں اور حکومتوں کے ساتھ تھیں۔ موجودہ لڑائی صرف فلسطینیوں کا وہاں نے لڑی تھی جس کے پاس نہ حکومت نہ جہت نہ جد نہ تھیں اس لیے ان کے باوجود کوششیں ان جنگوں میں اسرائیلیوں کا ان کا جانی نقصان نہیں ہوا تھا کہ وہاں ایک کے بھی ہتھوں میں ہوا۔

اور عین بھاری اس جنگ کے ضمن میں ہم آپ کے تجربات بھی چاہتا ہوں۔

فیلز اور فیکٹس اس زمانے میں تھے ہتھیار کش کے سامنے انہیں ایک تو یہ کہ اسرائیلی جو اپنے آپ کو تعلیم یافتہ، مذہب اور نہایت عام فاضل لوگ سمجھتے تھے ان کی ذہنیت نے ہزاروں کو کئی ہات کر دیا۔ دوسرا اس اس وقت وہاں میں تھیں کہ ان کے دل فریق امریکہ تھا۔ اس کی دہری پالیسی بھی سامنے آئی۔ تیسری حارسہ یہ کہ انہوں نے اسرائیلیوں کے لیے ملنے اور بے گناہی کی سب سے بڑی بات ہوئی۔

فیلز شعلی! یہاں کا اس خطے میں کیا کاروبار ہے؟ فیلز اور فیکٹس یہاں تو یہ راستہ ہوا اس طرح سے کہ کچھ تھے کہ وہ شام کے راستے سے لبنان پہنچیں لیکن ان کو وہاں ٹھکے ہی نہیں دیا گیا۔

عوامی سطح پر مختلف ممالک سے رضا کار وہاں پہنچے۔ پاکستان سے بھی گئے بلکہ دہلی سے بھی گئے کی ایک لوگ، بارشید بھی ہوئے۔

صدر صیر لیکن حکومتوں کی طرف سے نہیں گئے؟ فیلز اور فیکٹس عوام کی طرف سے دیا گیا نہیں تھا۔ ہمارے بھی ہوئے اور لوگوں نے جو کچھ ان سے ہو سکا تھا کیا۔

صیہونی دہشت گرد یہاں میں تو حکومتی سطح پر فلسطینیوں کی اور کابینہ کیا کیا تھا۔

فیلز اور فیکٹس جی ہاں وہ حکومت کی طرف سے تھا۔ جیٹائی کا سران فلسطینیوں نے جڑی بہادری اور بڑا سخت کا نتیجہ دیا ہے۔

فیلز اور فیکٹس جی ہاں بات وہاں خطے میں داخلہ عرصہ سامنے آئی وہ فلسطینیوں کا حاکم ان کی خدمت اور ان کا تاحاتی فیروزہ۔

اصل چوڑی جگہ تو یہی غم نہیں ہوئی۔ اب جو کچھ طرح ہے اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

فیلز اور فیکٹس فلسطینی بھائی حضرات پر یقین کر کے جب وہاں سے نکلے تو اس سے بھی کہا گیا کہ ان کی بدلی نہ جانے والی آبادی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا گا لیکن غریبی اور نہ بدلی حضرات پر غور کر کے وہاں سے جہاد میں ہونے تو اس کے بعد آپ نے انہیں شہید کر دیا تھا وہاں کہ جب اس مرحلہ کے ساتھ آخری ماہ نکلا تو کسی امریکہ نے باہر عزالت سے یہ سوال کیا تھا کہ آپ یہاں سے نکل کر کہاں جائیں گے تو انہوں نے کہا۔ "ہم فلسطینیں جائیں گے۔" ایک بات میں کہنا بھول گیا تھا کہ اس سارے عرصے میں ایک دن بھی فلسطینیوں کا رنج و غم نہیں تھا۔ ایک دن بھی اعتراف نہ تھیں نواں فلسطینیوں کے احکام اور

انگلیش کی تعلیم دینے لگے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس انگریزی کے ساتھ عربی، فارسی، اردو اور ہندی کی تعلیم بھی شامل تھی۔ ان کے پاس انگریزی کے ساتھ عربی، فارسی، اردو اور ہندی کی تعلیم بھی شامل تھی۔ ان کے پاس انگریزی کے ساتھ عربی، فارسی، اردو اور ہندی کی تعلیم بھی شامل تھی۔

دور میری صبری داشتہ میں لبتانی کی یہ رنگ ہیں
 اقوامی تحفہات کا ایک اہم سوز ہے۔ اس سے
 طریق 'اقبالی' ممالک اور معاشی اپنی اور ان کی میں
 ایک نیا اور شروع ہوتا ہے۔ جس قسم کی لابی وہاں
 ہوئی ہے ممکن ہے ہی قسم کی لابی بہت سے دیگر
 اسلامی ممالق اور اقبالی ممالک میں ہو۔ اس
 تناظر میں آپ اپنی پچھلی زندگی اور معاشی پر نظر
 دوڑا کر ہمیں یہ بتائیں کہ آپ کیا سوچتے ہیں کہ
 ممالق اور اقبالی ملکوں کے وہب میں اس وقت
 کس قسم کی تحریک کی ضرورت ہے تاکہ 1937ء
 1938ء سے وہب سے ہم آپ کی معاشی پڑھ
 رہے ہیں اس وقت بھی آپ کا ایک مندر عداد
 سوچنا ہوتا ہے کہ قائم ہے اس سے بہت ہی
 نئی تحریک پیدا ہوئی ہیں اب جڑ نیا کیا ہے

اس میں آپ احمد اویس کے بارے میں اپنی رائے دہیں کہ اس کو کون سی نئی بہت حد کی ہاسٹل ہے۔

بعض اور فضیلتِ اصل میں کسی کے کہنے سے ادب کو
ڈانٹتے نہیں بلکہ تضحیٰ ہی جانتی ہے۔ اور کوشش
و حالات سے اور حالہ جاکو گھٹنے سے جاتی ہے۔ جیسے
جیسے حالہ جہ لے لے جی اور لکھنے والوں میں ان کا
شعور پیدا ہوتا ہے اور اس شعور سے جس قسم کا اور
کسلی بہ وصل کرنے لگی اس سے جو تک پیدا ہوئی
ہے اور اس کا اثر ان کے لکھے والوں پر ہوتا ہے۔
طریقہ کو لے لکھنے والے سے اس مشکل ہے کہ کرم
سوائے اگر جہ ہی اور امر کی ادب کے دیا کے
اور سے طاقتوں کے ادب سے واقفیت ہی پیدا
نہیں کرنا چاہے۔ طریقہ یا ایلا امر کہ میں
جو سے لکھنے والے ہیں۔ کینما یا ٹیلیویژن یا
طریقہ 'نیچیا' انجیلا' پھرا گئے اور دوسرے
ممالک کے ادب کو مانتے دیکر آپ اعتقاد کہ
لکھتے ہیں کہ ڈانٹتے ان کے حالات نے پیدا
کی ہے۔ یا فلسفہ میں ہی کے ادب کو لے لکھنے
و ان کے نام اور ادب۔ مثلاً محمود دانی ہیں
جو حالہ جہ ان موجود تھے اور حالات کے جو
عزاکت تھے ان کو کہ جبے 'وایات اور فی
قدامت کے ساتھ انہوں نے لکھی کیا ہے وہی
صفت دوسرے ممالک کے ادب کو کہ فی نظر
ہوئی چاہیے۔ دونوں ہی باتیں ہوئی ہیں ادب
ایک ہی بات کا طریقہ بھی ہے۔ اس کو بھی فراموش
نہیں کرنا چاہیے کہ وہی ایک عنصر ہے اور دوسرا
عنصر یہ ہے کہ کوشش میں ادب کے اور سے
مائل نہیں کرتی چاہیے۔ اس کے اور بھی بہت
سے اور بات ہیں اس میں اور عنصر ہی ہے۔

حضرت سید ابوبکر علیہ السلام کی زندگی پر

1936ء میں ان کی تقریر مسئلہ اعلیٰ تعلیم پر ترقی پسندوں نے ان باتوں کو موٹی انتہیاء قرار دے رکھی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

پیش اور فیلکس، قریبی پینڈی کی اصطلاح کی بھی کسی
 تاثر نہیں ہیں۔ مختلف لوگوں کے گڑبازوں میں اس
 کے مختلف معانی ہیں، ہمارے ذہن میں قریبی
 پینڈی کا تصور یہ ہے کہ کھال جو زندگی کے حقائق
 ہیں اور جو گرد و پیش کے ماحول کے ساتھ تھے ہیں
 اور یہ ماحول اس کو ان کا قہقراہیت شعور اور ادراک
 شعور مانا جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس
 ارادے میں دماغ کے قرار کا اختیار نہیں رہا
 جاتا ہے۔ ایک تو یہ مقصد خواب ساری کے سرج
 کرنا چاہیے کہ حالات کو کچھ بغیر ایسے خواب
 جان کر سنے قہقرا کر دینے چاہئیں کہ اب سحر
 ہونے والی ہے اور سب کو ٹھیک رہا جاتا ہے۔ یہ
 بھی گنگ نہیں ہے جو مختلف اور مسائل ہیں ان
 سے گریز کرنا بھی درست نہیں ہے۔ دوسری
 طرف یہ کہ چکر چکر مختلف ہیں مسائل ہیں اس
 وجہ سے شعور بوجھ کھا گیا چلا کر کتنا کاب نہ کہ وہ
 علی نہیں سکتا یہ بھی درست نہیں ہے۔ تیسری بات
 یہ ہے کہ وہ اپنا نہیں کیا ایک بخاری دیا ہے جو
 آپ کا گرد و پیش ہے۔ ایک داخلی دیا ہے جو آپ
 کا ذہن ہے۔ آپ دونوں دیاؤں کے ضمن اور
 باہر میں اس کو سمجھتے ہیں۔ اس میں ابلیش بھی
 ہیں اور وہ ابلیش بھی ہیں، آپ کو پہنچتے ہیں۔ ان
 میں سے کسی سے گریز کرنا درست نہیں ہے۔ قریبی
 پینڈی کے گنگ معانی ہیں کہ جیڑ بھی اس وقت
 آپ کے سامنے حقیقت ہے اس کی اس قسم کی
 تاثریں نہ کیجئے کہ اس کی ابلیش یا اس کے ساتھ انہیں
 اور یہ ابلیش سامنے نہ آئیں۔ جو سامنے ہے وہ
 بھی جان کرنا چاہیے جو دھوئی ہے اسے بھی

چاہے اور اظہار دے گا ہے۔ جو امید ہے وہ سچہ بھی
 نہ کہی جا چکے ہو، چاہی ہے اس کا بھی ذکر نہ کرنا
 چاہیے جو علم ہے اسے بھی بیان میں آنا چاہیے اور
 جو اس کی ہے اس کا بھی ذکر نہ کرنا چاہیے۔ لہذا اس کی
 ادب میں ضرور ^{مصلحتیں} مصلحتیں درست تھیں۔ یہ
 جیسے دیکھ رہے ہیں۔

داروغہ بخاری یعنی صاحب فلسطینیوں کے ساتھ
 اردن کے ادب بہت دور نکلتا تھا جو ملک دہا ہے
 اس کے بارے میں بھی دیکھنا ہے۔
 بغیر اسہ فتنی ان میں ایک بہت ہے اور انہیں بھی
 بھی صورت دہلی در فتنی ہے وہ اس کے مطابق
 مل رہے ہیں۔ ٹیک ہے کہ ان کے ساتھ ایک
 دانے میں اردن نے بھی علم کیا ان کے ساتھ
 شام میں نے بھی علم کیا ان کو اور لوگوں نے بھی
 دعائی انگریجی زبان میں ایک لفظ ہے عربی
 اور دوسرا ہے ^{فلسطینی} فلسطینی

تو وہ دہلی اصول ^{فلسطینی} فلسطینی جو آپ کے سامنے ہے
 اس پر قائم رہنا چاہیے۔ جہاں تک عہدہ کا عہدہ
 عمل کا لگانا ہے اس میں جیسے بھی حالات ہیں
 اور صورت حال کا جیسا بھی تقاضا ہو اس کے
 مطابق آدمی کو مل کرنا ہے۔ ^{فلسطینی} فلسطینی ایک بات
 پر تو قائم ہیں کہ انہیں ^{فلسطینی} فلسطینی اپنا گھر رہا ہے
 چاہیے۔ آخری ہم تک جب تک بھی ^{فلسطینی} فلسطینی
 ہوتی ہے اس حالت تک ^{فلسطینی} فلسطینی رہتا ہے۔ اس
 لڑائی میں آج روجہ کوں ہے اور اگلے فلسطینی کوں
 اس کے مطابق نہیں مل کرنا ہے۔

جیسا کہ کامران مسجد اور صورت حال تو یہ ہے کہ
^{فلسطینی} فلسطینی لبنان سے چلے گئے ہیں اور ایک طرح
 ٹھہر گئے ہیں اور لبنان میں اسرائیل فوجیں داخل
 ہو گئی ہیں اور وہاں ہیں۔ مسلمانوں کی جانب سے
 لبنان میں اسرائیلی داخلے پر کوئی مثبت احتجاج

نہیں ہوا اور کسی مسلم ملک نے ان کو مدد نہیں۔
 اس طرح ایک کیف دہا اس میں پیدا ہوا ہے
 کہ ایک جی افریقی اصول قائم ہو گیا ہے کہ کسی
 بھی ملک میں کسی بھی حالت میں دوسرے ملک کی
 فوجیں داخل ہو سکتی ہیں۔ ہم انی دہا میں وہ

ہے جہاں یہ پہلی ہی بہت پریشان کن حالات
 سے دوچار ہے اور جس طرح کے سیاسی مسئلے
 یہاں قائم ہو چکے ہیں ان میں بہت گہرائی ہے
 کہ اس اصول کی مدافعت میں کسی دوسری جگہ بھی
 ایسا تجربہ ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت حال میں مرکز
 اور میں دہا اور ہم دہا کے لیے ایک کیا تجویز
 کرتے ہیں کہ وہ کسی قسم کی داخلی تحریک حاصل
 کریں کہ اس صورت حال سے بھڑکنا ہو سکیں۔

بغیر اسہ فتنی اس کی مثال فلسطینیوں نے قائم کر
 لی ہے ^{فلسطینی} فلسطینی جن کے پاس نہ کوئی گھرنہ
 حکومت ہے۔ وہ باقی مرکز اور میں دہا ہمارا ملک
 ہادی طاغوت کو روکنے کا اہتمام کر سکتے ہیں۔
 الجواز نے فرانس کو ہوا دیا ہے ہم نے امریکہ
 کو نہیں فرانس کا تو اپنا گھرنہ دہا رہے تھے۔
^{فلسطینی} فلسطینیوں کے پاس ان کا گھر بھی نہیں ہے اور
 حکومت بھی نہیں اسحق تو نہیں نہ دیا ہے۔

جیسا کہ کامران ^{فلسطینی} فلسطینی غیر طاغوت میں وہ کرنا ہے
 ان کی آزادی کے لیے لڑ رہے ہیں۔ لہذا تو
 ہاتھ کسی ہادی طاغوت کے ہاتھ میں آ جاتا ہے
 جب تک ہادی طاغوت کا وہ یہ سوچا ہے کہ ^{فلسطینی} فلسطینی
 ان کی مرضی سے نہیں گئے اور یہ کہ وہ قیام میں صرف
 اپنا خون ہی دے سکتی ہیں اور جہاں میں کی ایسے
 قبیلے ہوتے ہیں جہاں ان کا تعلق ہو گئے ہیں۔

بغیر اسہ فتنی دیکھئے ہمارے یہ ہادی جہاں ہادی اور
 کوئی نہیں ہے نہ ہم سے اس کی فوجیں نکل
 گئی ہیں۔

اسحاق اسہ اس کے سامنے یہ بھی تو ہے کہ فلسطینیان
 سے بھی دہا کی فوجیں نکل جائیں۔
 بغیر اسہ فتنی غار ہے۔ ہادی تو یہ ہے کہ اس کی میں
 فریق اول لڑنے والی انسان ہے جیسے کہ ^{فلسطینی} فلسطینی
 کہتے ہیں۔

Palastine is no longer a state,
 it is a state of mind.

جب تک ایک ^{فلسطینی} فلسطینی ہادی ہے ^{فلسطینی} فلسطینی ہادی
 ہے یہ ٹیک ہے کہ آزادی کی جگہ میں یہ نہیں
 بھی قربان کر لی جاتی ہیں۔ بعض اوقات فوجیں
 مت بھی جاتی ہیں ان کا نام دہا ہے اس نام
 کی وجہ سے اردن کو سہارا دیا ہے اور وہاں فوجیں
 سے تقویت ملتی ہے۔

اصل بخاری یعنی صاحب کی یہ غلطی ہے کہ دہا سے
 ہر پارہ کی ^{فلسطینی} فلسطینی دہا سے ہوا ہے اور دوسری دہا
 کے طرف ہمارا ملک جا رہا ہے۔

بغیر اسہ فتنی جس کو ہم دوسری دہا کہتے ہیں وہاں
 اس کے کہ وہ ہر پارہ کی بہت گہرائی میں
 قریب بھی لگتا ہے اور ان سے حمایت طلب کرے
 انہیں چاہیے کہ غیر جانب دار ملک کی طرف
 میں شامل ہوں اور ہر پارہ کا پورا ہوا نہ کریں۔
 داخلی طور پر ایسا نظام تشکیل دیں جس میں ہر
 پارہ کی حالت نہ ہو سکے۔ یہ چاہیے کہ ^{فلسطینی} فلسطینی
 دہا کی وجہ سے ہو سکتا ہے یا نہ ہو سکتا اور نظام
 ہر دہا میں کی جاتی نہ ہو سکتا ہے۔

مسمن دشمنی فلسطینی کی جو وجہ کے ہمارے میں
 پاکستانی ایسوں نے بھی بہت دیکھا ہے اس
 کے ساتھ ساتھ دہا کوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ ایک
 طرف تو فلسطینی کی صورت حال یہ ہوں نے
 زور دیا ہے اور دوسری طرف گزشتہ کئی سال سے
 فلسطینیان کی صورت حال یہ دیکھو ایسے چپ

اس صورت حال میں تو کھیتیں بھی جوتی ہیں تو
مضامعات اصول سے چارہ ہوتی ہیں۔ سب
سے پہلے ہر ملک کے لیے اپنے فائدہ کا معاملہ بننا
ہوتا ہے۔ کوئی ملک یہ نہیں چاہتا کہ اس کے
دروازے پر اس کی حفاظت کوئی اس قسم کی حکومت
قائم ہو جائے جس سے انھیں غمزدار ہو۔ امریکہ
نے ہانگ کانگ پر تسلط کا کرکھی دیتے نام سے کرکھی
کی کوئی دبا سے افغانستان تو اس کے دروازے
پر ہے۔ افغانستان سے دار-ہند بانی، شیعہ
مذہب ہیں اور مذہبی دشمنی بھی۔ ان کے معاملے
میں اٹارہ ہند بانی ہوتا ہے کی کوئی ہے اور قاتل فلم بھی
ہے۔ افغانستان کو امریکہ کی طرف پرانی ہوتی ہے۔

افغانی امور فتنے صاحب آپ افغانستان کے عوام کی
صورت حال کے معاملے سے ذاتی طور پر کیا
محسوس کرتے ہیں؟

فیض احمد فیض افغانستان سے میرے خاندانی رشتے
میں ہیں۔ صورت حال وہاں کیا یہ ہے کہ دہلیشا
کاسب سے ملے گا، ملک سے نہیں ملے گا۔ دنیا
آبادی انکی ہے جس نے اپنی ساری زندگی میں
دشمنوں کا بھی پیوند ہی نہ لگھی ہے۔ دشمنوں
نے زیادہ ظلم نہ کیا ہے۔ ایک قبائلی اور بدنامی قوم
وہاں پر جوتے سے ملتا رہا ہے جس کے نتیجے میں
سب سے زیادہ غمزدار و غمزدار، غمزدار نہیں ہوا
ملک وہی ہے اور ان کی زمین طرے سے وہی
ترتیب کی گئی ہے کہ اپنے سردار کی لڑائی ہوتی
گروا اپنے ہی ہوتا ہے خاکے ہوتا چلا اس کی
ذراست گروا کا ہوتا ہوتا ہے کہ جو سب
لیکھ نہیں ہے تو نظام بنانا چاہیے کہ ہوتا ہوتا
چاہیے۔ لکھا ان میں سے ہر سے نہیں حاصل
کر کے آئے ہیں۔ لکھا ایسے ہیں جنہوں نے

ہندوستانی کام میں اس کی فوجوں کے افغانستان میں
آجائے سے دہلی اڈا گرم مسدودوں کے قریب تر
آ گیا ہے اور لکھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وہاں اب
نظر پڑتی رہا ہے۔ ہندوستان کے ہندوستان
اور دہلی سردوں کی فوجیں چاہے کیا کہیں جو
سچنا چاہیے۔

فیض احمد فیض اس میں مشکل یہ آہتی ہے کہ لوگ
پہلے سے جس طرح سردار سے ہوتے ہیں اس کی
تصویر یہ چاہتے ہیں کہ اس کے بارے میں وہ کسی
قسم کی دشمنی کریں۔ انھیں ظلم کا قصہ یہ ہے کہ
انھیں بزم یہ نہیں ہوتا کہ ملے کی ملک کو گروا کیا
جائے اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ملک کے داخلی
کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔

سامانی ملک نے صرف دوسرے ملک کے لیے
قبضہ کیا بلکہ ان ملکوں کی معیشت کو تاراج کیا اور
دوسری فوجوں کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کیا
ان کا استعمال کیا۔ اب صورت یہ ہو گئی کہ جہاں
جہاں بھی افغانی کے مثال کے طور پر وہاں ہے یا
وہاں چم اور انکا ہے۔ وہاں اس کے کہ وہاں
کے داخلی کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرے
اس نے انھیں لودا پہنچانے کی کوشش کی۔ کسی
ملک میں اندرونی داخلی انقلاب کی وجہ سے اگر
سوشلسٹ حکومت قائم ہو جائے تو وہاں اس
کے کہ وہاں ملکوں سے کہو حاصل کرے انھیں
کہو مانچتا ہے اس کو انھیں ظلم نہیں کہتے۔
افغانستان کا مسئلہ اس مختلف ہے کہ وہاں جو سے
کہ وہاں کا سرمایہ ملک ہے اور جو بھی دنیا کی اس
دفعت صورت حال ہے کہ امریکہ نے اور دیگر
نے تو حوالہ کہہ دیا ہے کہ ہم سوشلزم کو ختم کر دیں
گے۔

We will throw them into

سارے ہوتے ہیں اس کی کہو ہے۔
فیض احمد فیض میں تو نہیں کہتا کہ چپ سارے
ہوتے ہیں۔ فلسطینی اور افغانستان کی صورت
حال بہت مختلف ہے۔ افغانستان میں ایک
حکومت یا اس کا وجود ہے اور ایک اس کے
خلاف۔ دونوں طبقوں کے مابین موجود ہیں
دونوں طبقوں نے اپنے اپنے کاموں سے لودا
طلب کی چاہت ہے چارے عام افغانی جنگ کے
دو پاروں میں نہیں رہے ہیں۔ سب سے انھیں
ہستہ تو یہ ہے کہ اس مسئلہ کا یہی فیصلہ ہوتا کہ کسی
طرے سے افغانستان کے عوام کو دونوں طرف
سے حرکت دینی ہو رہا ہے اس سے نہایت افغانی
ہوتے۔

افغانی امور وہاں میں بھی کسی طبقے میں ایسا احساس
موجود ہے کہ افغانستان کے مسئلے کا یہاں فیصلہ
ہونا چاہیے۔

فیض احمد فیض سب بھی کہتے ہیں۔ دہلی بھی کہتے
ہیں انہم بھی کہتے ہیں لکھنا اب فیصلہ کیسے ہو؟
اصل لڑائی کچھ ذرا دیر سے ہاں افغانستان کی
صورت حال یہ نہیں اور انسان نے لکھے گئے ہیں
کیا یہ اب آپ کی نظر سے گزرا ہے؟

فیض احمد فیض ضرور گزرا ہوگا۔ جنگی طور پر لوگوں نے
اس مسئلہ کو پس طرے سے محسوس کیا ہو گا اس کا
انکار ہوا ہو گا۔ فلسطینی مسئلہ تو افغانستان سے
مختلف ہے۔ افغانستان انھوں ملک موجود ہے اور
اس کے عوام بھی۔ فلسطینی ہے مگر یہاں ہے یا اور
دراگ۔ ان کی صورت حال بہت مختلف ہے۔
فیک ہے افغانستان میں دہلی تو نہیں موجود ہیں
لیکن ساتھ ساتھ ان کو یہاں کہتے ہیں اور وہاں
ہیں اور یہاں میں ہیں۔ ان کے مابین بھی موجود
ہیں۔ فیصلے کی صورت ہونا یہ قدر حال دیا ہے۔

مذکورہ تعلیم دہاں میں حاصل کی ہے۔ وہ سچے
 ہیں کہ اس مسئلہ کا تذکرہ ہوتا ہے۔ وہ ایک
 ان سارے ملک پر جبر کر رہے ہیں اور صریح
 سے اپنے حکام سے شرعاً لوگ ان کے ساتھ
 چور بند نہیں کرتے۔ یہ بجلی اور گیس ہے یہ پہلے
 بھی ہو چکا ہے۔ بس اب ان اتھ کے اپنی
 اصلاحات بخیر کرنا ہیں اس وقت ان ای اتھ کی
 مدد کے لیے دی فونٹیں اسکی کچی تھیں کہ وہ
 میں خدا کی قسم تھا اگر اس وقت سوویت یونین
 میں دہاں مالی پہلے انقلاب آیا ہوتا اور دہاں
 انان ورسٹ ہوتا اور انان اتھ اس وقت دہاں کو
 اپنی مدد کے لیے ہوتا تو صورت حال مختلف
 ہوتی۔ اب ان اتھ کا تھ کسی نے اسے اگر یہاں
 نہ۔ یہاں اس وقت ان اتھ خاص کے تھ میں
 تحریک چلی تھی۔ خود چلو خود چلو کی
 آواز میں سنائی دیتی تھی۔

فیلڈن نے اس وقت ان ای اتھ دہاں کی حمایت کرنے
 کا مطلب خود بخود ادا ہے لوگوں کی فہمی کرنے
 اصل چواری فیلڈن صاحب اسلام کے تھیں کہ وہ اس
 دہاں سے میں بھی آپ کو کچھ پتہ نہ کریں گے۔
 مذہب کے تھائی دہاں پر تھائی اپنا لہرا نہیں؟
 فیلڈن صاحب فیلڈن ہم تو سمجھتے ہیں کہ وہ دہاں میں صوفی
 فکار و انقلاب ہی کے لیے آیا تھا۔ جیسا جا
 انقلاب اسلام نے پیدا کیا اس سے بڑا انقلاب
 بہت کم نہیں سمجھتے کیا ہے۔ وہ ایک بڑے بڑے
 دہاں کے بڑے بڑے دہاں جاتے ہیں وہ صوفی
 جس حکام میں مختلف قسم کے طبقات ہوتے ہیں
 اور جیسے کہ ان کا پتہ ہوتا ہے اس میں ان کا
 ہوتا ہے کہ وہ صوفی کے لیے اور ملحق تھا
 کی صورت کے لیے کیا ہے اس کی ترقی دہاں یا
 رہی ہے نہیں۔ علم و حکم اور جبر و حکم کی حمایت

کمی بھی دہاں میں چار نہیں ہے۔ دہاں کے کچھ
 صوفی بھی ہیں کہ وہ ملحق تھا کی بھری اور بھور
 کے لیے ہے۔

اصل بنیادی دہاں میں آپ کے بہت سے دوست
 ہیں ایک شاعر رسول خدو ذک کے بارے میں
 مجھے یاد ہے کہ آپ نے ایک شعر فرمایا تھا کہ
 آپ ان کی دہاں کے بے قرآن کا تھنے کر گئے
 تھے۔

فیلڈن صاحب فیلڈن رسول خدو ذک مسلمان تھے اور یہ تو
 ان کی والدہ کے لیے تھا۔ وہی تھ مذہب کے
 تھنے کے بارے میں بہت ہی خدا فہم ہیں۔
 یہ درست ہے کہ انقلاب دہاں کے انقلابی ماحول
 میں کیا۔ انارشی ازم پر مستند فوجوں اور
 مقامی پادشاہوں کے ساتھ صوفی کی مدد و راست
 جنگ تھی۔ اس وجہ سے شروع شروع میں اس
 مذہب اور دہاں کے خلاف جبر دہاں کا حلیف
 بن گیا تو تحریک چلی تھی لیکن اب چونکہ وہ دہاں
 کی ہے دہاں پر دہاں کے دہاں کی دہاں ہے۔

فیلڈن نے 1967ء میں جب مجھے سوویت یونین
 جانے کا اتفاق ہوا دہاں میں ایک کھنڈ دہاں میں
 کیا دہاں صوفی ہو رہی تھی پھر جو دہاں دہاں
 مذہب میں لیکن گرا ڈھکا تو دہاں ایک مسجد میں
 بہت سے مسلمان جو کی تھ ہا کر رہے تھے۔
 ان سے میری گفتگو ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ
 یہاں مذہب اور کیا ہو گیا کہ مسلمانوں اور فہم تھی۔
 لیکن اگر ہم اپنے مذہبی ماحول کو کرنا چاہیں تو
 ہمیں کوئی دہاں نہیں۔

جی ہاں کہ اس انقلاب کے بعد جو انسان سامنے آیا
 فیلڈن صاحب یہ فرمائیے اس کی داخلی زندگی میں
 کوئی تھ نہیں ہے؟

فیلڈن صاحب فیلڈن اس انقلاب سے پہلے سوویت یونین

کی راستوں میں داخلی اور فہم مسلمان
 خاص تھ دہاں تھی۔ اب دہاں مسلمانوں میں
 90 سے لے کر 99 فیصد تک لوگ فہم ہیں۔

ان کی داخلی دہاں اور داخلی زندگی کے داخلی تھ
 دہاں ہوئی ہے۔ وہاں آپ کی دہاں سے
 جانیں جو دہاں مسلمان دوست کاردار کو گرا کر
 دہاں پر موجود ہے کہ داخلی ہے داخلی تھ
 داخلی مسلمان سے اپنے رابطہ قائم نہیں۔ وہاں
 دہاں مسلمان فہم ہیں۔ یہ مسلمان نہیں تھ
 داخلی ادارہ ہیں۔ 1998ء میں جب ہم
 تھ تھ گئے اس کے بعد وہ دہاں تھ
 دہاں سے کہتے ہیں کہ وہاں دہاں کے دہاں
 تھی تھی۔ وہاں دہاں سے دہاں نے اسے دہاں
 یا ایک بھلا دہاں کا دہاں دہاں میں دہاں کا دہاں
 کیلئے آیا کرتے تھے۔ یہاں دہاں دہاں
 کوئی ہتھ دہاں دہاں دہاں دہاں کے دہاں
 کے دہاں تھی۔ وہ دہاں دہاں کے دہاں
 کرتے تھے۔ اب دہاں دہاں کی ہر دہاں
 دہاں ہے۔ مذہب کی دہاں دہاں دہاں
 ہے۔ یہاں مذہب داخلی دہاں کا تھ ہے۔ یہ دہاں
 ہے کہ مذہب کی داخلی دہاں سے پہلے داخلی
 ذہن خاص تھ کے لیے تھی۔

یہ ضرور ہے کہ اس خاص تھ کو دہاں
 چلی کی تھ دہاں کو وہ دہاں اب حاصل نہیں
 رہی۔ بجلی دہاں صوفی اس کی داخلی اور داخلی
 زندگی کو تھ دہاں دہاں کا دہاں ہے۔ اس میں
 کہ اس کا سوال ہی نہیں ہے۔ بلکہ خواہ
 دہاں تھ کو گئی تھ دہاں دہاں دہاں
 انہیں اس بات کی ہمت نہیں ہے کہ اپنی دہاں
 منہ کا تھ دہاں دہاں دہاں دہاں سے الگ
 کرنا یا دہاں دہاں دہاں دہاں ہے

حسن رضوی اہل انصاف کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

فیض احمد فیض پر اپنی قسم کا بڑا انصاف ہے اور فرحیہ دہلوی کے بعد اس قسم کا انصاف دنیا میں نہیں آیا۔ دس مہینے قید نام و غیرہ کے انکساریوں میں فرحیہ کی فوجوں کے درمیان جنگ تھی۔ ایران میں براہ راست عجم کی فوج اور کھوسٹی اور مل سے لڑائی ہوئی ہے۔ یہاں پر عجم نے فوج کو ہرایا ہے۔

فیض شعلی انصاف دہی سے ملے دہی کا ادب خاصا اور انصاف دہی کا ادب کے بعد جو شخصیت بریلے آیا اور ساری تقدیر وہاں کی عظیم ہو گئیں اس کے بعد کیا رہی ادب میں عام انسانی جذبات کو بھی چھوٹے کی کوشش کی گئی ہے؟

فیض احمد فیض 1963ء میں لندن کراہی میں جب یہ چین و انڈونزی کا سفر کر رہی تھی اس میں صرف ہم خیال لوگ نہیں تھے، ہر کسب فکر کے لوگ تھے۔ یہ سارے حوالت وہاں پہنچے تھے۔ انصاف سے پہلے امریکی اور مختلف جیسے جیسے راکٹر موجود تھے جن کا مسئلہ کہہ کر تک چلا آپ نے ان کے بعد کیا تحریر کیا، ہم دہی میں موجود تھے۔

اس کا جواب اولیاء بہن رنگ نے دیا تھا کہ ”تھیک ہے ہم نے انصاف کے بعد انسانی“ راستہ دیکھ لیا ہے۔ لیکن وہ بھی ضرور پھاکی ہے جو تمام اپنی جڑوں سے جڑا ہے۔ پھر انھیں کر گئے۔ سبھی تہہ دارانہ سارے فوجیوں تمہارے ہاں ٹیکسٹ کے بعد اس نے سے لے کر آج تک تم نے جتنے اپنی زبان چاہی ہے، ہم اس سے زیادہ ایک سال میں چاہتے ہیں۔ انھیں نے اپنا نصب خانہ کہ جب 1934-35ء میں دہی میں بڑے ختم انصاف کا راز تھا۔ جب یہ کہا

گیا تھا کہ صرف حوروں اور کسان کی زندگی کے بارے میں لکھتا ہے اس زمانے میں میں اور ایک اور دہی کے ادیب ایک کا خیال میں گئے اور میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ تم ان حوروں کے لیے کہہ گئے تھے وہ اس نے کہا میرا جو سید ہے وہ یہ کہہ گئے تھے ان کے لیے کہہ گئے۔ پچھلے سال وہی ادیب اور میں ایک کا خیال میں گئے میں نے ایک حوروں سے سوال کیا کہ یہ ادیب کا میرے ساتھ ہیں تم ان کی کتابیں پڑھتے ہو تو وہ کہنے لگا کہ سارے سید کا نہیں ہے۔

فیض شعلی سوال کا مقصد یہ تھا کہ وہاں کے ادیب سوائے سیاست کے دل کی بات بھی کرتے ہیں یا نہیں؟ فیض احمد فیض سال کے زمانے میں انھوں نے خاص فنی کی گئی تھی کہ مقصدی ادب ہوا چاہے لیکن وہ زمانہ بیت گیا۔ اب وہاں کے سنے دہی اور انسان کا زندگی اور انسان کے داخلی حالات کو بھی زیر بحث آ رہے ہیں۔ ہائیکو مختلف ذہنوں حوروں، طبقات، دلجو بڑے پایا اور بچے والے راکٹر ہیں۔

سعادت سمیع اسی کا سفر میں یہ سوال بھی تو کیا تھا کہ وہاں کی راکٹر جو ہیں کہ نہ دھرتا بڑے راکٹر نہیں ہیں اور ان کے ہاں چھپے والی بشر کتابیں دھنس رہی ہیں۔

فیض احمد فیض اولیاء بہن رنگ نے اس کا بھی جواب دیا تھا۔ جب ہم نے انصاف دہی کا تھا تو ہم نے یہ دہی کہا تھا کہ یہاں کے حوروں اور کسان کا حصول نہیں ہو گا۔ انھیں نڈی سے نہایت دہلی چلے گی۔ ہم نے یہ کہہ دیا تھا کہ ہم بڑے راکٹر ہیں انھیں کہہ کے اور ہم نے یہ کہہ

کہا تھا کہ انڈونزی میں یہ باتیں وہاں کا جوتھ نہیں ہو گا۔

اصل نفاذی سواریت ہو گئی کے انصاف سے پہلے اور بعد کی شاعری میں آپ کا یہ فرق محسوس ہوتا ہے؟ پہلے وہاں کی شاعری کا تاثر دیکھ اور انصاف دہی کہہ اور ہے؟

فیض احمد فیض یہ فرق صرف انصاف دہی کے حوالے سے نہیں ہو گا تو اپنے ہاں دیکھ لیکن۔ اگرچہ وہاں کی آمد سے پہلے کی شاعری اور بعد کی شاعری میں کٹافرق ہے۔ حالات کے مطابق شاعری اور ادب میں تبدیلی روز ہوتی رہتی ہے۔

انتظامیہ اور میں تو عام دہی کی مثبتیت سے پوچھتا ہوں کہ آپ کی شاعری کا طرز اختیار جو مجھ اور شفقت ہے ”مردانی رنگ“ وہاں کی آمد اور اس میں محسوس کا خاکہ ہے جو پڑھیں دہی کے ساتھ رہتی رہ گئے۔ یاد ہے کہ پچھلے سال کرنا آ گئیں۔ یہ بات عام آدمی کو خیر کی کہ ہے؟ فیض احمد فیض جہ کہ ہم نے پڑھا ”لکھا“ لکھا اور دیکھا اس کا قطع تو دہی کی ذاتی ہے کہہ نہیں ہے۔ دہی کی ذاتی تو زندگی کے جیس بہت سے اور ادوار ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔ انھیں نے ہم سے ذاتی کی قسم لگے گی ان سے ذاتی کی۔ شاعری ذاتی تو ہی آئی وہاں سے بھی ہو جاتی ہے۔

حسن رضوی آج کل دہی کے ہاں ایک اصطلاح بنی ہوئی ہے محبت دہی اور غیر محبت دہی آپ اس کی تعریف کر سکتے ہیں؟

فیض احمد فیض بھی دہی ذاتی تو ہم سے ملے ہیں غیر محبت دہی کے بارے میں معلوم نہیں۔ محبت دہی کے معنی تو اس لفظ میں موجود ہیں۔ جہاں سے

اختلاف پیدا ہوتا ہے اس کا مطلق حب وطن یا
مطلق وطن سے نہیں ہے اس کا مطلق آپ کے
نظر پر ہے کہ آپ کے نزدیک حکومت کبھی
ملتی چاہیے اور سیاست کبھی ہوتی چاہیے۔ جو
آپ سے ملے نہیں جیسا کہ آپ غیر حب وطن
کہہ سکتے ہیں۔ یہ قصہ ہمارے ادرے ملک کے
اور انہیں اور انہیں ہے۔ انگلستان میں بہت سے
حکامہ گروپ ہیں لیکن وہ انہیں میں ایک
دوسرے کا غیر حب وطن نہیں کہتے۔

فارغ بخاری آج کل برادری پرست میں زیادہ تر
ذاتی شاعری دیکھنے میں آ رہی ہے اس کی کوئی
خاص وجہ ہے؟
مطلق اور مطلق برادری میں حکومت کے طریق کار اور
حکومت ملی سے کسی لوگ متاثر ہوتے ہیں۔ جو اور
نصرت برادری میں کی گئی ہے۔ ہر دین کا اختلاف ان
سے ہوتا تھا۔ اور ہمارے میں بھی عسکری خدای
حاضر اقبال اور گورو گرو سے مشورے ذیلی عوامل
سے شاعری کی ہے۔

اصل پہلا "نوست جہنگ" میں آپ کی ایک نظم
جو کے عنوان سے ہے جس میں زندگی کا مطلق
باتیں کی گئی ہیں کیا اس میں آپ نے زندگی کو خدا
سے مربوط کر کے دیکھا ہے؟

مطلق اور مطلق زندگی خدا ہی نے پیدا کی ہے۔ ساری
سوجھ بوجھ خدا ہی کی تخلیق ہیں۔ ان کے حوالے
سے نظم لکھنے میں ایک نوع کی جو ہے کہ ان کا مطلق
خدا ہے۔

سادت مسیح آپ کے تخلیقی مجموعہ "سیرات" کے
پورا بھی لوگ آپ کی تخلیق کے منتظر ہیں آپ نے
تخلیق کے میدان سے کھارہ کئی کون کی؟

مطلق اور مطلق کھارہ کئی نہیں کی۔ "سیرات" میں کھارہ
رہنے والی تحریر ہے۔ اس زمانے میں رہنا جو

کے پروگرام پر دوسرے مرتب نہیں کرتے تھے
داثر و تہذیب دیتے تھے۔ ساتھ "سیرت" ڈاکٹر
تاخیر اور ہم بیٹے کے پروگرام پیش کیا کرتے تھے۔
ریاضی کے لیے تقریر لکھنے آج کی طرف نہیں تھا کہ
میں سوچے کہ کوئی جی سمیٹ ملے۔ محنت کرنی
پڑتی تھی اور ریاضی کا ادراک ملنا مشکل سیار بہت اوجھا
تھا۔ میرے بیشتر تخلیقی مطالعے اس زمانے کے
ہیں "مجموعہ سخن" میں "کتاب الحیف" کی ادارت
میں کی اس کی وجہ سے تخلیق کی صفائیں لکھتے
پڑے۔ اس کے بعد ریاضی اور ہمارے سے رشتہ
ٹوٹ گیا اس لیے کوفہ میں چلے گئے۔ وقت ہی
نہیں ملا۔ لوٹ کر آنے تو پاکستان کا سفر کی
ادارت اور ہمارے حوالے کر دی گئی۔ اب تو وقت
بائیں ہی نہیں تھا "میرجیل خانہ" کا "میرجیل خانہ"
میں تخلیق لکھتے شاعری پر لکھا گیا۔ بعد میں
تخلیق کے لیے وقت ہی نہیں ملا۔

سادت مسیح 1957ء سے 1936ء تک جسے ادب
میں اکتھار پانے والے تھا انسان سے آپ کس
صفت متعلق ہیں؟

مطلق اور مطلق وقت کے ساتھ ساتھ انسان کا تصور بھی
بدلتا رہتا ہے۔ انسان کی زندگی معاشرے کا فرد
ہوتا ہے۔ کسی شے کا فرد ہوتا ہے۔ جیسے جیسے
انسانی اور مطلق صورت حال بدلتی ہے ویسے
ویسے انسان کا تصور بھی بدلتا ہے۔ 1957ء سے
قبل تو خدا سے ادب میں مطلق کا تصور انسان تھا
یا پھر اس میں جاگیر باز نہیں یا پھر کا تصور اور مطلق
تھرا آتا ہے۔ جنگ آزادی کے بعد آزادی کی
فرداں سے تصور انسان کی تصور بھی تھرا آئی۔

1936ء کی تحریر میں حواء، کسان اور عام آدمی
کے تصور کو اجاگر کیا۔ خدا اقبال کی شاعری میں
میں ایک خاص قسم کے انسان کا تصور پھر برادری

سے ماٹھا ہے۔

سادت مسیح ہر شاعری کی تحریر کیا جیسا کہ کیا جاتا
ہے "نئی ہندو تحریک" کے دور میں کے طور پر امریکی۔
آپ راقشہ "تہذیب" اور "میرجیل خانہ" کی شاعری
کے تصور انسان کے بارے میں کیا رائے رکھتے
ہیں؟

مطلق اور مطلق فرق تصور انسان کا نہیں ہے۔ ترقی
پسندوں نے تمام کی بات کہ ادب میں لانے پر
زور دیا "واقفیت پسندوں نے ادب کو ذاتی
مسائل کا تصور اور انصاف کے معاملات تک وقف
نکالا اور کہا کہ ہمارے لیے کچھ اور ہے۔ ذاتی دیا
سے خارج کیا گیا۔ یہ فرق اس تصور کا ہے کہ آیا
انسان کی ذاتی دنیا کمالی ہے یا کہ معاشرہ ایک کمالی
ہے۔ بہت سی باتیں دونوں میں مشترک ہیں
تھیں۔ راقشہ سماجی تھیں کبھی لکھتے تھے۔ میرجیل
تھرا آئی تھے انہوں نے داخلی مسائل پر قبضہ
ملی۔ جماعتی اور معاشرتی مسائل ترقی پسندوں
کے لیے اہم تھے۔

سادت مسیح بے شعراء نے راقشہ میرجیل کی
جہد اور نظم کی تحریر سے بھی اختلاف کیا۔ ہم
آپ کی رائے کے شاعروں کے بارے میں کبھی
کہنا چاہیں گے۔

مطلق اور مطلق ہر شاعری کا واسطہ انسان سے ہوتا
ہے۔ شعری ادب سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ سی
شاعری کی تحریر بھی حالات ہی کی بے شمار ہے
ان کے حالات ایسے تھے کہ کئی اور تحریر ان کے
اوہیں سے نہیں کرنا۔ شاعری کی ہماری نظم لکھتا ہے
کس تک بات لکھتی یا نہیں لکھتی اور لکھتی تو اس
میں کوئی صحت نہ تھا مگر نظریاتی باتیں۔ اس کا سب
سے بڑا نمیت تو یہ ہے کہ اس شاعری کو لکھنے
لوگوں نے قبول کیا یا نہیں قبول کیا۔ اس وجہ سے

قولی نہیں کہ کفار کی کھڑی ہے، اس جو سے کہیں شامی میں ہی کوئی بھولی تھا۔ جب تک شعر میں ذہنی کی طرح کوئی کئی نہیں پھر کھڑی بات خالص ہو جاتی ہے۔ اگر شامی میں جان ہے تو وہ اپنے آپ کو خناس کی۔ یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے اشعار سے نکل کر اپنی کائنات سے بھی رشتہ جوڑا جائے۔

بہل بھاری آپ سے ایک خلافت کی جاتی ہے کہ آپ کے شعروں کا نہیں جتنے وہ تو قرآن کریم سے جڑا ہے آپ تک نہیں پہنچے کیا یہ خلافت بجا ہے؟

فیض احمد فیض بجا ہے یہ خلافت مجھ سے نہیں کرنی چاہیے۔ پہلے یہ دلوں سے کرنی چاہیے۔

سعادت سمیع آپ کو اپنے معاصرین دلوں سے بچوں کی تحریروں میں کسی نے جڑا کیا ہے۔ کیا آپ حوالے دے سکتے ہیں؟

فیض احمد فیض اور صدیقی کے ہم بہت محترم ہیں۔ آخر کامیابی کے بھی۔ اپنی اور بھی بہت سے نام ہیں۔

سعادت سمیع ہم جانتا ہوں کہ

فیض احمد فیض ہم نے سے میں گھبراہٹوں کیونکہ میں کاہم دہ جانے گا ان کے فارغ ہوئے کا کھو جہ ہے۔

فارغ بخاری آپ لوگوں کو فارغ کیوں نہیں کرتا چاہتے؟

فیض احمد فیض ہم اپنا پتہ صراحت ہے اس کے باوجود بھی بہت سے لوگ ہم سے فارغ ہی رہتے ہیں۔

سعادت سمیع کوئی اور مثال آپ کے ہوتی آیا ہو۔

فیض احمد فیض اس ضمن میں ہم ایک مثال کا مجھ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ ہے "چائیکہ لڑا میں

امسال" محمد خالد اختر کا کہنا ہوا ہے۔ میں کہتا ہوں اس کے جواب میں کوئی چیز نہیں کہی گی۔ انکا دشمنیں کا "بھتی" بھی بہت ہند ہے۔

سعادت سمیع شمس کی دنیا میں؟ فیض احمد فیض جی اپنے اشعار اور میں اور بہت سے دوسرے ہیں۔ "اوپر اپنا جہنم" یہ بھی پندرہ آدمی اور بالقدیر کے فرائض ہیں۔

حسن رضوی آپ نے پنجابی شاعری بھی کی۔ پنجابی میں لکھنے کا خیال آپ کے دل میں کیسے پیدا ہوا؟ فیض احمد فیض میں نے پہلے بھی نہیں یہ کیا تھا کہ بہت مطالعات اپنے ہیں جن کے اکادمی کے لیے پنجابی زبان کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اور میں لوگ گیت نہیں لکھ دیتے کیونکہ یہ زبان شری بھی ہے اور اس کا تعلق خالص چلتے سے بھی ہے۔ اگر آپ لاری وہ میں لکھ لکھتا ہوں، کے تو وہ انداز کی بجائے کسی طائفے کی حقانی بول کا وہ اختیار کرنے کی یاد، انگریزی بول جانے کی یاد، اردو بول جانے کی یاد اور مطالعے کی زبان۔

حسن رضوی آپ نے مرثیے بھی لکھے ہیں ان کی قریب کا سب کیا تھا؟

فیض احمد فیض ایک تو موضوع ہی کیا ہے کہ اس سے ادا فیض بنتا ہے۔ ویسے بھی دلیا اے بخاری ہمارے استاد بھی مرثیے لکھتے تھے۔ ہمارے بھی ہوئی اور ہم نے مرثیہ لکھ کر اپنی میں لکھنا شروع کیا اور خدا بھی اسی صبر آئی کہ مرثیہ لکھنے کی تڑپ پیدا ہو گئی۔

سعادت سمیع ان دنوں شری نظم کا بھی یاد آ رہا ہے آپ اس صنف کے بارے میں لکھ کر پتہ فرمائیں گے۔

فیض احمد فیض ایک جڑ ہے شامی اور دوسری سڑ۔

اپنی دہری شری نظم۔ یہ معاصر ہی دہری نظم سے اور ہے۔ سڑ کے معانی کھجور کے لیے ہیں، بلکہ نظم کے معانی کھجور کے لیے ہیں۔

اشفاق احمد فیض صاحب یہ اشعار دہری یا

اشعار ہے جیسے عارضی مستقل خلافت کی اشعار۔

فیض احمد فیض شری نظم کوئی نئی چیز نہیں۔ 1920ء اور 1930ء کے دہائی کی مرثیے میں لکھنے کے تجربے ہوتے تھے۔ "پہلا نغمہ" اور لکھنے کے وہ خاص انداز میں تھے۔ اس قسم کی سڑ کو بھی ادب لطیف بھی لکھنے لکھتے تھے۔ اور بھی سڑ لطیف کیا جاتا تھا۔ اس کی ادا بخاری کی ہے کہ "کھڑا" سے پہلے۔ سڑ شریائی کے "دہان" میں بھی اس کی صفیں نہیں جاتی کہ اپنے ابتدائی دن تاج صاحب نے بھی اس سڑ میں بہت لکھ لکھا ہے یہ سڑ کئی دیر تک چلا رہی ہے بات ظہور کر رہی گی۔

سعادت سمیع صرب میں تو شری نظم کا ایک باقاعدہ صنف کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ بالخصوص نے بھی اس قسم کی لکھی ہیں۔

فیض احمد فیض صرب میں کوئی لکھی صنف نہیں ہے وہاں کی کوئی چیز نہیں۔

اشفاق احمد میں اسے نہیں مانا کہ مرثیہ آپ نے فرمائی تھا کہ اس لیے کہ آپ اپنی سانچا سے لکھتے تھے اپنے آپ کو لکھتے تھے کہ لکھتے تھے۔ مطلب ہے کہ اگر ہی زمانے میں اسی مقام پر آپ سے کوئی کوئی شامی کی فرمائش کرتا تو کیا آپ کی شامی بھی کرتے؟

فیض احمد فیض فرمائش سے میری ضرورت تو کبھی سے تھی۔ ہاتھ کرنا ہندی سانچے کا حصہ ہے اپنی قریب کے لکھنے میں مرثیہ کیسے لکھ سکتا تھا۔ "کھڑا" شامی کے لیے میں دہری طور پر چار نہیں

اصل بھاری آپ کے خیال میں پاکستانی ادب کیا ہے کیا ہو سکتا ہے جس سے کہا جاسکے؟
فیض احمد فیض پاکستانی ادب ہے جس میں پاکستان

کی روایت، علامت، ٹیکس، سطر اور قافیہ سطر سے مطابقت موجود ہے۔ یہی وہ ادب جس کا پاند فیض احمد فیض ہیں۔ اس میں خاصیت کے ساتھ ساتھ مائیکرویت اور آفاقیت بھی موجود ہے۔ مائیکرو ادب کا لکھنے والا بھی ایک مقام حاصل اور ایک طبقے میں پڑتا ہے۔ وہ اپنی قوم اپنے 'مکمل' ہے۔ آپ 'ادب' تاریخ اور ثقافت سے جس حد تک جڑا ہے اس کا اثر اس کے ادب میں آنے کا لیکن اس کے باوجود اگر وہ اپنی شاعر یا ادب ہے تو وہ آفاقیت کی جانب سفر کرے گا۔ فیض احمد فیض 'مکمل' صوفی، 'ادب' غالب کو ساری دنیا پہنچا دیتی ہے۔ خاصیت کے باوجود اس کے پاس آفاقیت کے عناصر ہیں۔ یہی وہ ادب ہے کہ وہ ادب بھی دنیا بھر میں پڑتا ہے۔ 'مصری' ادب ہے۔ یہ ہر زمانے کے ادبی اثر کرتا ہے۔ پاکستانی ادب وہی ہے جو پاکستان کے لکھنے والے کی خواہش اور علامت کو ساتھ لے کر جاتا ہے۔

اصل بھاری آپ کو لگتی ہیں اور لکھی جاتی ہیں کہ آپ دیکھتے ہیں جو سونوں کی مقلد ہیں۔ اور سے بہت سے شاعر مصنف سے لگا کر لکھتے تھے۔ آپ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ آپ کے ادب میں بھی روشنی ہے؟

فیض احمد فیض: میں اس کے بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اگر شاعرانہ طریقے سے دیکھا جائے تو انارکلی رشتہ صوفی ہی ہے۔ وہی غزل میں ادب، ادب اور ادب کا ہر کی کھلی شروعات ہی سے موجود ہے۔ طریقہ اور شریعت کے

رہنما ہوتے ہیں۔ ان سوجھ بوجھ ہیں۔ اصل طریقہ انسان کوئی صفت اور ان کی فکر ہے۔ آپ نے دنیا باری اور ظاہر برحق 'تصویر' غزل اور حکیم کے خلاف تھے۔

اصل بھاری: میں دون آپ کی نظر اس آکس اسلام آباد کے قریب میں تھے میرے لیے ایک اعزاز ہے کہ میں نے آپ کے ساتھ گزرے غزل میں سزا کا قصہ، ادب میں ایک حوالہ، حاضری دی تھی۔ آپ کی حجاز، دہلی بھی ہوئی تھی اور آپ نے دہلی میں سطر میں اپنی فکر میں لکھ کر باقی رہی تھی۔ آپ مسلم پاکستان کے گزر کے ساتھ اس صورت حال کو کیسے مریخ کرتے ہیں؟

فیض احمد فیض: یہاں سے لگا کر خاص ہے۔ ہم تو دہلی آئی ہیں۔ غزلیں میں دیہات میں گزارا تھا۔ دیہاتوں میں اس زمانے میں رات کو لائین کی روشنی میں ہینٹ لٹو کر پورے رات کو لکھتے تھے۔ پڑھتے جاتے تھے اور دن میں گرو، غزل کے حوالوں پر لکھ جاتے تھے اور وہاں کے جس سے ادب میں بھی خبر ہو، صراہا کرتے تھے۔

فیض احمد فیض: ایک دن آپ نے فرمایا تھا کہ بڑی پھر سے نئی نئی کے قافلے پر ایک گاڑی ہے۔ سرائے میں آپ کا وہی کوئی رشتہ دار تھا جس کے بارے میں فرمائیے؟

فیض احمد فیض: سرائے میں بھی ایک بھلا سا گاڑی تھا وہ لکھنے والی تھی اور ساتھ ہی گاڑی کے پاس سے جاتی تھیں۔ کچھ تھے۔ میں بھی لکھ لکھ کے اس ضمن میں تھے۔ یہ بات ہے ساتویں آٹھویں کی۔

انسانی اور فیض صاحب نے کہا ہے کہ شاعری کے

رشتے سے وہ صوفی ہیں۔ میں یہ عرض کر رہا تھا اور فرشتہ ہے کہ آپ کی ادبی نگاہی ادب کے ساتھ ہے۔ یہی ایک ذوق ہے سے صوفیانہ سوچ ہی کا خاصہ ہے کہ صوفی ہر کام کو ایک جماعت کی عقیدت میں کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ صوفی یا تو فیض صاحب حال ہوتا ہے یا صاحب حال کی بات کرتا ہے۔ وہ حال کے حوالے سے ہر بات سوچتے ہیں۔ مجھے شاید سطر میں کہیں یاد آئے اس لیے کہ میں کہہ کتاب کو باقی لکھتے ہیں اور حال کی بات کو پسند کرتے ہیں۔

فیض احمد فیض: ساتھ ساتھ ہر کی فکر سے کہ یہ تک کام لکھنا چاہتے تھے علامت کا استعمال یہ تھا کہ اپنے ہاں کے ساتھ سوس ہاں کا ہوا ملا کر پڑھنے کے لیے جاتے اور نواز کے بعد صوفی اور امام یا کھلی گاڑی میں بیٹھتے تھے۔ میں ساری باتوں کا اثر انسان کی سانچے پر لگتی ہے۔ ہم نے تو کوشش کی ہے کہ یہی عوامیت نہ سمجھا دے اور ایک حد تک لکھتے ہیں کہ یہ حضور یا صوفی اللہ سے مل کر لکھا ہے۔

فارغ بخاری: فیض صاحب آپ نے جیسو اثریہ کے کوئی بھی فیض احمد فیض کی ہے۔

فیض احمد فیض: میں جیسو امام احمدیہ کے بارے میں نہیں جانتا۔ میں انہوں میں بھی کوئی نہیں جانتا۔ وہ مکمل اور ہم نے لکھا تھا کہ ان کی ایک سال کا تھا۔

حسن رضوی: طائفے دیہ میں سے لکھی تھی آپ جڑا ہوئے ہیں؟

فیض احمد فیض: میں جیسو صوفیوں کی مقلد یا مقلد ہوں۔ ان کی سے بہت سے ظاہر شاعر صوفی قسم کے گھر میں لکھا تھا۔ دیہ کے لکھنے والے ہر کا

جو جس کوئی عالم یا شاعر آج قلم کا نام کو کسی کی
 نشست صوفی جسم کے گھر میں ہوا کرتی تھی۔
 وہ سید سلیمان ندوی سے عاری نہ تھا۔
 میراجی نے میرزا کی "صریح" قزاقوں کی عقل
 کا جھینڈا "برادری" نامی اعتراض کیا تھا۔ میراجی کو
 عربی انیس کی فضا میں سے سید سلیمان ندوی کا کلام
 چلتی۔ انہوں نے بڑی دھڑلے انداز کا عقل کا جھینڈا
 میں کیا قربانی ہے باطل درست استعمال ہے۔
 انہوں نے سادہ کے طور پر جانتے کا صریح چاہا۔
 کہ نہ اہانت کے جنرل کے قصور کا است

اصل بنیادی حسی عسکری کی کتاب ”جدید بحث“ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

فیض احمد فیض حسی عسکری کا بہت اعلیٰ ہے۔ کبھی زمانے میں انہوں نے اٹھائے بھی ہیں اب اٹھ کھینے آفریں غرض میں انہوں نے یہ کام ہی چھوڑ دیا اور ایک کتاب ”جدید بحث“ لکھی جو مجھے افسانہ عارف نے چھوٹی۔ میں جبران اور احمد شامی کا مستقل کتاب ہے اس وجہ سے کہ اس میں صریح کی گرائیوں کو چھاننے سے پہلے وہ کہتے ہیں کہ متعلق اور استعمال جڑی عقل ہے۔ یعنی اگر یہ جڑی عقل ہے تو پھر آپ سے بحث کیسے ہو؟ بغیر بحث کے کوئی دوسرا آدمی یا نکل اس سے اصل خیالات عقل کر کے مشرقی گرائیوں کا بھی ذکر کرنا کر سکتا ہے۔ ہمارے لیے تو نظریاتی بحث میں متعلق اور استعمال کو بنیادی اہمیت حاصل

ہیں رضوی مولانا مسعودی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

بعض اہل فتنہ، کمال خانے میں ان سے سرسری ملاقات دی۔ وہ بھی ہمسرہ میں تھا تو انہیں اپنے کالج میں بھی لایا تھا۔ مگر بہت لمبی کھینچے

تجہ دے اپنے نظریہ کے حوالے سے عالم آری
نہی۔
فصل ششم اسلامی ادب کی تحریک کے حوالے میں ایک
فرمان۔

فیض احمد فیض ہمارے خیال میں مسلم ممالک میں
مسلمانوں کو اعلیٰ کی ادنیٰ گریڈ اسلام ہی کا
حصہ ہے۔

میں نے اپنی عمر بھر کے لیے اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اپنے لیے کسی اور شے کو نہیں چاہتا تھا۔

مجلس اور ملکی دائرہ میں 'قرآن' کی چند
 رنگ - ط - انصاری 'علامہ احمد' کا نام
 اور یہ بھی ہے کہ

اس رضوی آئین کاغزلوں پر انہی کی آواز طہر کے
 کا سچا آبِ طہر ہے۔

میں اور بعض اہل حق مجھے معلوم نہیں انکیزی آف
یہود کا کہتی ہے۔ مخلص کو اس آف آرمس کا
مصرف یہ ہے کہ اسے ایک داغ اور عرب
پر گرام اور انڈر مل جا کے سارے ملک میں
تاریک لکھتے اور قہرب کی کھلی اور نظریاتی
صورتحال دیا کرتے ہیں لیکن اب معلوم ہوتا ہے کہ

ہی کا کام صرف اتنا ہے کہ ہر دینی مراکھ کے
ٹانگوں کا استحصال کریں اور اپنے ٹانگے باہر
بھیجیں۔ ان کی قوت اور صلاحات پر بھی ہونی
چاہیے۔

وہ بھی کہہ رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ رہے گی۔

اس سب سے زیادہ مکمل رہائش گاہ ہے۔

بہشتی آپ قسم کی قرار ہے۔
 اور فتنہ قسم خدائی ہے ان میں۔
 کھادی دلیجز کیوں نہیں جوتی؟
 اور فتنہ خدائی کیلئے ہے جھوٹا جوتی۔

کہا کہ میں جتنا کمال ٹھہرتی جاؤں
 اسی قدر تم پر غم ہو گا کیا حال؟
 سوچیں انسانی غم کی

رضوی فقیہ صاحب آپ کا بہت بہت شکر
 آپ نے اپنے فقیہانہ کا بہت ماحصہ میں
 یہ عجیبہ آج کی پختہ کی اعتبار سے تاریخی
 بصیرت کی حامل ہو گی۔ اس کے لیے میں
 "دارالمنہج" کی جانب سے آپ سب کا یہ
 شکر ہے۔

فوج طلبہ کے کراچی کے گزرتے
 ہوئے کے تہہ سانسوں کی بات نہیں
 یہ آواز وہی بنی ہے کہ ہم
 وہاں بارگاہِ آرزو کی بات نہیں

پاکستانی عورت کی حیثیت پر فیض کے خیالات

26 نومبر 1984ء کو میں نے اپنے بھائی فیض احمد فیض سے مال گاؤں میں ان کی رہائش گاہ پر ملاقات کی۔ مستقیم پاکستان میں عورتوں کی حیثیت کے بارے میں ان کا نقطہ نظر مسلم کرنا تھا۔ میں جو چھٹا چاقو ختمی کر عورتوں کو کھتر کھنے کے رویے کو کس طرح بدلا جا سکتا ہے پر بحثی سے ان کا آخری انشراح ثابت ہوا۔ اس سے اگلے دن وہ اپنے آبائی گاؤں چلے گئے۔ وہاں سے واپسی پر غلت چار ڈکے۔

فیاض صاحب نے اس موضوع پر بہت تحقیق اور شدت سے احساس کے ساتھ اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا "موجودہ اس اپنے حقوق کو مردوں کے حقوق سے الگ کوئی چیز سمجھتی ہیں وہ اس کے لئے عیساء و ہندوؤں کو مرد ہی قرار دے رہے ہیں اور عورتوں کے مسائل کو الگ الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اس صورت حال کا اظہار تمام تر عورتوں پر ہے۔ تو یہ عورتوں، بچوں، عورتوں میں جہاں مرد اور عورت کی محنت کی تقسیم میں کوئی طریق نہیں دیکھیں ان کے حالات بھی یکساں ہیں۔ عورتوں کی حالت اس نظام کے مطابق بھڑا پڑتا رہا ہے جس کے تحت مزدور کی گوارائی ہے۔ جس کوئی نظام میں مرد کی ذات اہم کر دیا کرتی ہے تو وہی عورت کی حالت اس معاشرے کا ایک فردوں کی حیثیت سے ضرور مرد سے متاثر ہوگی۔ وہ عریضہ اشتباہ کا شکار ہو جائے گی۔ پاکستان کے ان علاقوں میں عورتوں کو گنہگار بھی حیثیت دی پہلی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں کے لوگ برتری کی بجائے برابری پر مبنی نظام سے کر

عورتیں مردوں کے بغیر اپنے حقوق منوائی ہیں۔
عورتیں ان کی پاکیزگی کو کھینچیں۔ غلامی ہے جب مرد
قلبی، ذہنی اور معاشی اعتبار سے ہمیں یاد رکھیں گے تو
عورتیں ان کو یاد رکھیں گے۔ اس کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

”ہمارے بعض ملائوں میں تو مسرت حال بہت ہی اچھوتا ہے۔ شادی بیاہ اور عہدہ میں داخل ہونے کی تشریف آوری میں سے کوئی چلتی ہے یا بدلتی ہے، بدلتی ہوئے کے باعث اس کی تشریف آوری نہیں کی جاتی۔ اس کو چاند کے عرصے سے عہدہ رکھا جاتا ہے۔ تو اب پر کا امیہ (یہاں عہدوں کو رہنے کے لئے بنایا گیا ہے اور جسے وہاں کے تمام لوگ بیان کئے گئے) اور وہاں کی غیر مذہب و فطرت کی حکومت ہے۔ اس ملائوں میں عالمی نظام مستبد چلتی ہو رہی ہے۔ ایسے ہی واقعات ہوتے ہیں۔ یہ دراصل معاشرے کے پرے پرے کے حصے کا مسئلہ ہے۔ یہاں معاشرے کا یہ واقعہ ہے کہ وہاں دنیا میں یہاں ہے اور حکومت اور مردوں کی صلاحیتوں کی نشوونما کے مواقع مہیا کرتا ہے وہاں بھی حکومت کو نظر نہ پاتی رہتی ہے۔ لہذا زیادہ نہیں ہوتی جتنی ہیں اور وہ معاشرے میں ہوتی ہے۔“

مہربانی کو اپنی اور انسانی خود پر محرومی کے برابر
ماننے کے لئے ضروری ہے کہ سیاسی اور انسانی نظام میں
تعمداتی تبدیلی لائی جائے۔

عورتوں اور مردوں کا گھٹنے کی کام کر رہے ہیں۔
اسی صورت میں لیکن ہے بہ عورتوں کے حقوق کی

جودھ صرف ایک چھوٹے سے عرصہ تک چلتے ہوئے ایک ناکام جدوجہد کی صورت اختیار کر گئے۔ گھروں میں بند رہنے والی عورتیں بھی آزاد ہو گئیں تھیں جب وہ سیاسی تحریکوں میں حصہ لیں۔ سیاسی نظام ایک بہت بنیادی چیز ہے اور باقی ہر چیز اس سے وابستہ ہے۔ ایک نیا مادہ اور نئے انسانی پرستی نظام کو بدلنے کے بغیر آپ کو تہیابی نہیں کر سکتے۔ سیاسی نظام ہی دراصل انسانی نظام ہے مثلاً وہ خواتین کو بھی لے کر دیا کہ عورتیں کسی جگہ بھی آج تک نہیں جاسکتیں۔ ہمارے ایک دیکھ کر عورتیں بھی خواتین کے بغیر خواتین کی اور رہیں گی اور ہر سیاسی جدوجہد کے بغیر یہ سیاسی تحریک نہیں چل سکتی۔ اسی تحریک سے خواتین کی بہت ان چیزیں نکلیں۔ سیاسی نظام کی خرابیوں کے اثرات سے معاشرہ بھی متاثر ہوا۔

ہمیں سے ہر پورا انداز میں ناکامی اٹھانے کے لئے ضروری ہے کہ لوگ اپنی جدوجہد جاری رکھنا چاہتے ہوں۔ اس وقت ہمارے پاس زیادہ تر وہاں چار لوگوں کے ہاتھ میں ہیں۔ ان کے سامنے کئی مسائل ہیں۔ کوئی طرح استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی بھی انتخاب باوجود نہیں ہو رہا۔ یہ انسانی کے خلاف ایک دراصل کے طور پر رہتا ہے۔ یہ کوئی مثال نہیں۔

ہمیں 700 فیصد دعوے کی تھی۔ کوئی صحت مندانہ نظام نہیں تھا۔ وہاں کی ہی قوم نے انتخاب کے بعد ہی ان سارے مسائل سے غائب شروع کیا۔ انسانی نظام کو ناکام بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر ہم کسی ایک مسئلہ

علیحدہ سے مل کر سننے کا کام آپ نہیں ہو سکتے تھے
 لیکن چاہنگ اور تعلیم اور دولت کے بغیر دنیا کی کھجور کیا جا
 سکتا۔ عداوت میں داری لیکن چاہنگ کا کام ہو گی بلکہ
 اندر کا گڑھی کو اس سے انتخاب میں قصاصان اظہار پڑا
 بلکہ بھگت میں لیکن چاہنگ کا سہا ب رہی۔ عداوت کو
 مردوں کے شانہ و جہان ترقی کی ہمدردی میں حصہ لینا
 چاہیے خاص طور پر عداوت میں جو غرض کو کھلے لیتا
 چاہیے کہ ان کی کاوشوں سے ہی حالات کی بہتری کی
 کوئی صورت ملے گی ہے۔ عداوتوں اور مردوں کو الگ
 الگ خانوں میں نہیں رکھنا چاہئے۔ یہ تک مردوں کو

☆ ☆ ☆

ہیں یہ نظم تخلیق کا حصہ
 آہستہ چلی کی گورنر
 میری آنکھوں میں انداز آتی تو کچھ چاہتا
 جو رہ کر چاہتی
 اور میں نے آواز آنکھوں کو اور کے دھول
 میرا آواز آنکھوں کو اور کے دھول
 اور میں نے آواز آنکھوں کو اور کے دھول
 میری آنکھوں میں انداز آتی تو کچھ چاہتا
 جو رہ کر چاہتی
 اور میں نے آواز آنکھوں کو اور کے دھول
 میرا آواز آنکھوں کو اور کے دھول

چاہتا تھا کہ وہاں رہتا ہے
 اور میں نے آواز آنکھوں کو اور کے دھول
 میرا آواز آنکھوں کو اور کے دھول
 اور میں نے آواز آنکھوں کو اور کے دھول
 میری آنکھوں میں انداز آتی تو کچھ چاہتا
 جو رہ کر چاہتی
 اور میں نے آواز آنکھوں کو اور کے دھول
 میرا آواز آنکھوں کو اور کے دھول

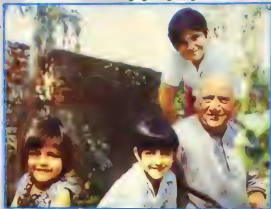
(دوسرے صفحہ پر)

فیض احمد فیض اور استاد امن





فیض احمد فیض اور ایلیس فیض



فیض احمد فیض، ایلیس، علیہ اور رونا اسی مجرا

ہم سفر اور شریک حیات

اہلادت ہوئی ہے بالخصوص وہ لڑا اعلیٰ اگر آپے ہوں ہوتا ہے لیکن غصے ہے وہ اس کی جیب میں ہی موجود نہیں اور کرنے کے لئے ہاتھ جو پالنے کی بھی ہو اس کا ہاتھیں ہیں ایسا چہرہ ہوتا ہے۔ اس ضرورت کو لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ عام لوگوں کے حلقے میں فکار زیادہ خود فراموش کیوں ہوتا کہ نہ ہوتی ہیں بلکہ ان کی مستقل بالخصوص کالجی کسی ہے۔ فاکھاس کا سبب یہ ہے کہ اس کا ذہن صرف علم کی چھید یا تصویر یا کسی اور شاہکار کی شکل میں

”کیا تم اپنے شوهر کی شادی کچھ جانتے ہو؟“ یہ سوال مجھ سے آکر کیا کیا گیا ہے اور میں نے کتنی غور و غرض کے بعد اس کا ایک ایسا جواب دیا جو لگا ہے جو میرے خیال میں صداقت پر مبنی ہے اور عرصہ آخر کی حقیقت بھی دکھاتا ہے۔ میرا جواب ایسا بھی ہوتا ہے کہ میں ان کی شادی کو دیکھنے کا دعویٰ تو نہیں کرتی لیکن یہ دعویٰ ضرور ہے کہ میں حاضر کو سمجھتی ہوں وہ کسی خاص کی شخصیت ہی اس کی شادی کا سرچشمہ اور اس کے وہاں کی فوج کی تحریک ہوتی ہے مگر میں اس شخص میں ان کی شخصیت کی صورت گیری کی کوشش نہیں کروں گی کیونکہ اس کے لئے ان شخصوں کو طے کرنا ہے کہ جو ایک جہی کے دائرہ عمل سے باہر ہیں بلکہ میں ایک خاصہ کے گہری زندگی کا خاکہ پیش کروں گی جہاں وہ اپنے اندر اور ادب کے شکلیں میں ہوتا ہے جس کے کوشش جہاں میں وہ جسمانی اور فانی نکال دے کرتا ہے اور جہاں وہ بھی شادی اور بھی غیر شعوری طور پر شعری گھٹلی کرتا ہے۔

میں نے لوگوں کو اکثر کہتے چاہے کہ ان میں کھان کا حراج جیب دھریب کسی اس کے اظہار دیا جہاں سے نرالے ہیں اور کیا ہوا وہ ہر صورت ایک فن کار ہے اس کی توانا حوائی اس کی ہر کیفیت اور اس کے نااہلی ہیں کہ صرف اس لئے قابل مصلیٰ کہا جاتا ہے کہ وہ فکار ہے اسے کسی حد تک خود اور اس کی توانا قریب آسانی طور پر، اپنی فرائض سے گرج کر کرنے کی

تاریخ پیدا آتش اس کو اپنے گام فزانت میرے مجوزی سے اور اور
آتش ضرورت کے لئے مروج ہے، میرے حال کی میرا دیکھو دست سے
فدا آتش کی فکر کہ وہ میرا نکوٹ کہ میرا مجوز سے پیدا آتش کے اندر ہوتا ہے
ریکا رڈ دیکھو کہ میرا صبح تاریخ معلوم کرنے کا کو مستحق کرتا آتش کی شخصیت
بکے سلطان بلکہ یہ ہے گام فزانت میرا افروز اور اس کے تاریخ میرا فزادہ ہے
میرا لکھ میرا

۱۹۵۴/۴/۱۱

فکار وہ ہوتا ہے تو ان کی اپنی است پر کار ہوتا ہے۔
کی سال دھریک بات ہے کہ کچھ ایک کہنت کی
کہنت کی کا پیدا خوب ہو۔ دھریک اپنی اپنی شادی ہوئی تھی
اور دھریک آدمی بہت کم تھی۔ بلکہ بڑا بھلی تھی اور
لیجیسی دھریک سے جو دھریک تھی۔ میں اور دھریک میں
تھی اور میرے دھریک میں بالکل تھی۔ اس نے ان
سے بھی کوئی دھریک میں کوئی تھی بلکہ کوئی تھی اس کی
تھی بلکہ سے پہلے تھی۔ میں دھریک یا دھریک میں

صرف رہتا ہے۔ ہر صورت یہ ایک مسئلہ حقیقت
ہے کہ فکار کی شخص کو دھریک سے ہر شخص کو ساتھ چہا
رہتا ہے اور اس سے بھی دھریک میں کیا ہا سکا کر اسے
ایک حد تک قابل مصلیٰ بھی کہتا ہے۔ وہ لوگوں سے
ٹپے کے دھریک کے بھول جاتا ہے۔ اپنی جیب د
گریک کا دھریک میں رہتا۔ لیکن چاہا وہ تو لڑی دھریک
ہاں کے ہر شخص بلکہ ہے۔ وہ اپنی کا دھریک میں
دھریک بھول جاتا ہے اور اس کے لئے سارا دھریک میں

کڑوروں کے لئے کوئی لادشیں بھی نہیں تھیں جنہیں وہ اپنا حق تصور کرتا ہے۔ اس کے باوجود ہم نے ایک سوٹ جاس ڈاؤ۔ جاسوٹ جاسوٹس ڈانے میں ایک میٹھی سے کم قدر فیملی سے لینے کے لئے امرتسر کے قریب ایک دور دراز اور انکے تنگ مکان میں رہتے تھے۔ اس وقت کوئی تانگے والا وہاں تک جانے پر چڑھتا تھا۔ جی ہنسکتے تھے کہ ایک تانگے والا اس پر راضی ہو گیا کہ وہ انہیں یکے دو کے پیچا دے گا۔ تانگے والے نے فیملی کو پیش ہکا اتار دیا وہاں سے ہمارا گھر تقریباً ایک میل دور تھا اور انہیں ہر مسافت پہننے کے لئے تانچا دی۔ فیملی بڈل ان کی بغل میں دبا ہوا تھا۔ مگر کچھ کر فیملی نے مجھے بگایا اور میں نے بڈل ان سے لے لیا۔ لیکن بد سے ہاتھ میں لینے ہی میرا ہاتھ ٹپکا کیونکہ اس میں ایک گرم سوٹ ہونے کے باوجود بڈل بہت چمکا تھا۔ بڈل کا ایک کنارہ کھرا ہوا تھا کہ کٹ خارا فیملی نے کہا کہ ات بہت ہو گی ہے اب اسے صبح عشاء کروں گا لیکن مجھے جانتی ہے کہ یہاں تانگے والے نے مجھے اجارا دیا وہاں سے مگر تک آنے میں ہی کٹ کٹیں گریں گی ہے لیکن خود ہی ہی بھٹ کے بعد جو ایک حد تک یک طرفہ تھی وہ بے پایاں ہمارے لئے کراہی وقت کٹ عشاء کرنے سے پہلے جانیں لیکن عشاء نیم فلی کے دو بجے کٹ عشاء چلوں اپنے گھر سے پاس کی سڑک تک جوں کی توں دنگی رہی۔ اسے کسی نے استعمال نہیں کیا اور عمارتی اور مالیاتی اذیت کی کے پہلے اسراف کی یاد آ رہی تھی لیکن 1950ء کے عشاء کے بعد یہ لٹائی میرے پاس باقی نہ رہی اسے ایک شخص کو سونپ دیا گیا۔

چند مہینے بعد کپڑوں سے بھرا ہوا ایک سوٹ کیس کم ہو گیا تو میں نے کسی عمارتی کا اعتبار رکھ لیا کہ یہاں لیکن 1949ء میں کراچی جاتے ہوئے فیملی



فیملی اور فیملی شہر فیملی

کا ستر ایک اور مسافر سے بدل گیا تو میری قوت برداشت قریب قریب جواب دے گئی۔ ستر کھولنے پر لکھے اس میں جو گونا گوارہ اس گھر سے بہت اچھا تھا جو کچھ اور چلا گیا تھا کچھ مجھے اپنی جگہ پر کچھ عادت تھی۔ یہ بڑی سی جگہ تھی کہ اس ستر کے ایک نئے اسپتال میں کیا سوتا ہوگا۔

بھئی اور کات میرا پر بھی خیال ہوتا ہے کہ یہ وہ اپنی پیمانی کی طبی فرما دی گئی اور یہ لازمی کی فوری کرتا ہے اور انھیں کئی چیز کی تادی قدر و قیمت کی کوئی پروا نہیں ہے۔ اس سے صرف ان کی کتابیں ضرور منگتی ہیں جنہیں وہ بذی حیرت نظر میں سے دیکھتے ہیں اور انھیں اس طرح بیٹے سے لگا کر دیکھتے ہیں جیسے کوئی بھلا اور خوش اسطے بال و دولت پرانی جان بچا کر رہا ہو۔ لیکن کوئی شخص اس سے کوئی کتاب مانگا ہے تو اس سے انکار بھی نہیں کیا جاتا۔ جب میں اس سے بات کرتی ہوں "تم نے ماسو سے کچھ کتاب کیں دے دی۔ معلوم نہیں اس دور میں بھی لے گی یا نہیں" تو وہ بذی حیرت اور بڑبھلی سے جواب دیتے ہیں۔ "سب تک اس کی کتاب کو پڑھا دے گا اسے دینے کا خطرہ مول لینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔"

1947ء میں میرے تمام زہرات چوری ہو گئے۔ میری خوش اسمان نے مجھے بلکہ پھونسے پھونسے لیکن ہر کھلف زہر دے دیے تھے۔ چھ چیزیں میں نے خود بھی طرح کی تھیں جو وہ سب اٹھا کر لے گئے۔ میرے اپنے گھر میں یہ کچھ چیزیں تھیں۔ پرنس کی دعا سے بھی میں کوئی دعا مانگتی نہیں بیٹا اور ہم یہ سوچ کر چھ دے کر جانے والی تھی کہ تم ہی کیا میرے چہرے پر اس کی بھڑکی کی جھلک دیکھ کر قہقہے کہتے تھے کہ تم نے شام کا یہ میرا کھانا کھل

دہا کھلا وہ چوٹی کا دھوا دھوا ہوا روتوں کا

اور میں ہر ایک پر غصوں کرنے لگی کہ میرے اس اس غمزدگی میں ایک طرح کا احساس جھکی بھی شامل ہو گیا ہے۔

میرا احساس بہت بہت جیسے ہی حیرت پر پہنچا گیا ہے کہ میری سلیب بھی اپنے دلوں کے قہقہے قدم پر ہل رہی ہے۔ یہ وہ زمانے کے کافی مسائل ہیں کہ یہ بھی یہ بھی جانتی ہوں کہ جو لوگ جی فراخ دلی سے اپنی انھیں سے بھی جچ ہوسوں کو اٹھا کر دے دیتے ہیں یا کسی چیز کی کم شدگی پر ذرا بھی غولی نہیں ہوتے بلکہ جس کے لئے احساس غمزدگی بھی لذت خلق میں جاتا ہے ان کی مصیبت انتہائی سرت فزاہن کی مصیبت انتہائی دلہا پر اور ان کی وفات ایک خاصہ قہقہے میں ملتی ہے۔

ان خاصہ میں خاصہ میں ان کا توڑ کر کے لئے خوش قسمتی سے مجھ میں ایک طرح کی سبکدستی پیدا ہو گئی ہے۔ یہ کہ کوئی کوئی لکھی چیز جو ان کی لے لی ہو اس میں اس کی دھانسی کی کوئی امید باقی نہیں رہ جاتی کیونکہ ہمارے پاس بھی تو کچھ ہوتا چاہے وہ دم اور میں کوئی بے کیا "خیر" وہ بذی حیرت سے ہوا حقیقت پختہ ہے اور ہر چیز کا ایک خاصہ مطلب رکھتی ہے۔ وہ بہت چھوٹی سی جگہ لیکن کتابیں پڑھنے اور تصویر دیکھنے کی وہ سے ہوا وہ شوقین تھی۔ ایک دن

اس نے اپنی دانی کی کتاب اٹھاتے ہوئے یہ چھا۔ "بانی۔" "میں آپ کی کتاب دیکھ لوں" "سلیب کبھی اپنی کتابیں بہت عزیز تھیں۔ اس نے جواب دیا۔ "نہیں تم خود اپنی کیں نہیں دیکھیں۔" "بانی میں اپنی کتاب بہت زیادہ رکھوں گی تو وہ کس سے لے گی۔" "خیر" وہ نے جواب دیا۔ "لیکن کوئی کلم ہوا تو انہوں نے اسے کھان کا سانس لیا اور لے لے" "تو میرے گھر میں کوئی تو ایسا بھی ہوتا چاہئے۔"

خبر ہے کہ قاضی اور فرما دل دانی انسانوں

کے کام ہوا ان کی مصیبت کو بھی بہت پختہ کرتے ہیں۔ میرا چوٹی انتہا اور دوسرے چوٹی میں میرا روتوں کرنے والوں کا کھانا دیکھ کر قہقہے قہقہے سے ہوا تھیں ان کے۔ وہ ان کا دور سے لگا نہیں دیکھتے بلکہ ان کی رنگ ریلوں میں خود بھی حصہ لیتے ہیں۔ اپنی خاصٹی اور کم آمیزگی کے وجود اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ وہ ہمیشہ جاتی ہیں کوئی ایک بڑا سکون گھر پر لڑکی اور لڑکے کرتی کے گھر ہے۔

ہمارے گھر کے معمولات بچوں کے کھانا اور وقت کے جالی ہیں اور انھیں نے اس سے بچنا دیکھ کر اقبال کرنا ہے کہ بچوں کی بات اور دینی کی کھانی عطل شہر ہے یہ انھیں کی قسم کی زہر دے۔ لہذا کابر قول بچوں کے لئے علم کی طبیعت دیکھتے ہیں۔ اس کے خلاف کسی اور عادت میں کوئی جگہ نہیں۔ رات کو سونے سے پہلے اگر انھیں بہت چھوٹی سی کوئی خالی جگہ دے دیا جائے کہ وہ سو جائیں کہ کم لے جائیں کہ ان میں سے کچھ دیکھا نہیں آجائے دیکھنے لیکن دیکھا کہ یہ کہ وہی کھانے باب سو ہوا تو ان میں سرتابی کی پہل نہیں۔ بچوں کی پڑوسی وہ پڑاوت کے معمولات سے اپنی خاصٹی کا اعتراف خود بھی صاحب کو بھی ہے اور وہ اکثر کہتے ہیں کہ یہ کام میرے دائرہ عمل سے باہر ہے۔

جون 1953ء میں قہقہے جب میرا آپ قہقہے میں تھے تو میں نے انھیں ایک خاصہ کھانا کھا کر ان بچوں کیلئے ایک جگہ میں جواب کے قہقہے تمام دیکھ کر میرے لئے کھانا منگلی ہے اس کے جواب میں انھیں نے مجھے یہ دیکھا کھانا کہ "میری بچوں کو کچھ سے انھیں دانی کھانے کی کچھ توئی نصیب ہیں۔" "اے ان کی نصیم وزیر سے سے قہقہے کی بے عقل کے باوجود یہاں قہقہے سے باہل نہیں دیکھ بلکہ باب قہقہے نے ایک دوسرے کے گیب دغیب اور کچھ نام دیکھا چھوڑے ہیں۔ ان کے قہقہے کے دوران میں

ہاتے انہی کو اپنی زبان سے کہہ رہے تھے انہی کو ہونے لگے
اور پھر شعر ہو جاتا اور
خدا کو مانے نہال ہوتا ہے کہ خدا عزوجل کا دعا

لہا سے نہ اسے جانتے ہیں لیکن وہ دوسری سے کہہ رہا ہے کہ اس کے لئے نہیں جانتا اور اس سے ہر شخص
اس کے لطف ہوتے ہیں کہ ان کا مشغلہ خاص جانی مشغول نہیں ہو سکتا لیکن ایسا ہونا چاہئے کہ اس کی
جانتا ہے اور ان کی عمری ریختی اور بگڑ بگڑی کا نتیجہ ہر اس داری و راصل جادو سے حاشا ہے یہ ہے جہاں ہے
حالات ہیں اگر نہ کام ہوتا ہے تو نہیں ہر شخص
شاہری یا صوری سے لطف اندوز ہو سکتا ہے لیکن خدا
یا خدا کی ادا سے نہیں۔ خدا کا مشغلہ چونکہ خاص
وہی ہوتا ہے اس لئے وہ اس دنیا کی عدلی سے اگل
جاتا ہے۔ اسے اپنے تئیں جان کا ہوش نہیں رہتا ہے
نکمرہ اور دوسرہ کی ضرورتوں کی پروا نہیں رہتی۔
اسے اپنے رفقا کی ضرورت ہوتی ہے جو اس کے
دنیوی معاملات کی ادائیگی کر لیں۔ یہ بہت غریب
معازل اگر آسانی اور خوش اسطولی سے ملے ہو جائیں تو
شاہراہ صوبہ یا مصطفیٰ یا شاہی کو سکا ہے اور اسے
یہ طریقہ ہوتا ہے کہ کارہ چاکم ہو چکے ہیں۔ خانہ
مکی وہ ہے کہ مصطفیٰ کی ایک بہت بڑی تعداد اپنی
تہذیب کو اپنے دوستوں اور ان لوگوں کے نام مستحق
کرتی ہے جو انہی عزیز ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہوتے
تو ان کی غنیف مکی عزت سمجھیں۔ چاہی اور لگے بغیر
ہے کہ لگتی ہے "بہت بہا" کا سورہ کیلئے ہفت کے
جب یہ لکھا کہ "یہ تمہاری ہے" تو ان کا مکی بھی
مطلب ہے۔

تلفیظ ۱۹۸۹ء ۲۶۸۹ء
۱۹۸۰ء کی اس کی اجماع اس
کے بعد ۲۰۰۰ء
کر مینا، شمع
ہر جی مینا، شمع اور سریر مینا، شمع
توزیر خانہ آبادی ۱۹۸۰ء
موندھے پاؤں۔ اور اسے اس شمع یا شمع
۱۹۸۰ء شمع مینا، شمع اور سریر مینا، شمع
توزیر خانہ آبادی ۱۹۸۰ء
توزیر خانہ آبادی ۱۹۸۰ء
توزیر خانہ آبادی ۱۹۸۰ء

ایک مینا، شمع اور سریر مینا، شمع
ہر جی مینا، شمع اور سریر مینا، شمع
کیسے بگڑا کہ مینا، شمع اور سریر مینا، شمع
پیارے جی جی پڑا جی، وہ خود اس کے مار کا جی،
غیر بات تو سننے لگا ہے، ویسے سچ ہی بہت ہے اچھی ہے



ایک بڑا بھائی ہے، مکی مینا، شمع اور سریر مینا، شمع

[illegible]

الفصل في معرفة الحروف المعجمة

تقریباً ایک سو چوبیس سال پہلے جب
کے عہد میں ان کی حکومت ختم ہوئی تو
موجودہ سندھ میں ایک ایسا ملک تھا جس کا
تقریباً ایک سو چوبیس سال پہلے جب





فیض احمد فیض، امیر قزاقی، میری شمس، افتخار عارف، صاحب کوہ اور دیگر اہل قلم



امیر قزاقی، فیض احمد فیض اور ساجی فاروقی



فیض احمد فیض، اردو مرکز لندن میں
عاصیوں کے دو بھائی

فیض سے میری پہلی ملاقات

بکثرت 'پھر سے پریشانی' پھرنے کا شوق احساس۔
اور کمر کھینچ کر چنگ نہاں ہونے لگے۔ اسے میں اس
نے کہ "عزیز کیا ہے۔" کام میں رہتا ہوں
باوجود ہفت روزہ اسلوب میں روزنامہ کی کمی۔ سب نے دا
دی۔ یہ پہلا ہوشیار پوری ہے۔

پھر ایک نو جوان آئے کہ "چند کلچر
نہیں" نکات میں رہائی "انہیں اور اب ایک جوت
ایک فلم شرم میں رہے ہوئے۔ شعر کا سدا حکم اور
تکلیف سے چھوٹے رہے۔ سدا کے سدا کے سدا کے

پوری شان سے برادری ہے۔ مقابل میں لاہوری
تمام اولیٰ انہوں کے نام سے متاثر ہے۔
دلوں چاہت سے خوش دلی اور چہ نہ گفتگو ایک
دوسرے کا خیر مقدم کر رہی تھی۔

روایتی دستور کے مطابق صدر نے اپنے کون
کے علیا سے شعر چھوٹے کا اعلان کیا۔ وہ ایک
برادر اور آئے روز سے اب دیکھتے سے کام چہ کر
چلے گئے۔ اچانک ایک دجا چٹا علی سا لڑکا اچانک
صوبہ ہوا۔ ہمارے "سدا" لہاں "سدا" میں حیات

1921 قادیان کو راکھ کا مینہ تھے منزل لڑکچہ
کاٹا سے کہ غصے کاٹا میں آئے ہوئے کوئی نہیں
اچھے گورے ہے۔ سادہ دین کاو کی شکستہ دیکھی تھا
اور غصہ و غم سے طبیعت بھی گھٹی گئی تھی۔ لے کاٹا میں
آئے ہی طبیعت میں اشفاق کی لہر دوڑ گئی۔ سب شعر
کا شوق پکارتے آگیا۔ چنانچہ "بزم غزل" کی برسات
سے ایک دن سے سدا کی صداست پھر دیکھیں
ناری کے سر ہوئی۔ کام ہوئے ہی کاٹا کا بال ظاہر
سے لڑکچہ اچانک کے ایک طرف ہوا صوبہ لاہور



عزیز، میری، صوفی، غلام مصطفیٰ، سدا، شرم

ابھی تھا چہوں۔

صاحب کے ہاتھوں میں الٹو ایک سگریٹ نمودار ہوا

جیسے قلم ہی سے اُترا ہوا۔

اسے میں بلیوں جھٹک کر دیاں کا ساتھ کر کے

کرتے کرتے کمرے کے باہر آ کر کھڑے ہو گئے۔

میں چھینا چلتے قدم سے اڑ کر دھلا سے یہ پہنچا

پرچہ "سب کو ایک ہے"

میں نے کہا "ہی"

میں نے عرض کیا "پروفیسر صاحب (میں)

ابھی پروفیسر صاحب کہا کرتا تھا) بھلے علم سگریٹ

چونا پاتے ہیں۔ اجازت ہے"

بلیوں نے میرے کان میں دہائی آواز میں کہا

"بہت تک پروفیسر بخود نگرانی کاٹا کے

پر پھیل گئیں تھے اس وقت تک پلے گئے ہیں۔ گورنر

میں نے اندازے ہی فلتی سہ سب کی طرف

دیکھا اور اندازوں سے سگریٹ فوٹی کا اعلان کیا۔

میںی غیر نظروں میں لاہور کے بازار معدوں سے ہاتھیں

کیں اور ان کی لمبے ناسوتی کو دھکا کھ کر دھڑوں

نوجوانوں کو روایاں اٹھچے پر چلاؤ تھا کام جلتے جلتے

صاحب نے غزل کے علاوہ ایک نظم بھی سنائی۔ غزل

اور نظم دونوں میں سوچ کا انداز اور جان کا ابھونا

اسلوب تھا۔

مطالعہ غم ہوا۔ قرار پڑا کہ صاحب ان دھڑوں

کو گھر سے کہ غریب خانے پر پتہ ہوں۔ رات کافی

گزر چکی تھی انہیں بڑا دک میں پہنچنا تھا۔ بجاری

صاحب نے ان کی غیر حاضری کا دوسرا اور گھر کو گھر

کے لئے شعر داخلی کی صحت قائم رکھی۔ یہ ان کی شیع

آزادی کا امتحان ہی نہیں، سادہ کی حوصلہ افزائی کا بھی

امتحان تھا۔ دونوں کا سیلاب رہے۔

ابھی پیرا صوبہ نہیں گزرا تھا کہ کالج کے

اصحاب کا آقا زہور میں دن کی میں بات کہہ رہا ہوں

اس دن بلیوں کا ٹانہ پاؤں میں ختم حلقہ تھا۔ غورم

جیسے نا تجربہ کاروں کو چھوٹے کمرے پر دے گئے

تھے۔ مجھے کالج کی دوسری منزل پر زمین کیا گیا۔

یہاں ابجے اسے انگلیں کے چپا رہے اور ان میں فیض

اور فلتی بھی تھے۔

امتحان کا کمرہ ختم ختم ہوتا ہے۔

آئینہ داروں کے جلی امتحان کے ساتھ ساتھ قلم، خطیہ

کا امتحان بھی ہوتا ہے۔ سگریٹ فوٹی نمودار تھی۔ میں

نے اپنی عادت کو پانے کے لئے پان کا انتظام کر لیا تھا

مگر فلتی صاحب بھی سوالات کے پر سے پرنگر اڑاتے

اور کبھی بری طرف قلم جسم نظروں سے دیکھتے اور

قلم کو اٹھ کر سر کا کھاتے اور کبھی ناسوتی سے اپنے

چہرے کی حیرت پر ہی کرتے "ابھی بھی ان کا پایاں

ہاتھ ایسے حرکت کرتے جیسے وہ کسی جسطوم لئے کو کٹائی

رہے ہیں۔ میں سوچا رہا تھا۔ وہ اٹھے اور کہا کہ ابھی

یہاں سگریٹ پینے کی اجازت ہے۔ میں نے کہا میں

کی جسطوم تھا کہ حوصلی کے یہ خیاں سے کاٹا گیا

چار اہدئی سے لے کر دور دور تک گھٹا میں پھیل

ہا کئی کے اور ان میں سگریٹ پینے والے کے سطر

اتھاس کی خوشبو میں بھی گھرائی کی اور برقی اور اب

کی آہا کا پنے آغوش میں لے لیں گے۔



ہمارے دوستوں نے مل کر مل کر مل کر مل کر مل کر

بیادِ فیض

سے دو ایک صاحب دے دیا کہ "اپنے" نگر خانوں" میں چتا پختہ نہیں فرمائے۔ صدر صاحب کو بھی وہاں مت لے جاؤ۔ فیض اور فیض کے حلقے اپنی شہرہ چھوڑ کر کی کا دکھا کر رہا ہے کے اور انہوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے پر پکس ہلکی طرف اشارہ کر کے کہا "فیض کے لیے میں نے یہ استعین چاہ رکھا ہے۔ صدر کے درے کے بھڑے پھڑوں کا۔"

پکس ہلکے بیٹھے ہی بیٹھے ہی دم پوٹا اور چنے پر رڈوں ہاتھ دکھ کر اپنی غیر شرط و قادی کا یقین بنایا۔

میں نے فیض صاحب کو چاہتہ تھا تو وہ اپنے "خود کے مطابق" حکم کر رہا ہے۔ وہ ہے۔ خود قوتوں سے غرور اور "ہدایت" خاموشی سے آؤش کو ختم سے دھستے ہو گئے۔

فیک بار ایسی ہی تھی میں انکریں نے وزارت اطلاعات و نشریات میں ایک کتب کا کام کا نام I do not agree club رکھا۔ اس کی کئی تقریب میں جو محفرت شامل ہوتے ہیں میں سید الاصلاحی سوروی صاحب "شوہش کا شہری صاحب" جید نگاہی صاحب "میر طیفی انارکلی صاحب" سلام احمد پوری صاحب کے علاوہ چندوں میں دیگر مشاہیر بھی شامل تھے۔ سید سوروی صاحب کا یہ تقریب اس قدر بھائی کی انہوں نے اردو میں اس ادارے کا نام "میں نہ ہوں کتب" بھی تجویز کر دیا۔ ایک اگلی میٹنگ کے

فیض بلکہ کالج چھوڑ کر ہماگ کراڑا۔ انہیں دنوں کسی نے کلاں کو امرتسر کے استاد صاحب کراٹا میں بھی leave vacancy کے طور پر کوئی جگہ خالی ہے۔ وہاں پہنچا "تو ایک نہایت خوش حال" خوش لباس اور خوش گفتار جوان نے بتایا کہ جگہ نہ ہو گئی ہے۔ اس کو جوان کا نام "فیض" اور فیض تھا۔ ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے غائب ہو چکی دہا پر ہماگ کی کہ اور جگہ نہ ملنے کا تجربہ بھی ہے۔ انہیں یہاں سے فوراً کھینچ کر کراٹا کا ایک دہانہ دیا۔ وہاں کر دیا۔ اسے یہ کہ فیض صاحب ان کی طرح عجیب عجیب کر رہا ہے۔ رہے اور بار آ کر مجھے الگ سے کھلایا۔ اس کو سمجھ کر "خود" میں اپنا چہرہ چوڑا کر دیا۔ اسی روز سے ہمارے درمیان وہ پہلا سادہ مشورہ استوار ہو گیا۔ جس میں وقت کے ساتھ میری اور فیض کی دوستی بڑھتی گئی۔

جس زمانے میں فیض صاحب لاہور آؤش کوٹل کے ڈائریکٹر تھے "جنس" نشر۔ اسے وہاں مرحوم نے ایک روز مجھ سے فرمایا کہ اگر صدر ملکیت اس ادارے کی دولت دولت کر لیں تو ان میں سے کس کے کام میں خود بخود نہ لگاؤں اور جو جائیداد صدر کو بخائی رہی تھے ان کی گورنر کا پارٹ نے خود آئے سے صاف انکار کر دیا۔ انہیں نہنے کی کوٹش کرنے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ان کے پاس مطالبہ پکس کا ایک ہی گراوی طرز چٹا تھا۔ ادب صاحب

نہت "صاف" شامی اور ادب کے حوالے سے نہیں سمجھ سکتی کی یاد پر پھولوں کی پاور چھاتہ ان شبیوں کے باہر کی کالج ہے "میرے پاس تو خط ان کے ساتھ نواز مئی کی چند یادوں کا سرمایہ ہے۔ میری اس چار مئی کو تو کسی گوری دہاتی کا ہوج حاصل تھا "نہم پکس" کا نام طالی کا۔ میرا ان کے ساتھ انکار ہو تھا کہ میں ان کی دل سے عزت کرتا تھا اور دھرم سے ساتھ مروت سے کام لیتے تھے۔ اس نے نام سے دھوکا آنا تھا 1939ء میں میرا تھا "جو" پر سے پکس پکس رہا اس بجلی ہی برقی Current کی طرح قائم۔ پاور پاور میں لگی کر لے سے چھاتہ انکار ہوتی ہے۔ انہیں اس سے بھلا بھی نہیں گئے۔

1939ء میں جب میں گورنٹ کالج لاہور سے ایچ۔ اے کا امتحان دے کر فارغ ہوا تو میرے استاد پروفیسر انکسن نے کہا "کیئر فز کالج میں انگریزی کی ایک Leave Vacancy سوز ہے۔ میں نے پہل سے بات کر لی ہے تم فوراً جا کر اپنی job کرو۔"

میں خوش خوشی سر انکسن کے ٹل کیئر فز کالج پہنچا "تو ہمارے کے میں مطابق مرحضات ہی اگلے چلے۔ ایک کلاس روم میں داخل ہوتے ہی اس زمانے کی مساجدوں نے لکھی خبر سہاوی کی" اور چاک کے گڑوں کو سگ پچھنے کو کھینچ لی گئیں اور کافے گلوں کی لکھی بچھاؤ کی کہ میں کلاس روم



FAIZ AHMED FAIZ

FAIZ AHMED FAIZ



FIRST DAY OF ISSUE

فعلی صاحب کے لئے پاکستان پوسٹ آفس کاغذی تھیں۔ یہ کاغذی ایک طرف سے

فعلی صاحب اس کتب کو ساتھ لے کر چلے گئے۔
پنا کا ایک تک جیسی ہر گئے اور تھیں س سے ہو کر
وفاقیوں کو چاہیے دانشوروں اور ماہرین کاغذی سے
چاہے کیا ہے کیا ہے سات ماہ بعد جب ان کی رپورٹ
مغرب پر کر وزارت تعلیم میں پہنچی تو صدر ایب کی
حکومت کو چاہیے کیا ہے پنا سے ہوئے تھے۔ کسی کا کا
ہوئے تھا کہ اس رپورٹ پر فوراً کر سکتے تھے۔
محکمہ کرانہ اس کے بعد پہلی ایک حکومت نوئی۔ ہر
شرقی پاکستان نوئی۔ ہر دوسری حکومت نوئی۔ ہر
تیسری حکومت نوئی۔ ہر چوتھی حکومت نوئی۔ ہر
پنجمی حکومت نوئی۔ ہر چھٹی حکومت نوئی۔ ہر
ساتھی حکومت نوئی۔ ہر آٹھی حکومت نوئی۔ ہر
نواں حکومت نوئی۔ ہر دسویں حکومت نوئی۔ ہر

کاغذی مندرجہ ذیل جس میں اس وقت کے پاکستان
کے دہائیوں میں سے یہاں کاغذی کے لئے کہوں
تھیں اور ان کے لئے کہوں نے ہر
فرقہ کی تھی کاغذی نے ایک
Committee on Art and Culture
کاغذی جس کے لئے فیض احمد فیض منظور ہوئے۔
اسی روز کاغذی فیض صاحب کے لئے کہوں چھا
کہ تم نے کتب کو اس کے لئے تھیں کہوں
Clearance لے لیا ہے یا نہیں؟
میں نے جواب دیا کہ اگر میں چھٹی
Clearance حاصل کرنے کی کوشش کرے تو کیا
فعلی صاحب کتب کو اپنی ہے لے لیا ہے۔
میرا کہنا وہ دوسرے تھا۔ میری فوری بہت
جواب تھی تو ضرور ہوئی تھیں کتب کو کسی نے لے لیا۔

جس میں فیض صاحب کی خدمت میں ہر ماہ
سے فرقہ کی مالی بحری اور منظم کاغذی
Discent in Art and Literature
کا۔
ہم کہ "میں نہ توں کتب" کی اس فرقہ
کے بعد ان کی کتب تھیں چھٹی کہوں
سے ہم نہ لیا کہ یہ فرقہ تھیں
اس فرقہ میں بات چیت کے لئے فیض
صاحب نے کتب چھٹی کہوں تھیں
ہر کے لئے کہوں ان کے لئے کہوں
یہ وہاں کتب تھیں ہر کے لئے کہوں
چھٹی کہوں 1968ء میں میں نے یہ کاغذی
ان کو دیا کہ وہ اپنے اس کی کتب چھٹی کہوں
میں کے لئے کہوں ان کے لئے کہوں

1972ء میں جب Pakistan

National Council of the Arts کا قیام عمل میں آیا تھا، فیصل صاحب نے مختصر میں کے طور پر اس کی سربراہی قبول کر لی۔ مغربی سرخ چھتے کے Rules of Business کے مطابق بعض معاملات میں اس ادارے کی فائیکس جنٹری حاصل کرنے کے لیے وزارت تعلیم میں آیا کرتی تھیں۔ ایک روز فیصل صاحب نے مجھے فون کیا کہ بہت ساری فائیکس مل رہی ہیں۔ میں انھیں لے کر گیارہ بجے پاس کمرہ منتقل ہوا؟

فیصل صاحب کے حوالے سے یہ بات سن کر مجھے بے حد حیرت محسوس ہوئی۔ میں نے سوچا کہ میرے جیسے ۱۹۹۰ دہکے کے چور کھنڈ تویر حکومت کو بڑبڑانے میں حکومت کے بھانڈے ہی رچے ہیں لیکن فیصل تو نہ جانتے تھے میری عمر کے لیے ایک ہی فیصل ہے۔ چنانچہ میں نے انکی انھیں فائیکس لے کر اپنے پاس آنے کا سوچ نہ دیا۔ میں جانتا تھا خود اس کی خدمت میں حاضر ہونا رہتا تھا اور میں جانتی ہوں جو جو احکام صادر فرماتا، چاہتے تھے ان پر بلا چن دینا اور حوالہ کرنا تھا۔ میرے اس طریق کار کی وجہ سے یہ طاقت بڑھ ہوئی کہ مشنری کا اس بارے پر کوئی کنٹرول ہوتی نہ رہا۔ ایک دو تک چڑھتے دیکھنا دیکھنا میرے اس عمل پر Negligence اور Inefficiency کی بجائی بھی لڑائی میں اس کو بہت قوی دہانے لگی کہ تھوڑا اور اسے اپنے لیے ایک تھوڑی سی جگہ تھیں۔

ایک بار مجھے فیصل صاحب کے ساتھ ایک جگہ میں یہ ٹھکانا کی منزل کار ٹرنس میں شریک ہونے کے لیے نوردیہا جاتے کا موقع نصیب ہوا۔ وہاں ہم نے میزبان ہوئی میں جانتے کہ اسے ساتھ ساتھ تھے۔ ان دنوں وہ "پیغام شرقی" کا مضمون ادھر تیار کر رہے تھے۔ صوفیہ تھے۔ نوردیہا میں جاپانی کے ایک خاص مرد وہاں ٹھکانا بھی رچے تھے۔ وہ فیصل صاحب کے شہر دلی

تھے اور اس کے ساتھ جنت کزرنے کا کوئی سرخ ہاتھ سے نکالتے تھے۔ ایک شام، فیصل صاحب کو اپنے گھر لے گئے۔ خوب خاطر عدالت کی اور نہ رات عدالت کے طور پر انھیں ایک انگوٹھی کا تحفہ دیا جس پر علی حروف میں اٹھ کا لفظ لکھا تھا۔ وہاں آکر فیصل صاحب نے ہم سب کو بڑے عشق سے یہ انگوٹھی دکھائی کہی نے خیر، چست کیا۔" مجھے حیرت ہے کہ نوردیہا میں ایک ٹھکانے آپ کا سلاخ تو بھرا۔"

فیصل صاحب مسکرا کر بولے: "یہ بھی ضروری تھیں۔ یہ لوگ تو یہی سوچیں گے کہ انھوں نے ایک ناز و لہیز فراز دیا ہے؟"

غریب اور سیاست پر فیصل صاحب کے ساتھ میری بھی کوئی بات نہیں ہوئی۔ مسائل میں سے ان کے ساتھ کسی موضوع پر بھی بھی کوئی طریق گفتگو ہی نہیں کی۔ ہینڈل کے مدارالفاؤرانی جگہ عدالت اور نوردیہا میں مجھے چند بار ان کی خدمت میں لگا تا کہ ان کی گفتگو کیے بیٹے کا موقع نصیب ہوا ہے۔ ماحول پر

بیشے ہوئے خاموش کشمکش کی طرح بھاہے سامنے پیچھے ہوئے سمندر کو دیکھا تو غمزدہ ہے لیکن نہ اس کی وسعت سے دلچسپیت دیکھتا ہے اور نہ اس کی گہرائی میں تنہا کرتے ہوئے سوچتا اور سوچیں گا اور دیکھتا سکا ہے۔ اس کے علاوہ فیصل صاحب سمندر کی ہیں تھے جس میں انکی دنیا بھر کا نقشہ نظر نہیں آیا۔

فیصل صاحب جیسے حسان شریف انیس مسلم افسر تھے، "علیم الفیض اور انسانیت سے غراوہ سائنسوں کی قدیم دہانوں کا جھومر ہوتے ہیں۔ ان کی ایک عجیبی بچکان ہے کہ موت کی تاریکی ان کی یاد کو ان دہان دہان سے نشان زد کرتی رہتی ہے۔ یہ دہان خوش نہیں ہے کہ ہم میں سے ان کو لے فیصل صاحب کو ان کی زندگی میں اپنی آنکھوں سے دیکھا ان کے ساتھ ملے چلے اور ہاتھ پیچتے۔

☆☆☆



فیصل اور فیصل ایک اور ٹھکانے میں لگے کا اختتام کر رہے ہیں

فیض احمد فیض



گلوشتہ ماہ جب فیض کی جڑی لڑکی سیر نے سنا گلوشتہ سے لاہور تک کے سفر کے دوران میں سادان سمیت اپنا ہمارا سونہ کس گم کر دیا تو حکیم فیض کو کچھ دنوں کی گمشدگی سے زیادہ داسوں میں بات کا خاکہ سیر بھی اپنے باپ کے نقش قدم پر جاری ہے۔ وہ روز بعد جب شیخ نے باپ کے نقش قدم پر ہادی بیٹے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ بیٹی باپ سے بہت پیچھے ہے۔ وہاں کہ فیض تانگے میں چھپے پائس کے سپاہیوں کے ہمارے نقل سے قاتلا اچھل جا رہے تھے۔ سیر نے تانگے میں لپا کو دیکھا تو لپا کھانک لاقان کی خوشی میں اس نے باپ کو دود سے پکڑا۔ اسے میں تانگی کی میں گڑا کے گلن پکھا۔ سیر نے اور ہمارے کے ساتھ اس کی سسلیوں کے مسلسل آواز میں وہی مگر فیض اپنے خیالات میں غرق تھے انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ انہیں پچھان کئے اور سے جا رہی ہیں۔ شام کو جب شیخ نے لپا کی بے غری کی کہی دھواں کو سنا تو اس نے بھرا کہنا "میں نے تو کہوں تم ہوں باپ بیٹی ایک سے اور معلوم نہیں کہاں کہہ رہے ہو۔ بھلا سچ تو میں تو ہی کیوں سے دہرے کا سورج ملے اسے دیا کو دیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ گم رہے اور پتہ نہ چلیا نہ خیالات میں دیکھنے کی؟"

حکیم فیض کی طبیعت اس حد تک تو جا ہے کہ انہیں اپنے شوہر کی غائب دہائی سے کچھ "شام واسطہ پڑا ہے کتا سوز سناٹ کرنے کے لئے سہفت

ملنے سے پہلے ان کو یان کی چھٹی پٹی میز کو بہر حال یہ یاد کرانا ہوتا ہے کہ سیر کا گانے پھر سوز خار سے نہیں ہوتی۔ اگر وہ نہ تائیں تو فیض کافی دیر تک بیٹھ رہتے رہیں گے سیر کے پتے دہی کے اور پریشانی میں پڑا سیر کے روزانے سے دہرے کی پیکر رہے۔

فیض کی سوز دار ہماری کے سطلے میں ان کے دوست انہیں اکثر پریشان کرتے رہتے ہیں مگر فیض کہتے ہیں کہ یہ اعتراضات غلط ہیں۔ اس میں شرم نہیں کہ وہ نہ سنا لکھنا زیادہ چلی گھراں کے لئے جانے اور کہنا تو مشکل ہے کہ سوز میں ہزاروں کلاہے کہ شب غم ہو گا گاڑی میں کیا فرما رہی ہے۔ ایک زمانے میں ہزاروں کی مقدار ظاہر کرنے والی سولی خواب ہو گئی اور اس زمانے میں کلاہوں کو لے دیکھا کچھ حرکت اس کی سوز رک گئی ہے اور فیض خالی چلی کو دیکھ رہے

تھے سے گلن کر اچھال کو ہاتھ ہوئے انہوں نے اپنی بیٹی کو اور بھول حکیم فیض کے دیا کو دیکھنے کی شہر کا فیض کی دہرے کا یہ مطلب یہ کہ نہیں ہے کہ

وہ تھا ناگوں۔ مجھے "فقی" کے کردار کا یہ پہلا انجیل دیکھ کر یہ کہ وہ انجیلی سے اور انجیل پرست آدمی واقع ہوئے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کی سستی زیادہ جسمانی حد تک ہے اور حقیقی فاضل ان کی مثال کیفیت سے ہے۔ انھیں کم پختہ ہونے والے کی بات ہے کہ اگر وہ کم ہیں تو آپ ان کا مشکل حل سے دیکھ سکتے ہیں۔ چند خاص موضوعات چھڑ کر باقی دسی اجتماعات میں فقی کو دیکھ کر چتر کے بہت کامیاب ہونے لگتا ہے۔ یہ سوا فقی ہر اکڑ غالب رہتا ہے۔ اور ایسے وقت میں کسی طاقت آدمی کے لئے اس گہرائی کی جرأت پہنچا دیکھیں ہے جو فقی کے کردار کا خاص حصہ ہے۔ اس وقت اگر وہ اپنے مخصوص لباس کی بجائے خود واقعہ کو کہتے ہیں تو دیکھتے ہیں انھیں کامیابی کا اور ہر فرد سے سکھانے کا اور فاضل کی نظر میں "ذاتی" آدمی نظر آئیں گے جس جو لوگ ان سے واقف ہیں ان کے سامنے ایک باطل عقائد تصور ہوگی۔ اس جسمانی سے دینی طاقت کوئی کی انتہا ہے کہ انھوں نے "پاکستان انکسٹر" کی عمارت کے ڈرائنگ میں بھی کوئی عمارت بنائی تھی لکھا بلکہ آخر وقت میں جب راز کے تمام راستے مسدود ہو جاتے تو انھیں دیکھ کر گھٹنے پر ہجڑا ہوتا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ وہ دن مرنے لگے کے بعد وہ اپنے کے موضوعات پر اپنے رچے اور کوشش میں وہ ان قسم کی عمارتوں کو نہ دے رہے تھے جن کا وہ حکم چاہتی تھی۔ فقی میں غور کر کے میرا اندازہ انگیز صلاحیت مسدود ہے۔ وہ ہر چل کام کو انسانی حد تک دیتے ہیں کہ وہ یہ کام انھوں نے کیا تھا وہ دیکھتے ہیں چاہتے ہیں اور اسے عمل کر کے دم لیں گے۔ "پاکستان انکسٹر" کے ادارے میں پیش آ رہے تھے مگر ان کی ایک کچی کی فیس کا محسوس نہ ہوا تھا کہ یہ

اور یہ داس کا کوئی حصہ جلدی میں نکلا گیا ہے۔ اصل میں انہیں اقلیت کا احترام کئے بغیر ہی زیادہ اہمال حاصل ہے اور ان کی یہ خصوصیت ان کے شعور کا اور اس کی عقلی و فاضل کی عقل پر اس میں بھی موجود ہے جن کا لاپرواہی حصہ اور ان پر ان پر بڑا کاست کرتے تھے اور آخری حصہ ساتھ ساتھ گھٹتے بھی جاتے تھے۔

فقیح کو دیکھ کر داس کے ساتھ بڑھ کر بگھے بیٹھ سمندر کے قریب کا احساس ہوتا ہے نہ پاس میں ہی رہا تھا معلوم ہے کہ گزشتہ دن دن میں وہیں رہا تھا۔ اس کی کوئی وجہ شعوری طور پر میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن اس میں سمندر کی کوئی منفیت موجود ہے تو وہ حاکم اور مروج سمندر کی نہیں ہو سکتی بلکہ اس کا خلق سمندر کے شہر اور کھن سے ہے۔ یہاں غباری کھن اس کے پیچھے خم خم کے سرور پیچھے ہوتے ہیں جن کی جڑ تک پہنچنا مشکل ہے۔ سمندر میں تو یہ اٹھتی ہیں اساطیل سے کھراقی ہیں کب لافانی ہیں مگر اس سمندر کی تلچر بگھے بھی رہا اٹھ نظر نہیں آئی۔ بظاہر یہ اس کی بڑی کج سلطنت ہوتی ہے کہ یہ غصے سے کھٹکتے سمندر کا یہ غارتے کا اس حد تک ملک حاصل ہے کہ اس کی پوری نازی رہی کے آگے میں ادلی ہوئی ہے بظاہر اس دور پر سکون اور مطمئن نظر آتا ہے۔ فقیح کو کسی سے شکرا کرنے کی پروا نہیں ہوتی اس کی کسی کی حاصل کرتے بہت آدمیوں نے دیکھا کہ اس کی کوئی آدمی کوئی کام نہ کرانے کے پاس آجائے تو وہ اس کی کسی کی بد کرنے میں جو رحمت و رحمت کرنے کو تیار نظر آئیں گے اور ان کی کوششوں سے کسی کام نہ بنے ان کی بے چینی میں اضافہ ہوا آجائے ہے۔ ایک لڑاکا عاجز اسے بیکاری کی شکایت اور حکومت کی تلاش میں آئے ہیں ان کے اندر کچھ مایوسی نہیں ہے جب فریاد بھی نکال دے اور بھی نہ کر

حاجت نہ لی اور بارہ فیصلوں کا ٹکڑا ہوا ہر حصے دینے لگے۔ یہ سلسلہ کافی عرصہ جاری رہا۔ آخر میں بعض دوستوں نے صہبان عزیز کی نسبت پر قبضہ و شہ کا کہا، کہا کہ آپ نے کہا: اگلے ٹیکہ ہے اب اس کو پیچھے ٹھک دینے چاہئیں گے۔ مگر اس دفعہ صاحبزادے صاحب نظر تھے، انے تو انہوں نے یہ خبر دھشت اثر سنائی کہ وہ دیا جائے، چاہے وہ خود بخوشی کرنے جا رہے ہیں اور آخری طاقت کر کے لے آئے ہیں۔ قسم یہ ہو کہ اس اہل فتنہ کی وجہ میں زیادہ پیچھے نہیں تھے چنانچہ انہوں نے دفتر میں دوسرے قرضہ حاصل کر کے اس لڑکے کو امانگی خاص، رقم ملی و راستہ سمجھا دیا کہ رخصت کیا۔ ہر خیال ہے کہ خود بخوشی کرنے کا ارادہ اس کامی نہیں تھا مگر اس نکتہ سے جتنو کہ یہ خراجہ کر ادا پریشان کیا کہ انہیں کسی روز اس کی ضرورت کی پڑائی دے گی۔ وہ یاد ہے کہ اس پر بیانی میں فتنے نے کہا تھا کہی کہندے کرتے میں کوئی آئی مرنے کے ارادے سے آکر بیٹھو تو انہیں یہ معلوم ہو کہ کامی ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ اس کی آخری سانس لینے والا ہے تو سوچا: شہابی کیا مانتا ہو گی۔ غور ہوئے تو کہوں کا کیا ہوتا؟

[illegible]

الرجاء التفضل بالرد.

وہ خاتون کی کڑورپاؤں کو نظر انداز کرتے ہیں
فیض کو کوئی جانی اس دنیا میں سوجھ بوجھ ہے۔ کوئی
دوست نہ رکھیں۔ ”صاحب مطلق“ بھی گمراہ ہے تو وہ
”اے“ ”بگہ“ ”پ“ کرنے سے گرج جیسا کہی گئے۔
اگر کوئی ان سے دھوکا لگے کر جائے تو وہ اُسے فوراً
معاذ کر دیں گے اور اصل میں اسی بچ کو نہیں زندگی
کے بارے میں ان کا محنت مندانہ نظریہ نظر قرار دیتا
ہوگا۔ یہ عقلی دلف تو خرابی کا چند دوسرے نمونوں میں
بیجا ہو جائے تو دنیا کی بہت سی عقلیں آسمان اور
جائیں۔ آپ ان سے کسی کی شکایت کریں تو وہ کہیں
گئے ”چلو چلو دھڑک رہا ہوں۔“ اگر آپ جا کر ان سے
مطلق کے معاملے میں مدد طلب کریں تو وہ فوراً دعا
کرتے کو چار ہو جائیں گے۔ اور انکی والدین کے کمر
پیام نہ پکڑائے نہ ہی راضی ہوں گے۔ کہہ دے
تو خواتون کو ان کا مشورہ ہی انقدر شکاری کر لے گا جتنا
ہے اور ایسے دوستوں کو جتنا کام یا خاتون کے گھر سے
میرا تے ہیں وہ دوست بھی ضرور کریں گے۔ واصل
لیکل کو ان کو آسودہ کھینے کے چھٹی ہیں۔ اگر آپ ان
کے دوست ہیں اور اپنی مشفق کے گھر اور ان کے گھر
جائے ہیں تو آپ انہیں ہر جی دہو دہی فری دہ
ہائیں گے ان کے کان میں کہیں ”صاحب انکی کے
والد ہی شادی کے لئے نہیں“ اسے تو فوراً جواب
ہائیں گے ”ہاں جاؤں گے جیسے سامنے چلو۔“

[illegible]

لہا گیا۔ اس شخص سے بہت کم لوگ واقف ہیں کہ کئی کی زندگی کے سوا کچھ نے اپنے باطن خود کو کچھ کے لئے ہی سر کے بال کچھ خود سے ہیں۔ کچھ کے فرائض کچھ کچھ کو نام دینے پڑتے ہیں۔ جتنا چیز دے گا کچھ ہی، جب کچھ سوچے وہی کئے ہوئے ہے۔ انہیں ایک لکھا تھا، جس کا آخری فقرہ یہ تھا کہ "وہاں آپ کے وال کون رہتا ہے۔" کوئی کتاب ضرور کریں گے تو اسے علم کر کے ہم میں گئے۔ یہ سہری بات ہے کہ وہ ضرور کرنے میں اور کریں گے جب اس میں مشغول ہو جائیں گے تو پھر انہیں بتاں گا کہ ہوش نہ رہے گا۔ تمام کون کے لئے اچھے بنایا کچھ میں جتنا جتنا مشکل ہے وہ اس بات یقین کی خواہش میں ہے کہ کرنے کی ہوتی ہے۔ دوسرے سال بیٹھنے اور کھڑکے کرنے کے لئے نام کا وہ کام پھولنے پر فاضی ہوں گے۔ یہ بات پھر دہری میں معلوم ہوتی ہے کہ فاضی میں چیز کچھ نام طور سے میں سے دیر نظر آتا ہے اسے کچھ پر کرنے کا اس قدر حق کیجئے ہو سکا ہے۔ کچھ شام کو محفل پر کرنے یا کوئی خاص فی پر کرنا، کچھ یا بننے اور دوسرے کچھ کے لئے وہ سب کام پھول دیں گے۔ فاضی کا یہاں کا لئے اور انہیں پہنچے گا یہ بات ہے۔ کچھ اس میں حد سے تھوڑے کرتے انہیں شاید ہی کسی نہ دیکھا ہو اور اصل اس کا محفل میں ہی کی کئی زندگی سے ہے۔ وہ اس میں انہیں خوشی بھی ہوتی ہے۔ فاضی سے دن کے شمر سے باہر چھوڑ سکتے۔ اب دہری کی کئی مقام ہیں۔ لوگ دہری یا مہدی طور پر دہری بہت کرتے ہیں۔ کچھ فاضی کے جب دہری کو کچھ فہری اب دہری کا نام دیا جاتا ہے۔ دہری کی عبت میں کے ضمیر و حجاب میں شامل ہے۔ آج کل کی دہری یا کونہ کا ایک جانتے ہیں کہ محفل ہے۔ دہری کی سرزمین اتنا کچھ اس میں تھوڑا ہے کہ اسے کسی فاضی

ہے، ہمیں چھوڑا گئے۔ گمراہی کے آخر میں ہمیں
 برطانیہ میں دیکھا گیا کہ ملکہ ادا تھا گمراہوں کی صرف
 اس لئے انکار کر دیا کہ اسے ملکہ سے باہر نہیں رہ
 سکتے۔ لہذا وہاں امرتسر میں ان کی زندگی کا بڑا حصہ گزارا
 ہے اور یہ وہاں شہزادی انیسویں صدی کے روایات دیکھتے
 ہیں۔ لیکن یہ ان دونوں شہزادوں کی تمام روایات کی
 گہری مصاب ہے۔ اب بھی اور رات بھر جاتے ہوئے
 کرتے ہیں اور کرتے ہیں اور آواز گہری کرنے پر تیار
 رہتے ہیں اور ان گہری کی کڑواہٹ کو تو خیر وہ
 عام طور پر رات بھر گہری رہتے ہیں۔ لیکن یہ
 کرتے ہیں اور گہری رہتے ہیں اور گہری رہتے ہیں
 طغیانی میں بہت سے ہوتے ہیں۔ ان پرانی کہانوں کا ذکر
 کرنے پر لیکن آواز وہ جاتے ہیں اور گہری بہت
 شہت سے یاد کرتے ہیں لیکن لیکن پرانی کہانوں کا مرقعہ
 نہیں کرتے اور اگر کرتے ہیں تو آواز میں ہوتے ہیں
 پانچ تھے، انوں بھی کہ اس میں شہزادے کی لیتے ہیں
 لیکن اپنے دل کے ساتھ سے لیکن جب بھی لیتے ہیں
 کا کافی انوں کا مرقعہ ہے، قصہ کا مرقعہ پانچ
 سامنے دکھا ہے، یہ بات بڑی عجیب ہے کہ لیکن میں
 عموماً کرتے ہیں اور ملکہ کا ہے پانچ سوچ رہا ہے
 کے پانچ سوچ رہا ہے، لیکن یہ بات ہے
 میں، یہ بات کا ان کا مرقعہ ہے۔ لیکن اگر اس پر پہلے
 میں آواز ہے تو خیر ان کی زندگی کے پانچ سوچ رہا ہے
 کرنے میں گزارتی۔ لیکن یہ سوچ رہا ہے اور لیکن
 کے اپنے قصہ کا نتیجہ ہے کہ کہانوں نے ساری
 خیالات اور ساری پانچ سوچ رہا ہے، لیکن یہ
 ہے، ان کا مرقعہ کا **Spiritual**
Suffering کی دنیا ہے، لیکن کے پانچ سوچ رہا ہے
 میں اور زندگی اور لیکن کی گہری میں لیکن دیکھتے

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

(یہ مضمون فیض صاحب کی 90 ویں سالگرہ کی تحریب میں آرٹس کونسل آف پاکستان 'کراچی' میں 25 مارچ 2001ء کو پڑھا گیا۔ اس کا دفتر حصارِ مضمون، مشعل ہے جو 'فیض' میں شائع ہوا۔) 12 فروری 1992ء کو پڑھا گیا تھا۔ اس میں اس توحید مضمون کے چند اقتباسات آگے مثال ہیں جو اور مرکز لندن میں 23 نومبر 1994ء کو پڑھا گیا تھا۔)

مردمِ اکابر میں کی یاد میں تحریب اور خاص آگے مثالوں اور یاد ہیں۔ اس لیے کہ وہ جنگِ محسوس میں امداد و تحفہ تھے اور مضمون میں شامساں کا سچا ہے فرضِ خالص، یہ فرضِ اقرار ہوتی ہیں۔ جہاں تک اقتدار کے زعموں کا تعلق ہے کوئی مینڈیٹ نہیں پڑتا جب فن کی کئی کتابوں کی رسمِ اجرائی کی تین چار تقریریں نہ ہوتی ہیں۔ وہ تین کھٹے میں صاحبِ ایمان اور صاحبِ کتاب یعنی صاحبِ شام کی تھی اور بھی سہل و آسہل تحریب کی ہوتی ہے وہ اسے مہربانہ فہمی میں دیکھنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ یہ جیسے بادشہ ہے وہ مضبوط اور پائیدار ہے۔ اس کے لیے اگلا جھوٹ ہوا گیا ہے کہ مضمون بہت تو بھیجی کی رسم پر کر گئی ہوئی ایسا لگتا ہے کہ اس کے لیے سب کچھ آگے نکلتے گئے تھے اور اس لیے اس نے جواب دیا کہ میں نے ہمارے دین انہی کی ہیں۔ اس لیے کہ سب سے زیادہ جھوٹ انہی کی کہتے تھے وہ پڑھتا ہے۔

وہ ایک تازہ قصہ ہی تحریب کے ساتھ یہ بات میں تحریب میں لکھ کر تے ہوں یہ مہر واحیو کی کہتے ہیں کہ پڑھیں اس لیے کہ اس طرح کی شاموں میں اس طرح جلیبِ قہقہ کی خاطر بھونٹے ہوئے لکھ کر اس کی فرصت میں ہر نام بھی کہیں نہ کہیں ضرور آئے گا۔

ایک مختصر واقعے کے بعد میرا کہانی فیض صاحب کی تین فی صد اور خیال انگیز شخصوں پر مبنی اپنی کوریج کرانی کے سحر کی کلاک کا مظاہرہ کریں گی۔ ایسے کارخانہ دار اور اس کی فہمی میں وہی فرق ہے جو تھا پھر نہ جلتے ہوئے ہوئے میں جاتا ہے یہ پڑھ کر کہ مضمون کی ادراحت 'ایک اور جگہ' کے فرہنگ اور مختصر قرائن میں پڑا ہوا ہے۔ ایسے فہمی سے پہلے تقریر کرنے میں قیامت ہے کہ سامعین ہر بار گزری دیکھتے ہیں ہندو میں کہتے ہیں کہ فہمی اس کے سے تھان ہو کر اصل پر نہ گم ہوا ہے۔ ہلا اس کے بعد تقریر کا قہقہ ہی ہے جیسے نہایت لذت اور بڑھاپہ اور میں مہاروں کو اس کی کلام کے لیے بعد آپ مٹی کی پیلوں میں ستویں کہ کر چلی گئی کہ تقریر نے ہاتھ ہاتھ گھوم دیا ہے اسے خاص سے بھونٹے اور پچے ہیں

اسی مددگار کی تحریب کو حصار میں Curtains-raiser کہا جاسکتا ہے کہ اس پر اس کی فرضیہ واقعہ ہے ہوتی ہے کہ جب تک اصل سے ڈا

کھیل شروع نہ ہوا تاہم کئی کئی باطل غیر متعلق جگہ چھلکے آئیں گے بھایا جائے اس ترکیب سے کچھ انکڑوں کو اطمینان سے دیکھ لو وہ لاگتی مہر پڑھانے اور ایک آپ سے سادہ کو سادہ اور سادہ کو سادہ کرنے کی مہلت مل جاتی ہے اسی طرح انگریزوں کو اپنے فکر کے قہقہ کا فرق اور فرق کو قہقہ جاننے کے لیے حیرت و حیرت مل جاتا ہے۔ اس جگہ بکھار، کھٹ بھی یک جہاں ہے۔

فہمی ہمارے پاس انڈیا میں دیکھو وہ صاحبِ فہمی ہے۔ ہمارے conditioning بکھار دیتی ہے کہ جس کا سچا اصل میں فہمی لطف و اہتمام کا فہمی دامت ہی فہمی ہے اس میں فہمی انہی کی حالت فکر آتی ہے 'فہمی' مہر دہانی فہمی کی فہمی اور سولی پر ہر دور میں فکر کرنے سے ہیں

بعد سلاطینِ ہندو کی سرکار کی فہمی جنہیں ہندو کی دامت زیادہ سے زیادہ ان کا فہمی کر چکی تھی کہ

بعد سلاطینِ ہندو، ہابی دہار کی فہمی ہادی تھوڑے عرصے سے ایامِ ہندی میں 'شریعت' گھراؤں میں سہ کے ڈاک کے ساتھ کی اور کا اٹھ دیکھنے کی مہلت مل گئی تھی۔ دیتا تھا میں ایک پچھلی شہرت چھپ کر پچھلی کا فہمی بکھار دیتی ہے ہادی میں ہادی فہمی سے اس زمانے میں شہرت کی فہمی فہمت کے ساتھ مضمون پر گزرنے کے معیار ہادی اور

یہ توجہ دینا ہے۔ تو میں عرض یہ کہ یہ سچا ہے۔ پہلے وہ زندہ تاج اپنی زندگی میں دیکھا اس کی راحت مراد ہر ایک دل پر چلی تھی۔ اس پر دیکھ کر اہم کام چلا جانے نے ہماری سنتوں کی خوشی میں کیا تھا۔ سوئی نامی ایک باکمال طوائف کا قصہ ہے۔ اپنے چلنے چڑھنے چنگ کی چادر ڈال کر دیکھا۔ جس پر دیکھ کر تاج اپنا دامن اس سے بچا کر نکلا۔ وہ بھی دیکھنے سے خوش ہو کر جہاں سے ملے سے گزرا نہ دے گا۔ چنانچہ ایک مدت تک قصہ کے نام سے وہ دن میں ایک گلی گھومیں جاتی تھی۔ بعد میں وہ فضا چنگ کی چادر اور پٹا اور کچہر کی کاپیت طاری ہونے لگی۔ وہ تو خدا بھلا کرے جیسے صدیقی اور شیمالی کی کائناتوں کے بے ضرر قصہ دیکھ کر یہ خوف دل سے نکلا اور طاریاؤں کو۔ جیسے کہ آپ نے ہماری باتوں سے خود بھاپ بھارہ گا۔

شیمال کی باتوں سے ٹھیکہ اور موسیقیاتی قصہ میں ذرا مانی *situation* اور گھومنے کی فضا مانا ادا سے تشکیل پانچ کر رہی ہیں۔ مطلب یہ کہ انہیں "رقصانے" کا ہر جاتی ہیں۔ ایک ایجنٹ ملاقات اور جہت پسند کو راج کر فری طرح اس دور سے واقف ہیں کہ قصہ اس سماعت بجا ہے جس اپنے فضا عروج پر پہنچتا ہے جب دقت نظر آتی ہے وہ جاتے اور صرف دھن نظر آئے۔ آگے آگے دھن کرے اور باتوں سے خوشی آئے۔ قصہ خود بھارتی نظم ہو یا کھٹک "مٹی پوری ہو یا آڑی" اس میں خیال اور جہت ہے کہ اگلیاں گھومیں اور ڈوں اور ہاتھوں کی جھنجھ اور چورے کے آثار چھاؤں سے کیا جاتا ہے۔ اور جی کھانگی اگلاؤں کہ رکھاؤں اور کھاناں شیمالے اپنا ہوا رہتا ہے۔

جس قسم کے اس دور میں فضا کے اسرار آج کل ڈی ڈی وی اور اس جی جی دوسری نظریہ کو نظر پر رکھنا ہے چارے ہیں انہیں میں قسم کا صرف ایک حصہ

استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر جہت پسند ہوا کی خواہش کا اظہار دھان میں سے گھر گھر سے کہ صرف کہیں کے دور پر کیا جاتا ہے۔ ہم تو انہیں سے ملنے کے لئے گھٹے آئے تھے کہ کوئلے صرف جیسے چٹانوں کو گھٹنے سے ہڈ دیکھ کر اسکی میں بد گوارے کے لیے ڈالنے لگے ہیں۔ یہ تو اب دیکھا کہ چہری *emotional range* یعنی جذبات کی ساری سرگم کلہوں سے اس طرح رگڑا کی جاتی ہے کہ کیا جاتا تھا دل کی چہری ہی چل جاتی ہے۔ گھٹے دکھانے اور دکھانے لگنے یعنی *hip-swinging* اور *wiggling* کو خوب لپیٹ کا وجہ دینے کا کرناٹ ان کو نظر نہ جاتا ہے۔

یہ سب اپنی جگہ انگریزوں کے ہاں طرہ اور مراد مراد اور دیکھ کہتے ہیں کہ ان دنوں میں اسے لوگ ٹاٹری دیکھتے "اسکی بے حیائی اور اس قدر سحر کشانی اور مرقاتی ہوتی ہے کہ ہاتھ پک چھینے کوئی نہیں چاہتا۔ کچھ طارح اس کا بھی صاحب نظر ہیں کہ یہ نہیں؟

جہانگ اور ایسے دامن میں فرق یہ کہ جہانگ میں ایک *rhythm* "آہنگ" لہجہ اور صحن تشکیل ہوتا ہے۔ جہانگ کے کچھ قاعدے اور ضابطے بھی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے باتوں میں جہانگ کرنے وقت کم از کم فکر پر پختہ ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ذی ذی دالے اور سر میں چلی اور پٹاڑی کی جگہ چارہ گھر سے گئی کہ کی دھکی سے ہماری چلی اور اداؤں کی آواز میں اس طرح کی جاتی ہے کہ کوئی پوچھے کہ کیا ہے تو چہاٹے نہ جتے۔ غالب نے خانا کی حق پرستی کے لیے کہا تھا

ہفت اس چارہ گھر کیلئے کی قسمت غالب
مے پر دہا پتے والے سودا کی اب جلی خفا
تک نہ بھٹکے گئے ہیں؟

جوش صاحب کا یہ عنوان بہ تو ضرب اصل کا
توجہ اختیار کر چکا ہے کہ قصہ اصحاب کی شاعری ہے
مرزا کو یہ قول اپنا پند آیا کہ کوئلہ فراتے ہیں شاعری
اور ان کا قصہ طارح اس ہا

لیکھ لکھتے ہو بھی خیال آیا کہ "قصہ" عربی لفظ ہے۔ ذرا غلط ہے اس کے معنی تو کہیں۔ بعض اوقات غلط دیکھنے سے بھی کوئی پاشوٹ یا غلوں ہاتھ لگ جاتا ہے جس کی وہ "قصہ" سے "صرف غلط" مراد کرنے اور اس کے خوف چڑھنے والے ہی دے چکے ہیں۔ چاہتا ہوں کہ آپ بھی ہماری حیرت اور فرحت بکھانا میں شریک ہوں۔ اس قصہ کے دو معنی لگے۔ پہلے تو وہی جس سے میں غلط دیکھنے سے پہلے بھی دھنک تھا اپنی تاج۔ دوسرے معنی طارح ہوں تو جہاں چاہتا ہوں "گھونٹ" کی اچھلتے اور کھاتے ہوتے دور۔ "گھونٹ" قصہ شریخ کو نظر نہ لگے۔

حیرت ہوتی ہے کہ جس صاحب ہندو گارے نے یہ لفظ تاج پاشی کیا اس نے ہندو میں دیکھ کر ذی ذی دالے کی *pop* اور قصہ کی انکی *realistic* تصویر لکھا کہ دیکھ کی کہ جس قدر غلط میں کریں "کم" ہے۔

یعنی صاحب سے ہماری پہلی یا قاعدہ وقایع انہیں میں خود ہی باہر ملی صاحب اور مرزا ہندو گارے کے یہاں ہوئی۔ یہ وہی باہر صاحب جیسے شخص سے ایک مشہور لپیٹ منسوب ہے۔ ایک دفعہ کے اس شخص نے "ہر جہت پسند" کے دفتر کے سامنے بکھوے اور لوگ عزت تاج کے خلاف "سبب" ہاں کا بچہ "اسب" خاں کا بچہ "کے فرستے گارے" تھے۔ وزیر موصوف نے باہر صاحب سے پوچھ "یہ لوگ کیوں خود کا" مے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا "سر ہماری کچھ کھلی کے بارے میں دیکھا کر ہے ہیں" لیکن ابھی طرح باہر نہیں کہ باہر صاحب نے عقل صاحب سے میرا

خداوند کریم! انھیں۔ فقیہ صاحب اس وقت صبح
موصول ہوا کہ مانتیں میں گھرے بیٹھے تھے۔ میں بھی
صبح موصول ہوا کہ مانتیں بیٹھا حرسے حرسے کی
باتوں سے معلق ہوتا رہا۔ فقیہ صاحب ان باتوں
جدا فطری کی زندگی گزار رہے تھے۔ اور اس وقت
سویرہ صوبہ سے حالی بہ بہت ہوا تھا اور ٹھکانے پتھر کر
رہے تھے۔ جس میں گئی اور کھڑا ٹھکانے نہ تھا۔ ہوا
نیالہ ہے کہ مانتیں حاضر ہوا پتھر کرتے وقت جو فقیہ
اپنے ہاتھ پر پتھر اور گالی پر قافہ رکھ کر قافہ قافہ
ہے یا پھر وہ غواہی حالات حاضرہ کا قہر دار ہے۔
ایک صاحب جس کی آواز لکھی گئی تھی کہ کوئی پاس سے
گھڑی میں سے ڈنگ غورہ کھل نکال دیا ہوا، دیکھے
دیکھے سے اعلان فرما رہے تھے کہ پاکستان بنے
ڈاکٹر دور سے گرد رہا ہے۔ میں یہ پتھر دیکھا ہوں تو اس
سوچ میں چڑھا ہوں کہ جب سے پاکستان معرفی
ہوا میں آیا ہے کوئی ایسا نہیں کرنا کہ کسی دیکھی
لیڈر نے یہ بات لکھی ہو کہ پاکستان بنے ڈاکٹر
دور سے گرد رہا ہے اصحاب دیکھی ڈاکٹر ہے کہ 45
سال سے بدستور چلی آ رہی ہے یہ تو بڑی مضبوط
ساخت کی ڈاکٹر معلوم ہوتی ہے!

دوسرے دن علی گنج موزن کر ای فکھار عارف کا
فون آیا کہ فقیہ صاحب آپ کے یہاں آج کسی حالت آنا
چاہتے ہیں۔ ہوا ہے کہ آپ کے ہاتھ کے ہوا نہیں
نے مجھ سے پوچھا کہ وہ صاحب جوانی جگر کے دامن
میں نہ ڈالے! گم گم بیٹھے تھے وہ کہن تھے؟ میں نے
انھیں بتا دیا کہ یہ تو فقیہ صاحب کا دل پوزور ہوا
ہے کہ وہ بہت شرمیلے بندہ سے آدمی ہیں۔ جب تک
داخلی تھیں سو جاشریخ نہ ہوں! گھسے نہیں! فقیہ
صاحب کہتے تھے تم نے خرافات کیوں نہ کر کیا؟ میں
نے کہا! فقیہ صاحب میں تو سوچ بھی نہیں سکتا کہ
باقی صاحب آپ سے بھی نہیں تھے۔ کہتے تھے ہیں؟

کہو یہاں ہی سہل ہے۔ کچھ یاد رکھو۔ بڑی خاموش
ہے۔ بچا بھی کچھ نہ ہوا۔

میں نے فکھار عارف سے کہا! فقیہ صاحب
سے عرض کر دیجئے کہ آج شام ہمارا غورہ حاضر ہو
ہو کر اپنے ننگے کا خرافات کر دے گا۔ ہاتھ
دارت دی سورج غاکی مابعدی لہذا ہوا کا کادرات
کہ وہ جوں بادیہ صاحب اور کے پتھر کی مکمل بشمار
سے جو انھیں کھڑت یاد بھی مشکل آکر گاتے ہیں۔
فرماتے ہیں "میں مکمل شعر کہنے کے لیے بڑی لہذا
اور تانیہ ایجاد کر رہا ہے جو ایسے ویسے شعر کا کام
نہیں۔ اور وہ غواہی میں ایک خرافات ہے کہ گھبرا آئی
ہے سے صاحب شعر نکال سکتا ہے۔ اس کا سبب دیکھ
قافیے کی جڑا کیا ہیں۔ یہ قول ہے بڑی عالم
صاحب اپنے ہاتھ ہوں کہ کچھ بھی سمجھتی
قول کا گلی فوجیاں کیسے کیسے
تمام کا عارف ہوتی تو فقیہ صاحب غورہ گزار
اسے گلاب تھے کہ لہذا کچھ اپنے آپ سے شرم آئے
گئے۔ کچھ یہاں غرض ہوا کہ وہ غورہ ان کتابی پر بھی
تصور دار غورہ رہے ہیں کہ میری اور ان کی طاقت
چندہ میں سال پہلے کیوں نہ ہو! فقیہ صاحب کے
اس انکار اور ضمنی اغماض سے میں اس لیے ہر بھی
حکا ہوا کہ کچھ نہ جانے کیوں خیال تھا کہ انھوں نے
میری کوئی تحریر نہیں چھی۔ شہنشاہی خرافات پر انہوں
نے لکھے ہیں۔ بات صرف اتنی ہی تھی کہ وہ کچھ تھے
اور میں صاحب معمول اپنے قول میں بندہ اور جب
وہاں سمجھ رہی تھی فریبے واقع ہوں تو مزنی انھیں
مداف کے سوا کچھ ان کے لئے نہیں رہا کرے۔

اس کے بعد جب نے فوجیاں کا جیسے دیکھے
ساتھ سال سے ہاتھ ہیں۔ یہ تو بڑی تمدن میں
قہارنی طاقت۔ صاحب ایک اور یادداشت کی بھٹک
لاہور ہو۔ بلکہ کی صحیح فوجیاں کی بنا کے بھاتے

کسی اور ملک کی طرح معلوم ہوتی تھی اس لیے کہ شریعہ
سورج کی دن بعد ہوا پابلیں کا گھونٹ آنے کے
پوری آپ واتب سے چنگ رہا۔ فقیہ صاحب
میں خوبصورت مکان میں قیام تھے وہاں ہاتھ میں
ایک دان چم اور دوسرے دن کا دل انگیز اور نیم
پرشت افلاک تھا۔ اس وقت وہ بہت خوش تھے کہ آج
پوری مروجہ جگہ اور رہا ہے جسے چاکلٹی آلیٹ کی
بانی تھی۔ مگر بے ندی خوبصورت اور غراہی میں وہ
بہت عادت گھر رہے تھے۔ وہ اپنا مزہ آپ ہاتھ
کپڑے سے طورہ کرتے اور کر کے کچھ کی افلاک سے
دیکھتے۔ کسی کو اپنا فہان شیشی میں بھی نہیں دھونے
دیتے تھے۔ اس وقت وہ وہاں ایک کونٹ کی ہاتھ کر
رہے تھے وہاں ہوا فطری میں ہی کہ صاحب موصول تھا۔
دوسرا دل بند موصول اور لہذا صاحب انہوں نے غم
حالی تھی۔ اس کا کہ وہ بڑی تحصیل اور ملک سے کرتے
تھے۔ میں موصول عارف کے ساتھ فکھار عارف میں ہر بھی
انصاف کرنے کے بعد صاحب جاکر صاحب کرتے
ہوئے کہا "بھئی یہ کیا ہر وقت صاحب" صاحب کرتے
رہتے ہیں آپ ایک آسمان پر کھڑے ستارہ جیسا ہوا
بہت تھرا رہا مگر ہے۔ اس پر صاحب خاندان کے کہ
"فقیہ صاحب کو اس پر بہت ضرر ہے کہ کچھ یا
سرگرمی سے جاتا ہے کہ ہوا جائے۔ سرگرمی جاتا ہے! لہذا
ہے۔ اس لیے کہ گھبرا کی نام اور تاک کی چوٹی نہیں
کچھ تو صاحب! تاکہ کہ ہر دور کے اس
قادر کے سوا کچھ ہی اس میں ہے مگر کہ کوئی کرتا
ہے کہ وہاں کے قصیدے اور آگے کی فوجیاں اب
فقیہ میں نہیں ہیں۔ تحقیق نے فقیہ کی زندگی میں
ڈاکٹر نامی ایک عارف کا سر اٹھایا ہے۔ سر غراہ
کیا! غورہ ان کے کام میں ڈاکٹر ہے۔ بھول باقی
صاحب! "چندہ داکٹر داکٹر داکٹر داکٹر داکٹر
دار۔ فقیہ صاحب آلیٹ کا کھانا کھانے میں لگاتے

تعلقات میراں کو ساسی سے بنتے رہے۔ جوں صاحب کے بار سے کسی ایک لفظ نہ کہل

بشتے کی بھر کے پاس ایک اور بھائی جن کا قصہ بہ ماہر اور فاضل پر لائق ہائی دار سے سب طرح سے سے بشتہ کر رہے تھے۔ وہ رات بھر کھین سے فوشی کر کے آتے تھے۔ سکا اپنی میریاں سے کہہ کر لی لیا ہم تو تنگ آئی ہیں۔ سو گئی۔ ہائی دانی سے بشتہ کر کے۔ انکی دانی فراہم کرنے میں چھٹاں بشتہ نہ ہوئی اس لیے کہ دانی میں جو دہرہ دانی "کرکیرہ" یا "پانی دانی" کے نام سے لٹی ہے اس میں ہر دانی خوبیاں ہر اول سے موجود ہوتی ہیں۔ ہم جس وقت چلے تو یہ سب تنگ دانی سو گئی دانی کھڑا تھا ایک چالے میں ہر دانی کو "کرکیرہ" نامی سلیٹ" سے لپڑے تھا۔ خراب ہوئی ہی نہیں "تم" کہنے لگے اور اب کسی نے بھی "کرکیرہ" کہہ سکے تھے۔

فرماتے تھے "تمہیں نس کے انھوں ہو کر آج کل نہ کرکیرہ نہیں کر دیں۔" ہم بچے کرکیرہ کرکیرہ سے فرما ان کی جگہ ہیں۔ ہائی دانی کی طرح نام سے ہائی زور مستحکم ہوتی تھیں۔ چنانچہ ہم نے اور وہ دانی پچھا

How long has she been

unemployed?

بھٹھا کر بولے ہماری قوت بند کر لیں لو گئی۔ اب ہم یہ بچے کرکیرہ سے ان کی اور قوتیں پائی دانی جواب دے بنگلہ جی رہے ہیں یہ بھی کوئی قوت ہوگی جو اہم ایک دھار سے لگی۔ فاضل صاحب نے صراحت کی کہ اپنی کی خرافات سے اداک سے ہے ہر ہم نے اہمیان کا سانس لیا۔ گردنہ سے کسی جسم میں بیوی دانی کا ذکر آیا تو کہنے لگے میرا خیال ہے کہ حضرت سوزی نے صفا کوہلو کے غیر متوجہ ہوتے کے بعد کھنڈا کر دیا ہو گا۔ وہ تنگ ہیں تھے۔ فاضل صاحب بھی خاموش بننے

رہے۔ ان کی کسی بھی بات کی تردید مشکل تھی۔ کہنے لگے میں نے ہر دینہ دانی تک کو اقبل کا یہ مصرع اس طرح سن تے صاحب نے ہر دینہ دانی

یا تو نور ۱۹۵۲ء ہو۔ یا گئے ۱۹۵۲ء کر اصل مصرع میں ہے یا نور ۱۹۵۲ء ہو۔ یا گئے ۱۹۵۲ء کر ہم نے فاضل کا شعر اس طرح تو مصرعہ دانی سے اگر چاہے گا۔ بھٹکا گتا ہے۔ اس پر انھوں نے مصرعہ اپنی فی البدیہہ کہہ دیا۔ یعنی ان فاضل دانی میں کا کہنا جس میں ہر حرف کی آواز دہرے کے چاہے تاک سے نکل رہی تھی۔ اس میں بھٹکا پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پوچھتے تھے کہیں سے بھٹکا؟ انھیں نظر نہ آیا اور وہ شعر ہر دہرہ دانی کا بھٹکا ہو چکا تھا

بھٹکا ہو رہے ہیں دانی شین کا کھڑے حادہ کہنے لگے "صاحب! ایک development یا ہے نہ زمانے کو کیا ہو گیا؟" یہ ہیں نے مر دانی بھڑا دیا اور دینی دانی سے اٹھ گئی۔ بھٹکا۔"

جی وی خبر نہ سنے کے بعد ان صاحب نے فاضل صاحب کا شعری سے متعلق چند جاہلہ دیکھ۔ فاضل صاحب کی ایک بہت ہی حسین نظم "سمیاتی" کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ نظم اچھی ہے۔ مگر تشنان بہت ہے ان میں جھٹلی اپنے صوں ہوتی ہے جیسے لہو میں مریخی بھی گئی ہے تو گئی ہی بلی جاتی ہے۔ کہ آدم ایک دانی میں تو مجھ کو بھڑا لگے "ان کا قصہ ہر حادہ فاضل صاحب چاہے کی ہانکی ایک نر لے ہی سکی کے ساتھ چلے ہوئے بولے "ہاں! گئی کی کی" اگلے دن فاضل میں دانی رہی گئی۔"

ادب ادب کی بات میں بھی میراں میراں اہل علم ایسے کر رہے ہیں ان کی خرافات وہاں تک کہ وہ صحت و دگر دگر کی ان کی فخر سے بھی جھٹکتی ہے۔ یہ

توں اپنے حوالہ دانی کی بھٹی فاضل نے ہر دانی لکھی کہ اپنے الفاظ میں سمور ہے ہیں۔ اور اپنے لکھ میں اپنی طبیعت کو کار کا سارا نہیں لگاتے ہیں۔ یہ جی خوب حلاق مسین مائی رشید اور صوفی اور فاضل اور فاضل۔ جوں قول فاضل کو اپنے بچے چھپا ہوا بھڑا آئے ہاں حرف اپنی مرضت دانی بھڑا ہے۔ حال حرف کی طرح لکھا جی چتے تھے تھے ہر تے ہیں اے

بھٹکے آئے۔ بھٹکی دانی کا پانی۔ بھٹکی آگ۔ حرف ہے کاغذہ مریج کی مانند ہر بار صوفی کا پاس دانی آجاتا ہے۔ جو حرف کی قریب اور آدوں کی آگ ہے تو چھپا گیا ہو۔ بھٹکی دانی میں نہیں اترتا۔ یہ بات نہ سنا ہے آتی ہے نہ دانی دانی۔ ہاں شاعری میں فاضل صاحب کا کہنا حال حال سے فاضل اہل حال سے ملتا ہے۔ انھوں نے اس نہ ذکر لکھا ہے سفری میں ہاں کا صرف ایک جنب ساقی اور سوزوں سے

حرف سادہ کو حیات کرے اداک رنگ فاضل صاحب کی طبیعت میں میراں فاضل برداشت اور غر دانی کو کٹ کر بھڑی گئی۔ بلکہ لکھا خدا دانی لگا تھا کہ کٹ کر کٹ کر کٹ کر کٹ کر کٹ کر گئی ہے۔ فاک ای کو کافی اور انھیں بھول کر تے تھے۔ اس کے بھی اچھے تصور ہیں۔ خط ایک تو جان نے پچھا "فاضل صاحب انکار کر تے کرتے اے دن ہو گئے۔ انکار کب آئے گا؟" انکار لایا۔ "بھٹی ی ی ی آجائے گا۔ ابھی آپ کی مر دانی کیا ہے۔" بعض ہاں دانی ہیں جو فاضل صاحب کے حوالہ اور صحت کے خلاف ہیں۔ مثلاً انھیں کہی دپے کا ذکر کرتے انھیں جانی کی خرافات کا ذکر کرتے ہوئے نہیں رہا۔ زمانے کی علامت پڑ چنے

سایا سٹک کے بارے میں سوز میں بھی کھٹکتے کرتے
 ہوئے تھیں نہ کہ کسی کی نصیحت اور نہ ہی نہیں نہ تھکتے
 تھے کوئی ان کے سامنے نہ ہوا اگر کسی کا ذکر ہوا کرتا
 تو وہ اپنا ذہن کو ان پر مرکوز کرنا سب سوچے آف کر دیتے
 تھے۔ ایک دفعہ مجھ سے "چچا" آج کل کو کھو گئے ہیں
 میں یا جنگ کے کام سے فرصت نہیں ملتی؟ میں نے کہا
 "فرصت اور فراغت تو بہت ہے۔ مگر کمال ہو گیا
 ہوں۔ چنانچہ مارا جاتا۔ مطالعہ کی حیثیت میں پڑ گیا
 ہوں۔ اور جب کسی کھیلے والے کو دیکھتے ہیں تو یاد دہا
 آنے لگتے تو ہاتھ لڑی حرا کوئی پر آ کر آیا ہے۔" میں
 بہت دیر تک طوطہ کو اسی طرح زار ہوا کرتا رہا۔ فیصل
 صاحب خاموش تھے۔ وہ بے ہوش تھے۔ ہر شفت سے میرے
 کندھے پر ہاتھ رکھ کے اسے فریپ لگے کہ ان کے
 سرگرت کی راکھ میری جالی پر کرنے لگی۔ کہنے لگے
 "بھئی! ہم کسی کی طبیعت نہیں سن سکتے۔ کسی سے کہہ
 رکھو! چچا نہیں۔ اپنے آپ کو سوا ف کر دیا کیجئے۔ خواہ
 وہ گرو توب کا کام ہے۔"

سرگرت کے ذکر پر یاد آ کر فیصل صاحب بھی
 افسانہ لے کے بھاگنے لگے۔ وہ ان کی عبادت کا یہ
 عالم تھا کہ راکھ جیسے ان کی دالی پر ہی گرتی تھی۔ کبھی
 دھوا کر کرتے نہیں دیکھا۔
 فیصل صاحب کے فطری جھوٹا کھار اور طوطہ
 برداشت کے بے شمار واقعات ہیں جن میں سے وہ
 سرسبز جان کرنا ہوں۔ ان سے آپ کو ان واقعات ہو گا کہ
 وہ کیسے کیسے مرے سے آسمان گزر جاتے تھے۔

جو کوئی کبھی برس پہلے کی بات ہے۔ سنا ہے
 کہ اپنی جین جیک کی شکل میں سنا ہو جی جی جی اپنی اپنی نہیں
 تھی۔ کوئی جیاس سنا ہو حاضرین تو ہوں گے جن میں
 سے چالیس تو خاموش تھے صبر اٹھانے والے۔
 ایک صاحب ہنگ ایک کی گیند کی طرح اٹھنا پھیل
 کر دھو رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اسے خیر سے

کسی کتاب سے لٹ کر آئے ہیں۔ چند یوں کہے
 "بھئی! دانا کیا تو مست شعر کا ہے۔ کتاب کی زبانی
 اب آپ کی ہوگی۔ دادہ! میاں ایچے رہو۔ دانا
 سے چھوٹا کچھ بڑا کیا ہے۔ چاہتے ہاں۔ جی
 خوش کر دیا۔ حضور بھر مروت لڑائے۔ طوطہ میری نہیں
 اور ہی! سبکدان! کیا تو نہیں۔ غریب سے سبقتی
 ہے اس ترغ سے صبر نہ لگا ہے۔ غریب نہیں ہو
 سکتا! ہائے! شفیق کیا ہے گویا کچھ میں سنا غریب
 دی۔" دھوا کر دم ہوا رات کے دھاتی پہے لگتے
 صاحب کی ہانسی آتی۔ کئی خوشی اور غصے کا بھیجے۔
 وہ اس شعر پر پہنچے

ان طوطے کے ذہن کو ہم سمجھ نہیں سکتے۔ کتنے خوشی دیکھنے والے
 وہ طوطے ہیں گے آگے نہیں بلکہ مٹی فیروہ کے
 تو وہ صاحب بولے "سبکدان! سبکدان! سبکدان!"
 کیا طوطے کیا طوطے ہے ادب است بل دی چہا!
 فیصل صاحب ہونے سے سسکا دینے۔ پھر انہی
 صاحب کی قربانی پر ایک اور غزل شروع کی۔ ایک
 صبر پر ان صاحب نے لکھی دھوا کی کہ ظہور دین
 کے تھوڑے تو کو سر چاٹا لایا۔ مارا مارا۔ صبر پر صبر
 وہ کوئی شاعر دوسرے شاعر کو کہ تھا شاعر اور کے
 اس طرح بار بار صبر پر صبر پر صبر پر صبر پر
 ہوتا ہے کہ اسے اس شعر میں کوئی حیرانی کلمہ نظر آ رہا
 ہے جسے وہ زبان شاعر آ رہا کہ کڑا چاہتا ہے۔ جب
 فیصل صاحب نے وہ شعر پڑھی دفعہ چارہ تو ان
 صاحب نے صبر پر جانی "استراح کرے" بکاوا بلکہ
 چاہو دی۔ فیصل صاحب نے تھوڑے سکوت کیا۔ پھر
 سسکا کر صبر پر کو اسی طرح چاہو دیا جس طرح وہ
 صاحب چاہتے تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ فیصل
 صاحب کے صبر میں تھا کوئی کلمہ نہیں تھا سنا
 شتم ہوا تو لوگوں نے ان صاحب کے پرے لے آ کر
 دینے۔

ایک مجلس میں فیصل صاحب اپنی نظم "درب" سنا
 رہے تھے۔ جس کا کٹاراجی کی انہیں اس کی بھڑائی
 غصوں میں جاتا ہے۔ مجلس میں سنا رہا یہاں طوطہ
 ایلیٹا غر سنا ہی نہ تو ہی بھی موجود تھے۔ وہ 25 سال
 سے لندن میں تعلیم اور دھات سے سر بھرا ہیں۔
 اپنی اسٹوڈنٹ جیکم کو چار میں گڈی اور
 Rottweiler کے ایک ڈاکو نام سے پکارتے
 تھے۔ ان کا روپ، نام اور سانی کے چار کی تپ تہا کر
 چاہتے تھے ہو گیا۔ میڈیکل کالج "کراچی" کھڑے ہائے
 دلیرانہ بہت خواہش اور خیال انگیز تھیں کبھی
 ہیں۔ چاہتے تھیں کہ کم کے کسی ذی ذرا سے ذاتی
 محبت نہیں کر سکتے۔ وہ بے انہوں نے اعلان کیا
 ہے کہ وہ ہم سے محبت کرتے ہیں ہم ان کو اٹھ اٹھ
 کر اپنی ہاتھیں لٹال لٹال کر سکتے ہیں کہ نہیں ہم اپنے
 ہارے میں کسی مطالعے میں تو جھکا نہیں رہے ہیں۔
 جس دن سے وہ ہم پر صبر پر ہائے ہیں انہوں نے
 زمین پر قدم نہ رکھا کیڑا دیا ہے۔ مطلب ہے کہ ان کا ہر
 قدم وہی اسرار طبیعت پر چڑتا ہے۔

بازگ حراج اپنے کہہ کر آئی "غریب شعر اور
 نیک بھی محبت کو ایک صحت بھی برداشت نہیں کر
 سکتے۔ حیرت کی ایک لڑی مجلس میں ایک انہی سار
 بزرگ شاعر اپنے استاد چلتے تھوڑے رام جی انجیل
 کا سنا سنا تھا۔ ہر شخص حیرت پر چند ہے تھے۔ انہی
 آٹھ ان شعر پر چاہے ہوں گے کہ کوئی فاضل نے
 اپنا تھا طالب علم طوطہ کڑا ہے ہو گئے اور بکلا بلکہ فرمایا
 "اب آپ بیٹے چاہئے۔ آپ کے استاد آپ سے
 بھی زیادہ جانتی تھے۔" یہ کہا ہوا راک آگے کر کے
 لڑا یکدم تیریں صبر میں چلے گئے۔

تو ہم پر کہہ رہے تھے کہ فیصل صاحب اپنی نظم
 "درب" سنا رہے تھے۔ اس نظم میں فیصل نے درپہا
 ایک ہانگے سے اڑنے سے دیکھا اور دکھایا ہے۔

اصلی سے کوئی کلمہ کا گھوڑا راج رچی مٹری ل بھی
 جاتا ہے تو اس سے مٹری لے ہوتی ہے نہ خواہ
 جلاو منصب کی جسکین ہوتی ہے۔ بخائی کی ایک شے
 ہے کہ گھوڑی چنہو اسے گدا تھا نہ دنی مانے۔ لیکن
 جب وہ گھوڑی پر چڑھتا ہے تو ہاتھ تھانید لگتا ہے۔
 محرم گھوڑی پر چڑھ کے بھی گھوڑی ہی کہتے ہیں۔

تکلیف خاصی کا کہنا ہے۔
 اس کا نظروں کی غلامی ہم چھپے مڑ کر دیکھتے
 ہیں تو عقل اس قیلے کے آنکھ کا ہر خطرہ ہے جس میں
 کا اصل موضوع 'اول' کا آخر انسان کا دکھ اور اس کا
 نہ اور ہا ہے۔ لیکن اسے یہ بھی واضح کرنا کہ ہر گھوڑی
 ان ہی طبیعت کا پیدا کر دے نہیں ہے۔ زندگی کا الہ ہے

ارہال بھی نہیں ہے جس کا کاہنا مارا جاتا ہے۔
 تیری دچا آقا ارہال کی نہیں 'قرہ ارہال کی ہادی
 ہوتی ہے۔
 عقل صاحب کی نظریاتی با عقلی کہہ گئی رہی ہو
 ان کی شخصیت اور شاعری ہر تازہ اور منصب سے
 با تر رہی ہے۔ شاید ہی کوئی شاعر اپنی زندگی میں اس



یعنی وہ گھوڑی جس پر تھا نہ ہر چڑھتا ہے امیڈا ہو یا
 اوچس 'شاعروں اور دانشوروں کی دنیا' ہر دور میں
 اور اب ہندو کے کچے گھوڑوں کی کی گھوڑی جن
 کے ایجاب و قبول کا عالم نہیں جس کی Molly
 Bloom کی ہر تازہ خبر کی یاد دلانے ہے
 "He asked me with his eyes,
 and " with his hands, yes and I
 said, Yes, I will, Yes"
 خواتین 'صورت' یہ تحلیل ٹیسی کا مسئلہ نہیں

ہے کہ انسان کے سامنے دکھ کا وہ "شر پتھر" غور
 انسان ہی ہے۔ لیکن اسی سے کچھ اس بھی بڑھتی
 ہے۔ اسی لیے کہ غرض قابلِ علاج اور غم دہلی
 تو اس کے طور پر ہے

جرا اسب بھی ہے کہ لیجی طلب خواب ہو گا
 بھی سے اٹنے کا غم کھڑا بھی ہے اور خواب ہو گا
 تھیری انا کے دکھ اور اس کے اسباب عقلی
 پر تھیں کی بڑی گری گھڑی۔ تھیری دیا کا اصل دکھ
 بلکہ افسانہ اور تھیں ہے۔ تھیری انا کا دکھ

طرح ہوا اور ہر ادا کا اس طرح عقل صاحب مڑ کر
 تو چاہتا ہے وہ کہتے ہیں جنہوں نے اپنی زندگی میں
 نصف صدی سے زیادہ انجمن میں رہا ہے پر یہاں دنیا
 دہاؤں اور اپنی شخصیت اور عقیدہ میں تبدیلی ہوں ساتھ ہی
 ساتھ عقلی تھیں اور اور عقل میں بھی فراہم ہے۔
 قید و بند کی صورتیں بھی ہیں۔ سرکاری زندگی کے
 ادارے ان پر بند کئے گئے۔ جہاں اپنی اختیار کی
 محبوب ہے۔ اگر کوئی کاروبار لی گئی تو اس کی
 طبیعت اس دھنپے سے۔ یہ زندگی جہاں حضرت کلام

فیض اور زنداں

عاماً مجھے مرحوم میجر جنرل محمد اکبر خان کا مرحوم صحت ہونا چاہئے کہ ان کی مہمانیت سے مجھے اردو شاعری کے ایک شہنشاہ فیض احمد فیض سے شہساز ملی ہوئی اور جدید آدابِ سخن میں سداسہا میری نگاہوں نے ان کی سمیت افرادِ تجربہ بھی حاصل ہوئے۔ غالب طبعی کے زمانے میں میں نے فیض صاحب کو صرف ایک ادبی مقرر کے ایک مطالعے میں قلم چلنے دیکھا تھا۔ یہ وہ قلم تھا جو بعد میں تمام ادبی اہل میں حدودِ تحمل ہوئی جتنی کلمہ سے پہلے ہی محبت میرے لیے بے حد مانگ۔ ”قلم کی فوجیوں سے فیض نظر فیض صاحب کا چمکنے کا انداز کوئی زیادہ عراکیز نہیں تھا۔ وہ دماغی قلم اور دماغ کا سرسری اگرچہ حق کے ساتھ تھے۔ اس کے بعد میں نے فیض صاحب کو جنرل اکبر خان کے ذرا گھمبیر میں 23 فروری 1951 کو دیکھا جہاں مرحوم جنرل نے حکومتِ ہند کو دے کر اپنے چار چار چلے کیا۔ فیض صاحب سے آگلی ملاقات 3 تا 4 جون کو مسجدِ آدار ریلوے سٹیشن کے قریب ہوئی جب وہاں میں وہاں پولیس کی تحویل میں تھے۔

دوسری بگِ حکیم کے آغاز کے درمیان وہاں بہت بے امنی ہوئی تھی یہ طے کیا تھا تو فیض صاحب نے اپنی آخری میں کئی کئی کاپیاں فوج کے پبلک ریلیشنز ڈیپارٹمنٹ میں شامل ہو گئے۔ فاضل کے خلاف پوری پوری کی تم میں فیض نے

صوبہ قندھار میں اور پلٹنے کر کے کابل سے ایک پہلے۔ دوسری تا 1944 میں یہ پندرہ تا 18 برس کی عمر کو پہلے ہی فوج میں اور کینڈا میں شامل ہو گیا اور مارچ 1945 میں کئی کئی کاپیاں حاصل کیا۔ میری پہلی سنگ 16 بابا و بھنت میں ہوئی تھی میں نے پلٹنے کر کے فیض احمد فیض کو دیکھا اور اس وقت میں ہی آپ فیض فوج میں دیکھا۔ جب پاکستان دھند میں آپ فیض فوج میں کر کے نئی حکومت کے قریب مہمانیت سے سنگ ہو گئے تھے۔ ایلیٹ میں نے فوج میں میری جہاں رہی۔ فروری 1951 میں میری پہلی سنگ اکل آف سنگ رول پڑی میں تھی جب اکبر خان نے حکومت دے کر کے چار کیم کی تشکیل کیلئے (جس کی چار کیم دیکر کیا دوسری سے کر رہے تھے) اپنے گھر پر ایک سنگ لائی۔ اسی میں میں میرے دوست کلمہ اسٹیٹ کلمہ (مرحوم) نے انہیں جنرل اکبر خان کے پاس پہنچا دیے تھے۔ جنرل صاحب سے میرا احوال کراہا تھا۔ میں دیکھ کر ان کے درمیان خالے چار حاضر تھی دے چکا تھا وہاں کے ملاقات سے مستعد تھی وہ چاہا تھا۔ چار تا 23 فروری 1951 کو جنرل اکبر خان نے اپنے گھر پر غن فوجی اور شاعری لوگوں کو دیکھا کہ ان میں یہ خاکسار بھی شامل تھا۔

رول پڑی ”مقدمہ سازش“ کے مرکزی کردار میجر جنرل محمد اکبر خان ”اس وقت چیف آف جنرل تھا۔ یہ عرض کرتا تھا کہ ایک خاصے حملے

پشاور خاندان سے فیض دیکھتے تھے اور ان چار نو جوانوں میں سے ایک تھے انہیں اگر حکومت نے اس دور میں کئی کئی کیلئے منتخب کیا اور ان کی شہرہ آفاق بیٹہ برنس ملری ان کیلئے میں کئی تربیت کیلئے پشاور بیٹہ برنس سے کئی حاصل کرنے کے بعد اکبر خان کو پشاور میں داخلہ میں قبول کر کے۔ بعد میں وہاں کے کاروبار میں ان کے خلاف جنگ میں دیکھا گیا کہ ان کی حکومت نے انہیں ای ایس او (D.S.O) کے تحت سے آزاد

کیا کہ جب کہ جانتے ہیں وہاں کی حکیم کے قتل کے عرصے میں کئی کئی کاپیاں شہرہ آفاق۔ بعد میں فیض برنس کے حوالے سے پشاور اور اس کی پاکستان کی طرف سے دے دیے ہوئے پشاور قاتلوں سے ڈیکھ کر ہوئی۔ اکبر خان نے وہاں وہاں یہ کیلئے تھے پشاور قاتلوں کی کمان سپرینڈنٹ اور پولیس سے اپنے سے کئی زیادہ طاقتور، ان کی فوج کا ساتھ کر رہے۔ اسی پولیس کے وہاں اکبر خان پاکستانی فوج کے کراچی کمانڈر انچیف جنرل وگس کر کے اس کی مہمانیت دلی برداشت ہو گئے تھے جس نے انہیں صوبہ خٹا کا دہشت گردانہ نہیں کرتے دی۔ دیکھ کر جنرل اکبر خان اس وقت کے چار حکیم ملاقات ملی خان سے بھی خوف ہو گئے۔ اکبر خان خلیفہ ایوان انگریز اور انہیں پوری طبعیت کے مانگ تھے انہوں نے حکومت کو تبدیل کرنے کے منصوبے بنائے

لیست سجنایان و زندانیان محکومین در زندان مرکزی تهران

REGISTER OF

CONVICTED PRISONERS

No.	Name	Age	Height	Weight	Complexion	Hair	Eyes	Mouth	Nose
1	محمد علی	35	1.70	70	Dark	Black	Dark	Thin	Small
2	علی محمد	40	1.80	80	Light	Grey	Light	Thick	Large
3	حسن احمد	28	1.60	60	Dark	Black	Dark	Thin	Small
4	رضا حسن	32	1.75	75	Light	Grey	Light	Thick	Large
5	میرزا علی	45	1.90	90	Dark	Black	Dark	Thin	Small
6	محمد رضا	38	1.85	85	Light	Grey	Light	Thick	Large
7	علی رضا	30	1.70	70	Dark	Black	Dark	Thin	Small
8	حسن رضا	25	1.65	65	Light	Grey	Light	Thick	Large
9	میرزا حسن	42	1.80	80	Dark	Black	Dark	Thin	Small
10	محمد حسن	35	1.75	75	Light	Grey	Light	Thick	Large
11	علی حسن	28	1.60	60	Dark	Black	Dark	Thin	Small
12	حسن حسن	22	1.55	55	Light	Grey	Light	Thick	Large
13	میرزا حسن	48	1.95	95	Dark	Black	Dark	Thin	Small
14	محمد حسن	40	1.85	85	Light	Grey	Light	Thick	Large
15	علی حسن	32	1.75	75	Dark	Black	Dark	Thin	Small
16	حسن حسن	25	1.65	65	Light	Grey	Light	Thick	Large
17	میرزا حسن	45	1.90	90	Dark	Black	Dark	Thin	Small
18	محمد حسن	38	1.85	85	Light	Grey	Light	Thick	Large
19	علی حسن	30	1.70	70	Dark	Black	Dark	Thin	Small
20	حسن حسن	22	1.55	55	Light	Grey	Light	Thick	Large

ہی کی کسی شخص میں تو شاید دن بھر میں اس بارہ گزرتے
 ہو سکتا تھا۔ لیکن صاحبِ پاساں گزروں کا چارواہ یہ
 راکھ میں چل کر کے ہی دم پہنچے تھے۔ امیر ہونے
 سے پہلے ہی میں سے کڑواؤ نہ نکال سکتا۔ جڑ سے کٹی
 کٹی فصل کر لیتے تھے۔ ہم میں وہ بھی صوفی بھی تھے۔
 یہ ایک ایسے شخص تھے جنہیں قانون کہا جا سکتا تھا۔ انہیں
 بالمشیت کرلی فیضیہ الدین، یعنی کاہن کی بجائے سال ہی
 83 ہجری کی عمر میں انتقال ہوا۔ یہ حضرت سرواں کے
 دورانِ مدائن کا نام تو کسی کی واپس سامنے رکھ کر ایک
 دو کھٹے جام اٹھواتے تھے۔ پھر آرام سے رات کا کھانا
 کھاتے تھے۔ لیکن صاحبِ کائید بھی چپے دلوں میں
 ہوتا تھا۔ لیکن مرے کی بات یہ ہے کہ ربِ دو قدوس
 کے اور چپے کھینچ لی تو ان کا ہاں بھی بکا نہیں
 ہوا۔ ایک لٹھ کیلئے بھی اس بارے میں یہ بیان نہیں
 ہوا۔ ایک شخص میں نے ذکر کیا تو کہنے لگے کہ تم سے
 بدلی مطلق حق تو سبکی کر پالنے تھے نہیں مطلق حق ہی کوئی
 فرق نہیں پڑتا۔ "نیل میں پارہی امیر و ایک کے
 بے آرام سے گذر رہے تھے یہی تھیں اور فرزند
 بھی تنگی کی مدد کے بغیر تھقی کی گئیں۔ میرے
 احتدار یہ فیصل نے ایک دن کہا کہ "تاری کرنے
 کیلئے شراب کی مطلق ضرورت نہیں بلکہ چائی ہوئی وہ
 حواس آدمی بہتر کھاتا ہے۔ شراب تو عملِ نیکِ حیات
 سے مکدر کیلئے نجات حاصل کر سکا اور میرے۔"
 فیصل ابو فیکل کو رم نے نیل میں "کالی" کا
 قصص حکا کیا تھا جو ان کی خلعت کے سینے مطابق تھا۔
 وہ اس کا پہلیات سلوٹوں میں کرتے تھے۔ شجرہ کا ہوا
 لباس پہننا چاہتے تھے کہ انی ہوا منتظر آگے اور اعظم
 کھتا لیکن صاحب اس حوالے پر سختی سے قائم تھے کہ
 "سچا بچہ سو جاتا ہو اکھیاں یا اور ان سے انہوں نے
 عمر بھر اجتناب ہی کیا۔" تم اور کم نیل کے ساتھ تو وہ ان
 سطر حیات "میں بھی مثال نہیں ہوئے۔" ہاں استاد

[illegible]

یہ "آء" کا منظر متعدد بار ہماری آنکھوں کے سامنے رونما ہوا۔ جب نوبل (یا القلم) مکمل ہو جاتی تو

فیصلی صاحب باہل پر کھنکھاتے ہوئے کہتے ہیں: ”میں نے اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ گریپ سے آواز دیا کہ: ’آج ہم درختوں سے لپٹ جاتے ہیں۔‘ فیصلی صاحب اپنے لگائی ہوئی سے ہار دیا کہ: ’مکراتے ہوئے کوئی سے آواز نہ کرے گا اور سب باہل پر کود جاتے ہوں گے۔‘ ان کو گریپ سے ملے لپٹتے، ہر طرف سے بچے کہہ رہے تھے کہ: ’فرما باہل نہ ہوتی۔‘ اور ہر فیصلی ہنس دلاتا کہ: ’میں نے جیسے ہی آواز دیا کہ: ’آج ہم درختوں سے لپٹ جاتے ہیں۔‘“

”خوش ہے
یاد فرمائی جیساں اگر میں بھلا ہوں
بہ ہوا کر لو ہے کیا کہیں بھلا ہوں“
”اچھا میں دعا کرتی ہوں تاکہ“ ”ہست مہا“
”ہرگز نہیں نہ کی درجنوں خوشیوں اور کھیلوں کو کسی
تعلل سے جھٹکتی ہے۔ دیکھا اور انجمنی شری کر دیا
سے کھلی بار اقل کے جے سے اعلیٰ میں جیو کر

آئیے لکھ دیکھیں کہ کچھ۔ جب "لوست ہوا" صبح کی اور شام کی کڑواں نکل میں پھنسیں تو میں نے سوچا کیا کاس پر شام میں ہے؟ "کھلم کھلم"۔ "نول میں کھلم کھلم" کہہ کر میں نے کھلم کھلم سے نکل بار افتخار کی تو جاں لگے۔ ساتھیوں سے پوچھا کہ کچھ معلوم نہ تھا کہ کھلم کھلم جتنی جی اداک تھیں کی اور تمام دھڑوں میں کھلم کھلم کی۔ نکل میں کھلم سے پہلے کھلم ہی جس خانہ کا کام ہے جتنا کھلم کھلم کی کوئی خاص چیز تھی۔ کھلم کھلم میں بہت کھلم ہے جی لکھیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ کھلم کے ہاں وہ ان غریب (Don)

(Joan) آپ کے مراد تھے۔ خانم اس کی طامری
خود بخود چڑک چڑک کر اس کی طرف راغب کر رہی تھی۔

دستِ عشقِ فنا و فی ثور پر کھایت کی تمام طلب تھے اور
مورتوں کے پیچھے ہزاروں کی طوہت کے تھیں برعکس
تھار جی ٹامس

ہو گا کسی دیوار کے سامنے کے سنے تیر
کیا کام محبت سے اس آدم طلب کو
لیکن فیثقِ خواہش کی قحطیہ چنگ نہ کرنے
ہوں طواغی خرد ان کا بچھا کرتی تھیں اور اصل تو
بے سند و خود سے کرتی تھیں اور طاعنِ خود و مافی
انسان تو ہے کہ اس پر انکسار ہو گا تو یہ بھی اس کا
رہنما ہو گا۔ چنانچہ فیثق کی محبت مانگے نہایت عقل اور دانا
شہد تھیں بھی تو آپ نے فرمایا کہ

میر کے ہر دوق پہ دل کو نظر
تیری سر و دہ کے باب آئے
بات بگوار صاحب میں چڑی میں ڈکر کر دیا
نفا "دستِ سبا" کا جس پر "عقلم کے ہم" کے
انتساب سے فیثق کے قسم صاحبوں کو ایک مضرب
میں جھکا کر دیا کہ اس ستر صاحب یہ عقلم بی لیا کوں
ہے "فیثق صاحب نے کی دن تک لکھے اور دیگر
ایسے ہی عقلم کو ہم اور ہا کی حالت میں نکالے کہ اور
آفر ایک روز یہ مضرب کیا کہ کلام تو حاصل ان کی
زیر تحریر ماضی کا اسطی نام ہے اس پر سب مل
دل کو شہدِ باجی ہوئی اور لوگ یہ کہتے چلے گئے
کہ فیثق نے تو مزہ ہی کر کر کر دیا۔ فیثق صاحبوں کی
باجی یہ کہ کچھ عفو ہو رہے تھے اور میں کسی کر کہ
رہے تھے کہ "دیکھو کیا کلام ہے" نظر پڑی ہوئی
کے نام انتساب کرنے یا بیت لکھ جاتی ہے سب
بہ سؤل کی محبت کی تلاش میں ہیں "ہم سب فیثق
صاحب کی اس شرافت پر کی دن تک شہر کرتے
رہے۔

فیثق صاحب کا چوبیسویں سے اسیا 'نیل میں
ایک دوسرے پر پائی پچھنے کا سحر کرادو گیکر کی دلچسپ

کہہ سچا کہ یہ کہ نکلات ہو گا کسی سے حاصل کے
کے ظم کی بدلت میں نے زندگی کے حق ایام بڑا
پر لطف انداز میں گذارے۔

دلچسپ دل کا کہہ تار میں گھڑتی کا کیا گھر کچھ
دلچسپی "مختصر ماضی" کے 15 امیر میں
چہ وہ باتوں میں ایک ایک کر کے خالقِ حقیقی سے ہا
نے ہیں 'صرف یہ بندہ ناچ ہی باقی رہ گیا ہے اگل
"میں میں میری عمر 76 برس ہو چکے کی اور لکھے طہر
لوحہ میری دلچسپ ایک (Muriel Spark) کے
پر قلم چاڑھے ہیں

"70 سال کی عمر کے جو ہیں محسوس ہوتا ہے
کہ آپ کی جنگ میں مثال ہیں آپ کے نام
دوست مرچھے ہیں یا مر سہ ہیں 'اور آپ مرے
دلوں کے صفائی میدان جنگ میں کڑے قاف
دیکھتے ہیں۔"

لیکن ابھی فراموشی ایک سوس شہید
(Maurice Chevalier) "تبدل صورت
سے حاصل قابلِ توجہ ہے۔"

(I prefer old age to the alternative)
☆☆☆

نور باجنوں رنخ و فاء یہ دین پیدا کر و گے کیا
جنہیں جرمِ عشق پہ ناز تھا وہ گناہگار چلے گئے

فیض۔ مثالی ایڈیٹر

لکھنا یہ صرف لکھتے ہیں، لکھنا یہ غلاموں سے اچھا لکھوا لینے ہیں۔ لکھنا یہ کوٹھل جلا اور جانا جانتے ہیں۔ فتنی صاحب کو اسم نے تجھ میں انداز کا شہسوار پال دیا۔ آج کی ایڈیٹری کا دور اس میں ان میں نام پانے والے بہت سے حضرات سے کم تھا۔ انھیں صحافت پر ان کی چھاپہ دستخط اور کمری جانت ہوئی۔ ان کے ذہن "ان" پاکستانی پائلٹ، "اسموز" اور "ٹیکل" نامی "صحافت کے لیے اعلیٰ ادارے ہی تھے جہاں صحافت کی ایک کھیر لھوانے اپنے لیے نام کا لپکا اور غولی پر کونہ ٹیگر پر انھار دیا۔ رات رات اپنٹ پر انھیں اپنے کام" اسلوب اور طرز فکر کی ذمہ سے انکی حسی قائم کرنے میں مکہ حاصل تھا کہ ہمدردی کے دل میں تھیں کہ خیال خیر اور دی صورت پر یہ اور ہوا جاتی تھی۔

ہم نے صحافت میں تھہر کر لکھا تھا کہ فتنی چند سٹوں میں ایڈیٹر بنی اور شاہ کر دیتے ہیں۔ ایسے واقعات یہاں کئے جاتے تھے کہ ایک دن شام کو دفتر سے فون ہوا کہ آج ایڈیٹر بنی لکھنا فتنی صاحب نے کہا "اس" "اے" اور سٹوٹنگ (ڈیرٹن) کو کمرے کمرے وار یہ ڈکلیڈ کر دیا "یاہے کہ بٹرس بھاری دفتر آگے اور فتنی کو ساتھ چلنے کی دعوت دی"۔ تعویذ ہی دیں کہ سہولت دانی کہ ایک بار یہ لکھا ہوا "فورا کام مکمل کیا اور اپنے استاد کو اتھار کی زیادہ دست لکھی دی۔ انکی کہانوں سے فتنی کی بہت سوچ کر بات کہنے کی بات کا یہ نہیں پتا۔ حقیقت یہ ہے کہ

جس طرح آج کے آج میں کوئی خیال ہی نہ تھیں کہ فتنی کر شرکی صورت میں اصلاح "اسی طرح ادبی بھی زبان میں ایک پرہیز چاہئے کے بری لکھی ہوئی پر آج کا دور ادارہ پانے کے ذہن میں مختلف مطالعہ ان کا پاس حضور ان کے بارے میں خط نظر ایک دفتر کے عمل میں بھی ہوئے دیتے ہیں اور عام سہولت پر ہوا جی دار پر لکھنا صحت طلب نہیں ہوتا" فتنی کے لئے ایسے مطالعہ پر رائے دینا دوسروں کی نسبت شاید آسان نہ ہوا۔ انھیں لینا بھی ہوتا تھا کہ فتنی قریر اور لکھی ہوئی کے لکھنے لکھی ہوئی "اس بات کا گنج گوارہ" "کوشی" کے ایک ادارے کی جنمیں کے سوچ رہا تھا ایک دن سزاؤں فتنی نے کیا فتنی "کوشی" کے ادارے کے سماجی مفروضات پر غور کر رہے ہیں۔ دوسرے دن تیار کیا کہ چھ ادارت مکمل ہو گیا ہے اور تیسرے دن اصلاح کی کہ فتنی ایک اور سہ کر رہی گی۔ مسٹر صحت سے کام کرنے والے اسے سب وقت دینے لکھنا تھا کہ یہ حقیقت بات میں ان کی جہی کہ حسوں میں نہ تھیں وہ دلیہ نام اور یہ کہ لکھا جانے کہ چند دن بعد ہی وہی ہو جائے۔

فتنی نے صرف ادارے نہیں لکھے ان کے بعض نچر مطالعہ میں بیانات کی رجحانی اور زبان کا مسن ان کی جہی سے کم نہیں۔ اپنی صحافت کے آثار میں بعض خصوصی رجحان لکھیں جس کے مطلع سے ہی فتنی کی شان کا پتہ چل جاتا ہے۔ "پاکستان

بائس" میں ایک غریب اور ایک ملک تھا جس نے عامی سے اپنی زندگی کا چرچا لکھ کر ہاں دھڑ پر فتنی نے نظر میں جو مرتبہ لکھ اس میں ہاں کے ساتھ معاشرے کی پسماندگی پر غور بھی شامل تو "لکھنا" نام کے مجھے پر نظر پڑ گیا تو ہاں کی احسان فراموشی اور دہرائے کرچ پر ایک جہنم دستاورد لکھا "ظلم (Rebellion of the hanged)" کے Preview میں معاشرے دل پر گرنا اور ان کو غور ہی کہہ دیا "یعنی اس پر ہم ہی گھبراہٹ" یہ نام قریر کی گوارہ فتنی نہیں لکھنا مطالعہ کے طالب اور ان میں بحث کے ادارے ایک چارہ سماجی کے لئے قریبات کے ادارے ہی لکھتے تھے۔

انھیں خواہتے سے زیادہ اپنے ساتھیوں سے اچھا کام کرانے کی صلاحیت فتنی کی ایڈیٹری کا مکمل قور نہایت بگے استاد سے دوتا دیتے تھے کہ ان تمام کا قور اور دہرائے ہر کے اپنے فرائض کی بنا آوری میں صحت کے ساتھ حضور استقبال کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک دہرائے سے چھما کہ فتنی میں ہونے والے ایک چھٹکشی کی فتنی میں دلی مطالعہ کیا گیا کہ فتنی نے دلت نام لکھنا لکھا تھا۔ یہ مطالعہ فتنی کی نگہ پر دہرائے ہاں کا مطالعہ لکھنا ہوتا "اس کا فتنی خبر حاصل کرنا ہے اس کے لئے خود لکھنا فتنی چاہئے یا کہوں کا استقبال کرنا چاہئے۔ دلت نام کی وہ سے کسی محفل میں جا کر

فکر کا خاصہ یون کرنا، رہنمائی کے لئے قابل فکر
 نہیں۔ حالات، تعلیم کی خاصہ باتیں، پانچواں سے
 چھٹی جمعی کسی غیر معمولی طور پر صرف کسی ہی پانچواں
 جمعی ۲۰۱۲ کو کڑی صداقت پر چلتی ہے۔ ”یہاں ہر جمعی
 کہ اشد کو اپنی کسی فکر کی ترویج کرنے کی نوبت نہیں
 آتی۔ ایک سو یہ بھی جمعی کہ عقل ایک ہے، سہارے
 دے لے لے رہی نہیں تھے، ان کا عقیدہ سب سے پہلے قیام
 سرکار میں ان کی ان کی شاعری کے اندر سوجھنے کے ہیں
 کہیں شاعر بھی تھے، وہ بھیو فکر کے لئے رہنمائی کے
 عقائد نہیں تھے، ان کے ہاں وہ اپنے اپنے تعلیمی۔
 12 جنوری 1998 کو ”مزمور“ نے ”قائمہ تعلیمی“ وقت
 پر جو شمار شروع کیا، اس کے لئے ممکن ہوا کہ تعلیمی کا اس
 سائنس کی فکر سرکاری، سلطان سے بہت پہلے کی جمعی۔
 اس طرح جواب کے گورنر کا ادارے کے نام خلیہ
 کوپ، اعلیٰ سطح سے پہلے نفس نے شروع کیا۔

پاکستان میں پہلی انڈیا کی رولایت کی بنیاد ڈالنے میں فضل جیل، جیل تھے۔ 1967ء سے پہلے پاکستان کے حکاموں میں مصافحت ایسی مساکن پر ہوتے تھے جو اندر دیکر مصلحتن کے حوالے سے خاصا ہنرمند تھے "پاکستان انکوائز" نے مدد اول سے پہلے انڈیا کا حکمران جیل کرنا شروع کیا۔ پہلی دور غیر ملکی خبروں میں جوتوانا سواشرے کے مختلف حقائق کے خلاف ہر وقت پھیلنا اور حکومت میں ہنگامی اور خصوصی مصلحتن پر بہت انڈیا کے آواز کی صراحت فرما پائے۔ درمیان کے پہلی حصوں میں ایسی روایات تھیں اور کہ جب تک برطانوی انڈیا راج کی نظیر بھی سامنے تھی لیکن پاکستان کی حق مصافحت میں مساکن کی کہی کے باعث عمل انڈیا مرتب کرنے میں شکست کا تجربہ تھیں۔

فیض کی ہر بات میں شریعت کو نے والے
 واپس لے کر ایک واضح سیاسی ملک کے طور پر تھے۔
 ان کا خیال تھا کہ یہ ملک اسلامی ملک کی بنیاد پر قائم ہو گا

تھو۔ اپنی اور ذاتی طور پر نگہ بردار تھو۔ کے بعد وہ کامیابی سے
 انجیل کی شاعری میں پہلے سے موجود تھا۔ فریڈرک نے
 میں کام کرنے کے حوالے سے انھیں حجت دکھائی
 اچھا سال کاظم بھی تھا۔ یہاں ہی تھو فکر کی بنیاد جمی تھی وہاں
 کی کامیاب کہہ سکتے ہیں۔ وہاں سے وہاں سے کہیں
 تھا کہ انجیل کے بارے میں ان کی آواز کا ضرور ہر جگہ سے
 گی۔ یہی نہیں، بلکہ اس عوام کو کبھی آواز دینے کے خواہش
 سے ان کا کہنے میں تھو، ان کے مضمینوں کا کہہ
 بھی مثال کے طور پر بتائی کہ کیا ہے۔

[illegible]

فہمیں دی جا سکتی کہ انہار میں کیا چھپتا ہے اور کسی طرح کیا چھپتا ہے۔ ہر طرف ایک گھس ہے، فطرت کے ساتھ کام کرنے والے کوئی ایڈیٹر کی آزادی اور خود مختاری کی بہت سی داستانیں بنا سکتے ہیں۔ نہ تو صرف دو سو اچھے لوگ تھے جب تک کی رنگائی سیاست اور ادارے کی مالی سیاست نے فہمیں کی آزاد فطرت میں خلل ڈالا، ایک "سول اینڈ ٹریڈی گزٹ" کے خلاف جھگڑا ہوا، ایک انجمن تھوڑے عرصہ بعد ہی کارکنوں کے ساتھ اجرت کے بارے میں جادو۔ پہلے سوانے کا جواز کسی شخص نے اس کابینہ دوسرے سوانے میں عہدہ دینی جیسے دستور لایا۔ یہ سوانے بھی ملحق کوئی نہ کرنا۔

فلسفہ کا ذکر کرتے تھے کہ ہمیں اس کا صحیح
تقریباً پیش ہے، لیکن شاید صحافت سے انھیں 'مطلق'
تہہ رہیں سے بھی زیادہ تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ
وہ دنیا کی ان ہی چیزوں، سیاسی اور ملاتی ارتقا کے لئے وہ
تخلیقات کا کردار ادا کرنے کے لئے تھے اور تخلیقات کی ترویج
اور صحافت کے بغیر ممکن نہیں بلکہ یہ کہنا شاید غلط ہو
کہ کہ تو ہم کی تخلیقات کا اندازہ کافی کاروبار میں سے
زیادہ اس کے اعتبار سے لے کیا جاسکتا ہے۔ شاید یہ
چھوڑ دیا ہو کہ فلسفہ کا سماجی طور پر مطالعہ۔ ان کی پرہیز
بھری کی طرف ہی چاہی تھی کہ انھیں یہ سڑک متعلق کرنا
چاہا۔ یہاں بھی شاعری کی طرح صحافت میں بھی پرہیز
فلسفہ کا مطالعہ۔



بسم الله الرحمن الرحيم

”یہ جان تو آتی جانی ہے“

ہوئے دلی زخموں کو دیکھنا چاہتے ہیں مگر صوفی صاحب نے انہیں رستہ دیا۔ ”فیض قرآن مجید بہت کرتے ہو۔ دوسروں کی غفلی کے لئے بہت کچھ کرنا چاہئے۔“ فیض صاحب چار دو گئے۔ میں نے اس سے پہلے فیض صاحب کو اپنے سوچ بڑی کے زہب میں دیکھا تھا مگر آج مکمل مرتبہ انہیں اس نظر میں دیکھا جس سے ایک ماں اپنے دوا کو دیکھتی ہے۔ وہ مجھے اٹھنے لگے۔ گود سے پردے سے منظر دے دیا۔ غار سے نکلا۔ ان کے سلیو برقی کرتے ’پادے پر فرب بکھری گئی۔ انہیں ہندی لٹائی گئی تھی جس سے ان کے کپڑوں کو سیاہ داغوں سے بھر دیا گیا۔ فیض صاحب اپنی مخصوص کوئی مسکراہٹ نہیں پرہائے بیٹھے۔ سچ چاپ۔ فیض صاحب کو دوسروں کی غفلی بہت مزہ لگتی تھی شاید اسی لئے ان کی طبیعت ایسے دراست کے دلچسپی رہی۔

شادی کے بعد صوفی صاحب نے گوجر فیض کی کہ عجم دہرائی کی گزری کہ پڑائی کی سولڈریر کرانی جانے۔ گھر اس وقت بھاری صاحب کے علاوہ کسی کے پاس نہ تھی۔ باقی سب حضرات انہوں پر دھڑلے لایا جایا کرتے تھے۔ مجھے ایک دن کنگن کے لئے چار گیارہ۔ وہاں سب نے ایک ایک ٹھنڈی دھال لی اور ایک ایک چائے کھا لی۔ شام چائے ہاے صاحب نے اپنی اپنی بیویوں میں اٹھوڑا کر دیا کہ سب سے اعلیٰ انگ کی کے رہے۔ مگر چائے ہاے ہاے نہ ہو سکے۔

دعا دیا۔ لڑائی کی آواز میں دہرائی میں چلے ہوئے مردوں تک جا پہنچیں۔ کس فیض ہوا۔ سید عبد اللہ نے کہا۔ ”بچے عابد صاحب براتے حاضر دہلیا صاحب۔ عابد صاحب کا عجم کے ہالے کے بعد پاکستان کی بھی ہالہ جی حالت ہے۔“ سید صاحب کی دوسرے قحی کہہ دیا کہ بچے کو بار بار دہرائی کرتے تھے میں یہ گئی وہ مجھے بچہ سے چلے۔ میں نے زخموں پر بچاڑی لکھا شوروں میں۔ دہلیا صاحب کی 50۔50 بھری ہائی بھٹی شیری سے کہا۔ ”شادی رہے۔ وہ بھی بھٹی کرو۔“ فیض صاحب کی چینی خیرہ کو اگلی اور دیکھنا مشکل معلوم تھا۔ قحی بھی بہت بھٹی۔ اس نے اپنی ہی بھٹی کوئی اور میں مجھے مشورہ دیا۔ ”سنگا کوڑو“ تم چپ رہو۔ میں نے چلا کر کہا۔

مہمان خواتین و حضرات دم بخود اسے دے دے دانشور جو دم بخود ایسا گھیر تھا کہ سب سوچ میں چلے گئے۔ اسے میں دہرائے کی بھٹی ملی۔ پھر میرے بھائی نے آکر کہا۔ ”چاپ فیض آئے ہیں۔“ ”سب مسئلہ حل ہو گیا۔“ صوفی صاحب نے بھٹی ہا کر کہا۔ ”بھٹی کی گزری کی شادی فیض سے کر دی جائے گا۔ ہم سب میں سے زیادہ قربانی دینے والے فیض ہے۔ پادے کا دہلیا چائے کو لپ دیتا ہے۔“ ہالے دہرائی کو لکھا کہ سولڈریر فیض صاحب کے سر پر سدا دیا گیا۔ انہوں نے دلی زبان میں مجھے دھتکے کچے میں ”آج بھی کیا اور کہا کہ وہ ایک ٹھنڈی

میں نے کھلی مرتبہ جب اپنی گزری کی شادی پادے کا فیض کیا تو اس کے افسانہ کے لئے میری والدہ نے مجھے چاہے دے دیا اور کہا۔ ”وہ ٹھنڈا اور کچھ حال۔“ میں نے گھر میں چاہے ہوئے پرانے دینے اٹھائے۔ وہاں میں سے اعلیٰ بھٹی۔ دلی ٹھنڈی بھٹی اور انہیں دھوپ کا کرانیں میں کچھ بھٹی۔ شادی کی خبر میرے والد تک بھی پہنچی۔ انہوں نے مجھے دہلیا دیا۔ ”فصیح گزری کے لڑاکا کو اگلی کی ضرورت نہیں چاہئے کہ وہ اپنے دوستوں کو بھالیں۔“ ”دراصل میری والدہ بھی سب چیزوں کی طرح شوروں کے دہرائی کے لحاظ نہیں اس لئے وہ اپنے ہالے بھٹی کیا کرتے تھے۔ مجھے کہوں کی ضرورت دہلیا بھٹی کھٹکے آئی۔ آج تک اس کی بھٹی میں نے انہیں اجازت دے دی۔ شادی میری عجم کے گود سے تھے چلی گئی۔ گواہوں میں ڈاکٹر تا قیر صوفی عجم صاحب ڈاکٹر سید عبد اللہ اور ٹھنڈی بھٹی شامل تھے۔ چار بچے تمام مرتبہ ایک مسئلہ کرنا فرما کہ بھٹی کرانی اور کرانی فیض فیض بھٹی بھٹی کے گود سے کھلی دہرائی تو دے دی ہیں۔“ ”یہ ڈاکٹر تا قیر کے صاحب ڈاے تھے جو اب سلطان کا بھٹہ کھاتے ہیں۔“ فیض فیض بھٹی بھٹی کے بعد عجم نے خاص بھٹی بھٹی کی طرح کدھے لپکا کر کہا۔ ”I am sorry but we will have to postpone the marriage.“ یہ سن کر میں نے ایک دل لاش بچہ دہرائی اور عجم کو

اب یہ حضرات چاہے دالے کو باہر کرانے کی کوشش کرنے لگے کہ وہ بہت دالے شاعر عرب ہیں۔ بڑے سادہ دل ہیں۔ کسی نے کہا میں صاحب کالج کا نہیں ہوں کسی نے کہا میں دالوں شکر کالج کا کسی نے کہا میں گوشت کالج کا۔ دکان دالوں مانا آخر یہ دالے پلایا کہ فیصل صاحب کو دالوں کے طور پر پان دالے کی دکان پر غما کر کر کے پیسے لائے جائیں۔ فیصل صاحب چپ چاپ دکان میں جا کر بیٹھ گئے۔

ان واقعات کا ایک نازک تذکرہ کیا۔ اس کے بعد ساتھ دوا دھڑکی ڈال دی۔ بھر 1984 تک میری فیصل صاحب سے بہت غریب ملاقاتیں رہیں۔ میں نے انہیں بائبل غفلت میں چھوڑ دیا وہ دیکھ ہی تھے۔ دوسروں کی غلطی کے لئے قربانی دینے والے۔ دوسروں کو اٹھا دیکھنے کے لئے اپنے لباس پر سیاہ برداشت کرنے والے، دوسروں کی آزادی کے لئے اپنے آپ کو گروہی دکھانے اور بھر بھی چپ رہنے والے۔ میں نے ان کے حق سے کبھی کسی کی برائی نہیں کی۔ میری لغو دلی طبیعت نے انہیں کبھی دوسرے لوگوں 'شاعروں کی طبیعت کرنے پر اسکاٹا چاہا۔

بیشہ زبانی ہوئی۔ "چا چا جی فلاں کی خبروں کے حلقوں آپ کا کیا خیال ہے۔" "کو خاص تو ہیں نہیں۔" "آجیسا ہے کبھی اجماع ہے۔" "لیکھ ہے۔" "وہ سگت کا کل لگا کر دوا دھڑکی میں لگے ہوئے کہتے۔" "بھلا وہ جوشاعر ہے ہاں سادہ جوشاعر کا انکی شہرت کیسے لگی ہے؟" "میں نہیں۔" "وہ کبھی لکھ ہے۔" "کی بہت انہی چیزیں لکھی نہیں ہیں اس نے۔" "بہا بہا۔ ایک دفعہ میں بہت عجیبگی سے بھلا ہوا تھا۔" "یہ بات تو صاحب راج دھڑکی پہنچا کہ گئے ہیں انہوں نے کوئی نئی بات کی ہے۔" "میں نے کسی شاعر کے حوالے سے کہہ۔" "فیصل صاحب کہہ کہ بچے ہیں اس لیے غفلت تھا۔" "چنے بہت ختم۔" فیصل صاحب کسی سے لگے

لکھنے کے کبھی ہرگز کمال نہ تھے۔ زندگی کرنے والے غریب و متوسطہ تہذیبی تہذیبی۔ ایک دفعہ میں دالوں ان کے گھر میں بیٹھی تھی کہ ایک صاحب آئے۔ انہوں نے آتے ہی کہا۔ "میں فلاں صاحب کو آپ کے پاس لانا چاہتا تھا مگر وہ تو دار لگے کہنے لگے فیصل کے گھر جانا تو سی۔ آئی۔ ڈی جیسے کہ جاتی ہے گاڑی کا نمبر لٹا ہوا چاہے۔" "فیصل صاحب شکرانے اور بولے "کبھی سی۔ آئی۔ ڈی دالوں کے پاس بھی تو کوئی کام ہونا چاہئے۔ انہیں اپنا کام کرنے دے۔" "جواز ہے ہیں انہیں دارے۔" "کوئی دالوں سے کسی تھیلی میں کیس ہے۔" "ان صاحب کے جانے کے بعد میں نے فیصل صاحب کو دارا المزدور دیکھا۔ خود اس صاحب میرا دل بھرا تو۔" میں نے کہا۔ "چا چا جی یہ صاحب غلطی کر رہے تھے۔" "میں نے یہی نہیں کہا تو کہ سب لوگ آپ سے محبت کرتے ہیں آپ سے جانا چاہتے ہیں۔" "کہتے لگے "ہاں۔" مگر آج کل ادا مقام ہی رہتا ہے۔ "یاس دالوں کا وہ حق ہے جب خدا کا بڑی لگی ہو کبھی۔ شاید اس وقت کے کبھی ان کے دل پر اثر تھا۔

ان بھی کشادہ دلی شاید ہی کسی اور کو غیب ہو سکتی ہے۔ ایک دن انہیں اپنے ہاں دوا کرنے کی تو ان سے بچا چلا۔ "فلاں صاحب آپ کے قصوں میں سے کچھ کہہ دیکھ لیں کہ دوست ہیں۔ اگر آج میرے گھر دوا کی ہوئے تو آپ نہ انہیں مامی کے "انہوں نے بہت جلد سے کہا۔ "میں تم عزیز۔" "خدا سے جیساں کبھی عزیز۔" "میں چاہو چاہو۔" "طوبہ غور خیر اور کے انتظار کے دن کبھی انسانی سے ان سے ملاقات ہوئی بہت دل گرفتہ مسلمان ہوئے تھے۔ کہنے لگے۔ "میرا دوست میرا سب لوگ بہت جلد سے اس کی باتیں کر رہے ہیں مجھے دیکھ آ رہا ہے۔ کیا لوگ میرے مرنے کے بعد لگے کبھی آئی ہی بہت سے بار کر کے "اس" دالے کے کچھ ہی عرصے بعد فیصل صاحب ہم سے رخصت ہو گئے۔ "بھلا کیلئے۔ اب انہیں کون کون تھے کہ لوگ انہیں کس کس پہانے کس کس کو غریب پر دیکھتے ہیں کیونکہ جس رنگ سے کوئی شکل میں کہہ دھڑکی دوست دانی ہے یہ جانی تو آئی جاتی ہے اس چار کی تو کوئی بات نہیں

☆ ☆ ☆



نادر سید رشید فیصل اور فیصل

خواب کا نقش

مجھے یاد ہے پہلی صاحب کہا کرتے تھے۔
”جب ہم قید خانہ کی گالری سے تھے تو میرے دادی
ایچ بی جی کہ وہ روز ٹائم کو ہمیں گھمرا لے سڑی
بائیں ٹھکانی چاہتا تو میرے کپٹے لے جاتا لیکن جب اس
کا حق نہ چاہے تو منہ پھیر کر کہتا وہ جانا ہم اس
میرے دادی کو ایک گنگ نہیں کرتے تھے اس کی طرف
بچہ پھیر کر جوتہ ہاتھ دے دیتے تھے اس کی سوجھ بکھ
اس اس کی نہ ہوتا۔“ کیا یہ ہو سکتا ہے؟ میں تو اپنے
مصلحت جانتی ہوں۔ کہ یہ بھی تو قبول ہیں بی جی
یہاں تو بڑے بڑے پانچواں ٹیل کی سلاخیں
برداشت نہ کر سکتے اور اس تک سے فراہم کئے اور کسی
دوسرے لوگ اپنے گھر کے پتلی داخل میں بیٹے
پر جڑ کا پھل ہو گئے۔ ہر ایک لوگ اے کرتے ہیں کہ
ہمیں بھی ڈالنا چاہیے؟

اچھا بھر پور **Conviction** والے ہی
اور اگر سچے ہیں تو کنگ جیت کی پہلی انسان کو طاقت
پہنچتی ہے۔ پہلی صاحب کو امن سے اسی جیت تھی اور
اسی جیت نے اسے دکھ دینے کا ایسی دلی میں امن پر
ٹیل ملنے کی گئی۔ پہلی پہلی کے بعد بعد ہی انتحاب
کا سر پتہ ہے۔ پہلی صاحب کو باخبر اور طاقتور مسن
طرح سے تیار اور انسانوں سے جیت تھی۔ وہ سستی
وہ انسان کی دہرا کو بھی یاد کرتے ہیں۔ جانی دہرا
اور کوئی کہ کر کے کا پھر پر جاتی تھی انھیں ایک سر
میں جٹا کر دیتی ہے۔ وہ جانی کی ہر سرایت میں
کو کر خطر کے واضح ہونے کی طرف مہمان بھی نہیں
دیتے۔ وہ اس پہلی صاحب نے زندگی کے پھل

کے ساتھ ان کی نصیحت بھی اپنی ہی لہر لہری
پہلی کی سمیت میں انسان جو پہلے کے طرح
نیکو کر پامند رہتا ہے اور منزل کی جود جود اسے زندہ
رکھتی ہے۔ پہلی صاحب نے ایک پر آشوب زندگی
گزارا ہے جو نے بھی ہر جیت ایک گولی سحرانیت کو
اپنے پھر سے کی دافنی جانے لگا۔ جب طرح کا شخص
تھی اور جب قسم کی قسمت نے لے کر آیا تھا۔ لیکن اسے جیت
اور دشنام دونوں کا ایک وقت ساتھ تھا۔ بلکہ صاحب
کے بعد میں دادی اپنی کو بیویوں کی جود سے پہلی
صاحب کو لیکن انعام کی دافنی کا مطالعہ پار پار کیا
کیا بھی شری پاکستان دادی اپنی جانی اور فوری
نالا کی کی جود سے ملکہ ہوا لیکن ادارے پہلی
صاحب کو ڈالنا کہا جا رہا ہے کہ یہ سب دافنی کی جود
سے ہوا اور انعام کی ہے۔ ایک مصوم سا انسان جو
انسانیت کی دافنی کا خواب دیکھتا رہا۔ نہ کرم کا سر
ہی نہ کا یہ مصوم لوگ آخری کرنی کے قرب کو نہ کہ
نیک اور طہارت سحر کی امید میں زندہ رہے۔ انکی
امید جو دہشتور داتے ہیں لیکن انکے یہ چاہیے ہو جاتی
ہے۔

پہلی صاحب بہت ڈاکہ مارا انسان تھے۔
انھیں ہر حال میں ہر کار کا پھر کرنا آتا تھا۔ ٹیل میں
جی کوئی نہ دافنی۔

جناں اور و قلم بھی گئی تو کیا ظم ہے
کہ تو دل میں رہا بولی میں انھیں میں نے
لوں پر سر گئی ہے تو کیا کہ نہ کوئی ہے
ہر ایک حقہ دیکھ میں نہیں میں نے

آپ کا سا جود نے مجھ کو کر کے
یاد دیا کہ میں نے پہلی صاحب کے حوالے سے کہ
ہو گیا۔ ”ناظر“ کے اصرار میں ساتھ **Share** کرنی
تھی۔ اس سے پہلے سا جود خطر صاحب کے ڈالنے سے
نا دافنی صاحب نے فون کیا تھا۔ میں نے فوننگ لگم میں
شروع نہ کیا تو دافنی کو دہرا دافنی تھا۔ دافنی پہلی
صاحب کے مصلحت تو آپ نہ تھے دافنی بچے اور میں
بے لگائی بولی تھی ہوں۔ شاہ وقت کی دہرا لگم چاہئے
میں نہیں جھک سکتی۔

پہلی صاحب کے ساتھ میرا دافنی اپنی جود
دافنی کوئی نام نہیں تھا۔ عموماً کا طاقتور ایلا جود
لیکن ایک لیب قسم کے انسان تھے۔ میں صرف
اپنی بات کران کی۔ پہلی صاحب کے حوالے سے
دوسرے انتحاب سے نہیں یا پہلی مرحوم خود جانی مجھے
پہلی صاحب میں ایک مکمل سمجھ اور پہلیوں انسان
تھا۔ ایسا جس سے سب کہ **Share** کیا جاسکتا تھا۔
میرے بچوں کے سانس میں ہوا کوئی ایسا مسئلہ
میں میں نہ کر سکتی میں پہلی صاحب سے بات کرنا
وہ امن۔ شاہ جیت اور جیت لہ جانی تو اس میں
بہ پناہ طاقت آ جاتی ہے۔ جودوں میں اگر صداقت
ہو تو ایسے شے آپ کی توقع کا باعث بنتے ہیں۔

پہلی صاحب کی خاموشی اور صداقت بڑا خوب
صغیرات چاہیں۔ میں تو پہلی کی خاموشی کی فہمک میں
اچھا کھمبھی کرتی ہوں کہ اس کا فہم کھمبہ پر جب
کیفیت دادی کرتا ہے۔ پہلی صاحب کی خاموشی

ایک طرح کوئی دیکھا تھا جس مسلسل لڑائیوں سے واسطہ پڑا، اسی لئے تو لڑائیوں اور نئے انجین صوبوں کا خطاب دیا ہے۔ کوئی سہرا نہ لے ہوئے اپنی نشست پر نہایت بیگانہ رہا، ان کتاب کی ادیب اولیہ راجہ مرزا اس سلسلہ صوبوں کے ذریعہ جو کیا سوچا جاتی خصوصیت کا بھی مبرا ہے تاہم 79ء میں میں اپنے بچوں "ڈاکٹر خواجہ نور الدین کو علی کے ساتھ لندن لایا، لیکن صاحب جہاڑی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ان دنوں وہ وہیں میں تھے، میں نے لندن جانے جاتے انجین صوبہ کو دیکھا، دیکھ کر میں نے انجین صوبوں کی انتہا دیکھی، جب لیکن صاحب کی طرف سے ناراضگی میں اس صوبہ کو لے کر لیا ہوا ہے۔ لیکن صاحب لندن آئے مگر میں نہیں میں "ڈاکٹر خواجہ نور الدین صاحب آریلز چلے گئے کیونکہ ان دنوں انہی سب جہاڑی میں جہاڑیوں کا گڑھا تھا وہاں دیتے تھے ان کی صفائیں جہاڑیوں کے لئے بہت سکون فراہم ہیں کہ ہمارے بھی "بھگوانے لوگ" لندن میں اپنے دن گزار رہے ہیں۔ ہمارے ہم جنوں اسی نے آریلز چلے گئے تا کہ خواجہ کیلے آریلز میں کوئی چاہ و صوفی اور سکون سے رہیں کہیں وہاں یہ لیکن صاحب نے حقیقہ جانندہ صوبہ مرحوم کے حقیقی بہت سے ایسے انجین صوبہ کے جو کہ پاکستان میں ہوتے تو کبھی نہ کرتے "اور اصل لیکن صاحب پر غصہ کی لڑائی کی طاقت کیا کرتے تھے۔ شاید میرے ساتھ اس لئے Share کر لینے کہ انجین صوبہ کال تھا کہ میں ان کے اعتبار کو دیکھا کہ ان دنوں کی طاقت وہاں میں ایک کسٹ *corsette* میں ایک تک میرے پاس محفوظ ہیں۔ میں ہمارے تھے کہ حقیقہ جانندہ صوبہ مرحوم نے سلسلہ دار لیکن کے خلاف "بیادہا جسٹ" میں لکھا شروع کیا۔ لیکن صاحب نے پلٹ کر جواب میں دیا اب طاقت ہالہ اور اپنی میں مقیم تھا جس میں حقیقہ جانندہ صوبہ نے تو سورج نہ ہوا تھا، مجھے یاد

ہے لیکن صاحب کہنے کے "آؤ کہیں جانے بیٹے ہیں تاکہ میں اس سے جانوں اور چاہ چاہ تو تھی ہی وہ میں مقیم رہا اور کراہاں میں لیکن جہاڑی کسیری موجود کی حقیقہ صاحب کو پریشان کر دے۔ "مگر طرف عام انسان میں کہاں ہوتا ہے۔ لیکن اسی کی کہ جسے جہاڑی میں کہیں کہیں یہاں رہا ہے کہیں یہاں یہاں میں سالے اہل برائیاں چھوٹی چھوٹی اچھا نہیں انسان کا بڑا ہڈی ہیں اور 79ء میں لندن میں سے لیکن بھگوانے کے دنوں میں گھر کرتے رہے۔ ایک دن میں نے لیکن صاحب کیلے P.I.A. ان کی بہت کا مطالعہ ہوا کہ وہاں کی لیکن صاحب کی 9 جگہ ہاں کے ہر چہرہ کو مجھ سے کہتے گئے، "میں بہت ذرا ادا ہوں بگے ہوا جہاڑی اور جانے کا اور کینا ہر بھری بہت اہم بیٹنگ ہے اب تم مجھے جلدی سے لیکن بہت بچکا دو۔" ان دنوں میں ہاڑی سے لیکن میں گئی۔ گاڑی میں لیکن صاحب کا اپنی کس کو کھانا گاڑی کو ہار دے ہوں میں آخر بہت چلتی تو جہاڑی کی بیڑی بدلتی جا رہی تھی اب کیا ہو میں اور لیکن صاحب دونوں جہاڑی کا ذکر پکڑے ہیں۔ "میں میں خود ہوا لیکن ہے "میری طاقت کیلے میں بگے کہ "آپ 50 روپے اسے دیکھئے آپ کو اگلی طاقت سے لاہور چھوڑ دیں گے (ان دنوں ہاڑی کی گنت سو روپے تھی) لیکن صاحب نے بنا بہت 50 روپے اس کے حالے کے اور ہم دونوں کڑے تھے کیا جا کتا بند سے ایک پانی آئی اسے کا افسر ہار آیا "لیکن صاحب آپ کیا ہوا آپ انداز ہے "اور جلدی سے جانے کا آواز دیا۔ اور فوراً 50 روپے لاکھ ہاڑی کر دئے "لیکن صاحب آپ کو دے کر دے کا حق ہے لیکن میں آپ سے آجا کر لینے کا حق نہیں کہ آپ لیکن صاحب ہیں۔ "وہ صاحب ذرا ہار گئے تو لیکن صاحب اس لیکن کی بہت کوششوں کرتے ہوئے بہت ہی مصمم

گئے۔ "دیکھ لیکن میں لیکن بہت تم لوگ ہم سے کرتے ہم ہم نہ تو ذرا ہیں نہ ہی مشورہ نہ ہی کوئی چھوڑ کر دے۔ مگر ہم گھر کر دے تو کس بات کا کریں۔ تم لوگوں کی صحبت سے تو جنت اسی دنیا میں ہی دیکھا رہی "۔ میں سوچتی ہوں غلطی کا بڑے ہر پائے اسی کا دیکھ رہی ہوتی ہے۔ لیکن صاحب کو وہ جانے اور وہاں رہے بہت غلطی دے گئے کیونکہ غلطی اور طاقت کا چلنے والوں کا ساتھ ہے اب میں کا لیکن صاحب ہے 80ء کے ہمارے ہم لوگوں میں طاقت نام کی شے دیکھی نہیں، اب جب کہ میں ہوا چلنے لے ہر گھر میں ڈاکٹر اولیہ لیا ہے۔ شاید چند لوگ ایسے ہوں لیکن میں تو ایسے لوگوں سے غم ہوں۔ میں لیکن صاحب کو اس لئے بھی لڑا، *admire* کرتی ہوں کہ ان کو میں نے بہت سے لوگوں سے بہت ہی تلف لیا۔ ان کے کرم سے پاکستان کے تقریباً اسی دانشوروں سے میری صاحب سلامت رہی ہے ادیب بھی ہے۔ اس لئے مجھے ملازمت کرنے میں ہلاکت نہیں ہوتی۔ کئی لوگ ایسے ہیں لیکن وہ سب سے الگ اور سب سے مختلف تھے۔ شاید ان میں کوئی اس صوبہ میں پیدا ہوا ہے تو ہو جائے۔ لیکن صوبہ لیکن کی صوبہ ہے۔ عام اقبال اپنی جگہ لیکن لیکن صاحب میں لیکن صاحب ہی ہیں۔ میری لڑائی دے ہے ہر گھر کی کھانے کا حق ہے۔ تو جو ان لکھ کو لیکن کی صوبہ کا مشورہ ہوا جائے کہ بدلتی کی اہم ضرورت ہے۔

☆☆☆

فیض احمد فیض..... چند یادیں، چند باتیں

ملا سے چار سو سرور صاحب کا خود ہی لکھا بھی کمال کر
یہاں کے سامنے چلی کر رہا ہر گز کے مطلق اعتبار
کہا گیا۔ مجھے جامعہ میں میں سے تیار، انجمن دینی
تھی۔ رخت کا رہائی کو روز بھی تھا۔ غرض میں اس طرح
دے کر مطلق نگرہات کیا۔

چند ہی دنوں کے بعد فیض صاحب کا ایک پیغام
ملا جو یہی جیوں کی تھا۔ ”میں نہیں بھائی نہیں بھائی
سکتا۔“ میں اس پیغام کا مطلب مجھے کھانا کھانا
بھاگ ان کے پاس پہنچا۔ کچھ گئے کہ ”میں نے
انجمنی کوشش کی کہ تمہیں انی گواہ قیل چاہے جو تم
جامعہ کا بھی میں پار ہے۔ لیکن انتظامیہ ماضی نہیں
ہوئی۔ میں بھروسہ میں نہیں چاہتا کہ تم کم گواہ
آؤ۔ تمہاری گھر پر ذمہ داریاں بھی ہیں۔“ اس سرد
فیض صاحب کے پاس ہمتی چرسے کو کچھ کر گئے
میراثہ کا بھی میں خاموش نہ بنے گا ذرا بھی نہیں نہ
ہوا۔ لہذا یہ خوشی ضرور ہوئی کہ ان سے ملاقات کی
شکل نکلی۔

انتقال سے کچھ عرصے بعد مجھے اور کے ممتاز
تھا یہ دفتر ممتاز زمین کی وساطت سے جامعہ کا بھی
سے تیار، انجمن دینی کی خاموشی کی اور میں شراکت کیا۔ لیکن
قدرت کی حق غریبی یہ ہوئی کہ کربوں کی خطبات
شرعاً ہونے سے جس کا بھی کے مالک نے کھسکت
چاہیں ساتھ ساتھ دیکھ کر طرف کر دیا تاکہ میں بیٹے کی گواہ
پہنائی جا سکے۔ میں اس واقعہ سے بے بدل ہوا اور

یہ دس گواہ کر گئی شہر سے چور مکمل دور ایک مکان
میں واقع تھی۔ وہاں شہری رنگ ساری ہو رہی تھی ناچ
تھی۔ کالج کے عکاسات تو دیکھ کے بھونکا کا عالم
ماری ہو جاتا تھا۔ میں جامعہ کے چٹ کر ادارہ میں
فرمان تھا۔ اسی زمانے میں میری شادی ہوئی تھی۔

میری بیوی دوستوں کے شہر کی دینے والی اس
عمر شو جس سے بے بدل گزرتی تھی۔ میں جامعہ کی
دور سے چھوڑ کر گزرتی شہر آنے کی سوچ رہا تھا۔ اسی
دوران میں یہ خبر ملی کہ سرمد احمد ہادی کالج میں اور
چھوڑ کر ایک ساری قالی ہوئی ہے۔ کسانے یہ بھی تھا
کہ اس کالج کے پہلے فیض صاحب میں اگر ان تک
کسی درجے سے رہائی ہو جائے تو تو کوی بھی ہے۔

میں سیدھا آگیا اور سرور کے پاس پہنچا اور انہیں
صورت حال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے فوراً ایک
دور اور صبح خود کوئی لکھ فیض صاحب کے ہم کمر کر گئے
ایا۔ میں دوسرے دن فیض صاحب کی خدمت میں
حاضر ہوا۔ وہ بہت چاک سے ہے۔ لکھ کمال کر
چھا۔ کائی اور تک سہارے پر بے گھر سے حال
احوال پر چھوڑ میں نے اصل حقیقت بیان کر دی۔
کہنے لگے وہ خاموش دے دو۔ اس طرح میں میرا ذات
تھا اس نے ہوا۔ میں مطمئن ہو کر آیا۔

اندر دم یوں میں اور ادا نہیں کے اور حکم جاری
تک بھی چھوڑ۔ فیض صاحب سکھانے کر میری ہر
مطلوبہ صبح اور دیکھنا صاحب کو نکلتے دے چکی کہ

فیض صاحب اور کے عظیم شاعر تھے۔ عربی
ادب کے ممتاز عالم اور عظیم محدث سے عربی
واقعہ اور انگریزی کے نامور دانشور پہنچا بھی تھے اور
صحافت کے سرآمدان بھی۔ عظیم و تدریس کے فنی
میں دست گاہ رکھتے تھے۔ لیکن انہیں پاؤ تھے۔ عالمی
شہرت و مقبولیت سے سرفراز تھے۔ ان سب
شماریات کے ساتھ ایک بھلے نامی اور عظیم انسان
بھی تھے۔

انسان انتہائی ان کے رگ دے میں عالی ہوئی
تھی۔ اس جذبہ کی سرحدیں لامحدود تھیں۔ فیض
صاحب کی شخصیت کی تک پہنچاؤ میں ہر ایک کچھ
حاصل تھی چاہے وہ سرور یا فقیر یا علی ہو چھوٹی کھوا
ہو یا کمال لسانی ہو یا وہ قالی مطلق ہو یا کتائی۔ ان
سکھوں کے لیے ان کا رد و بدل ہوا تھا اس پختہ
درخت سے استفادہ کرنے والوں میں یہ عالم بھی
مثال رہا ہے۔

میں نے فیض صاحب کا کام پہچنے میں چاہا۔
کالج کے زمانے میں ہی ان کی علم و فضل میں پر گئی تھی۔
1959ء میں سکھر کے چاک و برکت عرس میں انہیں
اور سے دیکھا بھی تھا جس وقت کی صورت 1964ء
میں اکی اور اکی گئی کہ اس کا سلسلہ 1982ء میں
میر سے پوری ملک جانے سے قبل تک چلی رہا اس
کلی ملاقات کی توفیق حبيب و غریب تھی۔ میں ان
دنوں جامعہ کا لیٹر نی کے شعبہ اور سے وابستہ تھا۔

آخر ایک روز میں نے بہت کی اور خانہ صاحب کے تمام گھوڑے اپنے کام کے لئے کھینچ صاحب کی خدمت میں پہنچا کر کہا کہ وہ اپنی زبان میں مدعا بیان کیا "میں اس خبر کا بخانا کائنات پر ہوا۔ میری عزت اور اعزاز یہ کہ سوا ہے۔ آپ اس کے لئے پیغام مرحمت فرمادیں۔"

وہاں کہ چپ ہے۔ میں بھی حاضر حق سے اٹھ آیا۔ ایسا محسوس ہوا ہاتھ اس بار قلعہ صاحب کی زبان پر "تھیں" ہو گیا۔

بغض مزہ کے بعد قلعہ صاحب کا پیغام مل کر آیا۔ جب پہلا فقرہ "میرا خروج خانہ غز" کے لئے انہوں نے اپنا پیغام مختار دیا۔ مجھے مسرت بھی ہوئی اور حیرت بھی۔ ماسرے اس بات پر کہ میری عزت وہ گنا حیرت اس سر پر کہ قلعہ صاحب اپنے آپ کو کسی مسئلہ و فکر کے لئے کڑ پانہ ہیں مگر خانہ چہاں ساری غزبات رکھنے والے شاہ کے لئے اپنی اپنی چیز میں کیے لگے۔

قلعہ صاحب کی وسالت سے مجھے ریلوے پاکستان سے مسلسل پروگرام مل رہا تھا اس طرح میری حالت سنبھل گئی۔ چونکہ کوئی مستقل عادت نہیں تھی اس لئے میں نے سنت وادہ "سندھ جہاں" میں ہی قیام کے لئے "کوئٹہ" کے نام سے قندار

خبر بدلت کے عظیم تاریخی گھوڑے گراہے گی۔ ایسا نام اوجس نے اندھا غزلی کے عداوت کے ٹکڑوں کو کر دیا۔ جس کی اپنی کارنامہ دیا کی ہے۔ انہوں میں تیرہ ہو کر خراج قصین حاصل کر چکی ہیں۔ میں نے قلعہ قلعہ کا یہ عالم ہے کہ میرا سیدھا مکان کی کام کر رہی تھی کہ خود غزلی کی ہانسی چاٹ رہی تھی۔ جیسی کی گئی حقیقت یہ ہے کہ اس روز میرا زکامی کے اوپر جو شہر اپنی قسمت پر بنا رہا تھا۔

جب تک اپنے گھر گئے تو میں نے قلعہ صاحب کے کمر فانی کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ کافی ہاتھ ہیں۔ میں بھی وہی چلی گیا۔ کچھ ہی اور بعد قلعہ صاحب علیہ رنگ کی لاش کی لڑائی کرتے ہوئے کافی پچھلے۔ جب وہ گاڑی سے اُتر آئے تو میں نے دیکھ کر حیران رہ گیا کہ میرے ہاتھ کا مسودہ قلعہ میں رہا ہے۔ چلے آئے۔ مجھے دیکھ کر سسکا رہے اور کہنے لگے کہ "یہ مستقل میرے ساتھ رہتا ہے۔" پھر اسی میں آنے کے بعد انہوں نے سرگت لگائی "کچھ بچے کھلنے کے لئے لڑ پڑنے اٹھایا اور پھر بہت ہی خواہش سے مانتی تھا" کہ وہ۔

اس واقعہ کے بعد ہی میرے بعد قلعہ قلعہ کا قلعہ کا قیام قلعہ میں آیا۔ میرے بعد کرم فرما بناب قلعہ انکا نے مجھے کہا کہ میں اس انداز کے سربراہ کی نو سید صاحب سے عداوت کر رہا ہوں۔ جب میں مسوئے کے پاس پہنچا تو ان سے میرا خروج ہوا تو میں نے چپ چپ "کوئٹہ" کا مسودہ آگے بڑھا دیا۔ جیسے ہی انہوں نے وہی دیکھا "قلعہ قلعہ قلعہ" کے ہاتھ کا کھٹا ہوا "قلعہ قلعہ" نظر آیا۔ انہوں نے اسے چار ماہ اور اسی وقت مجھے خانہ قلعہ میں عداوت دے دی۔ وہ یہ بھی لکھا کہ یہاں اس انداز سے شائع ہو گا۔ قلعہ صاحب کا کھٹا ہوا "قلعہ قلعہ" ان کی اپنی

یہ خبریں میں مثال دانت ہوں۔ قلعہ صاحب کے اس "قلعہ قلعہ" نے مجھے خانہ قلعہ میں عداوت دلا دی۔

انکا کھینچے کے بعد میں سوچ رہا ہوں کہ قلعہ صاحب کی شاعری کا تو یہاں کیا مسودہ ہو گا۔ لیکن مجھے یہ بھی گت خراج کی عداوت ہونے کے لئے "سہاٹی" حکام کے لئے انگلی دانت و طمانیت کے لئے وہ بچے بچے جو کانا سے اہام دیتے رہے ہیں ان کا ریکارڈ تو حصول کے ساتھ ہی موجود نہیں تھا کہ یہ ایک ایسا ریکارڈ ہے جو ان کی شاعری سے بھی زیادہ اہم اور قابل ہے۔ لہذا یہاں ریکارڈ نے انہیں دینا کا عظیم انسان تھا۔

فروری 1984ء میں ایک شہر سعودی عرب میں قلعہ قلعہ میرے مزاج دوست اور غزلی زبان کے مسوئے اور غزلی کوئی نے خدمت کیا تھا۔ "میں قلعہ صاحب کی بہت قدر کرتا ہوں۔ یہ صرف شاعری ہی نہیں انسانیت کا محسوس ہے۔ یہ کسی کے لئے رہتا ہے ہر کسی کا کہ اس کے سینے میں موجود ہے۔ شہر اس سے بہت شرم لپکتا ہوں۔ بہت ہی بھلا ہوا ہے۔"

یہ بھلا ہوا جس کی تم نے کچھ طور پر قدر نہیں کی "بھٹ" کے لئے ہم سے رخصت ہو گیا۔ چلے گئے قلعہ قلعہ میں کے لئے یہ شعر کہا تھا۔

ایک ساغر بھی صلیبت نہ بھا یا وہ سہ ساجا جاتے ہیں۔ قلعہ قلعہ قلعہ قلعہ

☆ ☆ ☆

یادیں فیض احمد فیض کی

فیض احمد فیض کا ہاتھ دست بہت اچھے انسان اور بہت اچھے دانشور کی حیثیت سے ہر گز نہیں چھوٹے جاتے جاتے ہیں۔ ان کی ہر طرح کی ادبی کے حلقوں میرے احسانات اور تجربات آج بھی وہی ہیں جو کئی سال پہلے تھے۔ جب ہم لوگ دہلی میں فنی ادارت کے سلسلے میں اکٹھے رہے، اس زمانہ کی دلچسپ ملاقاتوں کی یادیں بھی آج بھی ہر گز نہیں بھول رہے۔

فیض ان وقت بھی شعر کہتے تھے جن کی اب تو انھیں بحیثیت ادیب، شاعر، نقاد اور صحافی آقا کی شہرت حاصل ہے۔ ان کی شہرت اور کمال تو میں اس کے جوہر پر بھی کوڑا باندھ رہا ہوں۔ یہ واضح آج بھی کہ ان کے ہر گز کی بار دہائی میں انگریزوں کی کاغذ کاغذ جواب دہ فیض احمد فیض، چنگی صاحب کی ایک طاقت میں خود بخود کمال چنگی صاحب علامہ اقبال کے ہم عصر اور محفل اقبال کے خوش بھی ہونے کے علاوہ 1929ء میں مرے کاغذ سائیکوٹ میں لکھوا بھی رہے ہیں۔ ان دنوں دہلی کے ایک کلاں کو انگریزی اور ہندی کے مل جل کر لکھنا پڑتا تھا۔ فیض کا نام نہیں دیا جاتا تھا۔ ان کی فرسٹ ایئر میں ان کا کٹا کر تھا۔ چنگی صاحب کا بیان ہے کہ

”یہ لڑکا اپنی شرافت، سلیب کی عبادتاری، کم آمدنی اور دیکر دیکھا کی وجہ سے ہماری ساری کلاں میں اترتا تھا۔“

اکتوبر میں جب کاغذ میں (Tutorial)

group) بنے تو میں اقبال سے یہ لڑکا چنگی صاحب کے گروپ میں شامل ہو گیا۔ چنگی صاحب نے اپنے فلسفیانہ ذوق کی وجہ سے اس گروپ کا نام ”افسانہ الصفا“ رکھا۔ مے پا کر گروپ کے ذمہ اہتمام ہر ماہ کاغذ میں ایک محفل حاضر و منفرد کی جاتے۔ انہوں نے پہلے مطالعہ کے لئے ہر صبح طرح طرح کی بحثیں

قلمرو نہیں ہوتا کہ افسانہ نہیں ہوتا نومبر 1928ء کے پہلے نصف مرے کاغذ میں چنگی صاحب نے محفل حاضر و منفرد کی۔ اس مطالعہ میں مذکور ہوا کہ جو ان سے بھی جس کی عمر 16 سال یا کم زیادہ تھی ایک محفل چنگی صاحب نے شروع کیا۔

لب بند ہیں، ساری ہماری آکھوں کا چارے 10 جام جو صحت کشی، سہا نہیں ہوتا چنگی صاحب فیض کے شعر سوزوں کرنے کی اس استعداد سے لہجے کا اثر ہونے اور ان کے ایک ہم عصروں سے مختلف انداز میں لکھا۔

”اگر یہ لڑکا زندہ رہا اور اسی طرح محفل چنگی صاحب رہا تو آج بھی کلاں کا شمار دہلی کے محفل صفا کے شعراء میں ہو گا۔“

چنگی صاحب کی اس چنگی کوئی ایک 30 سال گزر چکے ہیں اور آج بھی فیض کی شہرت صرف ہندو پاک کے دانشوروں میں ہے بلکہ 1962ء میں انھیں دہلی کا سب سے بڑا اعزاز ”فیض پرائز“ بھی

حاصل ہو چکا ہے۔ یہ پرائز اس سے ملے ہندوستان میں ڈاکٹر سرفیلڈ نے لکھا کہ ”افسانہ“ اور اس عالم کے قیام کی کوششوں کے سلسلے میں انھوں نے کے صدر سوچنا پڑا اور کھانا کے صدر گروہ کو بھی مل چکا ہے۔ پہلے اس اعزاز کو ”شائیں پرائز“ کہا جاتا تھا لیکن قزوین شیف کے زمانے میں اسے فیض پرائز کا نام دیا گیا۔ یہ سب میں طویل عرصہ قیام کے بعد فیض کا شہر ساں اپنے وطن واپس آنے میں اس کا نام بھی سمجھتا تھا تو انھوں نے آرت کو ب اور شاعری کی ذہنیت کا دیا ہے۔ چنگی صاحب میں اس طویل عرصہ میں شاعری اور شعری محفلوں کے ذریعہ دیا ہے۔

ان کی زندگی کے حلق بہت ہی انشائی ہیں جو خاص دلچسپ تو ہیں لیکن عام نہیں ہیں۔

فیض صاحب 1911ء میں سائیکوٹ میں مردم پور سرزمین میں پیدا ہوئے تھے شاعر مشرق علامہ اقبال بھی ایک اعزاز سے سنی کی بی بی ان کی کافر حاصل ہے۔ ان کے اکوڑ رنگ نہایت خوش تھے لیکن فیض کے علاوہ سلطان محمد خاں کی حیثیت ہونے کے علاوہ ان کی علم اور صاحب تفسیر بھی تھے۔ وہ ان کی سال امیر محمد ازمین کے عہدہ انکسٹنٹ میں رہے اور انگریزی کی میں کی کتابیں تھیل کی میں بھی میں انکسٹنٹ کے دوسری قومی اور ”قزاق امیر“ انگریزی میں ایک ہول (The Wazir's)

Daughter) جس کا اردو ترجمہ ”قزاق امیر“ کے نام

فیض کے بارے میں بیگم مجید ملک کے خیالات



ایک اور مشاعرہ کروا دیے کاٹیج کا Festival

week تھا۔ فیض نے ایک ہی President کیا۔

صاحب کو آواز دے دوسرے ان President کیا۔

فیض کے حلقے میں کسی کو سنی نہیں کر انہیں

مجید ملک صاحب بہت لڑجہ دے سکتے تھے۔ ایک صحت کا

دشمن تھا۔ ان کی چیزاں بہت اچھی اور باطلہ ہیں۔

فیض کی والدہ داد سے گھرا آتی تھیں۔ ایک خاصہ

شریف میں شریک ہو گئے۔ ہم انہیں جھانکی کہا کرتے

☆☆☆

بہت ضرور تھی کہ فیض با صواب بہت تھا۔ مجید ملک کو
بھی مجید بھائی کہا کرتا تھا۔ اس نے اپنی ایک کتاب
اسی اقتساب کی۔ مجید بھائی اور آندھن کے نام۔
"نام ضرور دہی" چاس کا نام۔

ہم سے اس کا دشمن تھا جس طرح کسی کا
بھرا ہوئی Talented لگی ہوتے تھے۔ وہ سے تو
بڑے تھے مجید صاحب سے پہلے تھے۔ آج بھی
میرے افسر کے ساتھ "ان کے بچوں اور لکھی سے
بڑے دھڑے تعلقات ہیں۔ میں ابھی یاد تھی تو دونوں
چیزاں اور افسانے لکھے تھے ابھی انہیں۔ مجید ملک صاحب
کی دوسری سے جو اہلیت تھی اس سے میں مستفید
ہوئی۔ فیض جب یہاں آئے تو میری دوست تھیں
خزائنہ پادشاہ "ان کی اناس اہلیت و دہن سے کہ کہ
مہاراجہ پادشاہ کاٹیج کا پہلے اہلکار کاٹیج لہاری میں
تھا۔ انہیں گھر لیا گیا تھا۔ افسانے بھی کام کرتی تھیں۔
فیض کاٹیج پہلے جاتے تھے لہاری کے لوگوں نے فیض
کے حوالے سے کام کیا۔ افسانوں کا قافہ تھا کاٹیج اور
لہاری کے لوگوں نے شاید فیض کا قافہ بھی لکھی ہوئی
ہے فیض کے کام کیا کر کے کیلئے۔

فیض محبوب شاعر تھا۔ فیض نے انوار پاک
مشاعرہ کروا دیے اس میں حضرت صاحب بھی تھے زہرہ
نگار بھی تھیں بہت کامیاب رہا۔ ہندو شعراء بھی وہی
سے آئے تھے۔ بڑے بھاری صاحب نے اس کو
Presidente کیا۔

فیض صاحب میں صلاحیت تھی۔ ظہور میں
بہت تھا۔ بچوں سے بھی بہت محبت کرنے والے تھے
دوستوں کے دوست تھے۔ مجید صاحب کا دل بھی بگا
رہتا تھا۔ بگاڑ ہونے کے بعد۔ فیض صاحب کی لکھی
سے آئے تو ہمیں طہرے تھے۔ جن لوگوں کو شعراء
اب سے دلچسپی نہیں تھی ان سے بھی فیض کی دوستی
تھی۔ فوج کی دہری اہلکار کے بعد وہ "پاکستان
ٹائمز" آگے بڑھیں نکل پلے گئے۔ شہر ان سے ملے
جاتی تھی "کڑی بھی لے جاتی تھی۔ نہ کسی مجید
صاحب نے بلکہ کہا کہ کسی حکومت کے آواز نے کفر
وہاں کیوں نہیں سے ملے جاتی ہو۔ میری بڑی حیرانہ
میں چسپی تھی میں اس کو بھی فیض سے ملوانے لے جاتی
اور ان کیلئے اجیرانہ کڑی بھی کر فیض میں کافی
پڑھنے لکھنے والے لوگ موجود تھے۔ بعد میں پتہ چلا
کوئی سازش نہیں تھی۔ پتہ چل گیا اس زمانے میں
یہاں کچھ لیا گیا تھا کہ فیض بھارت کرنے کی
'Conspiracy' کرنے کی صلاحیت رکھتے
ہیں۔ ان کی تو کوئی ایسی غرائض نہیں تھی۔ وہ
Ambitious، اہل نہ تھے کہ کسی ابھی جگہ پہنچ
جائیں۔ بڑی خداوند اہانت کے بھی دانک تھے۔
"پاکستان ٹائمز" کو انہوں نے لکھنے کا پانا اعلان دیا۔
الہ آباد لوکی میں ان کے اپنے کھانا تھے۔ مجید ملک
صاحب میں پرکھ تھی جس سے انہوں نے ٹیلٹ
وصف اور فیض ان میں بہت اہم ہے۔ فیض میں ہے

فیض احمد فیض

بھری ایک مدت سے یہ آؤدھ تھی کہ بھری کئی کتاب کی تقریب دہرائی کی صدارت جناب فیض اور فیض کریں۔ جب بھری کتاب ”پہاؤن منکھو“ چھپ کر مارکیٹ میں آئی تو میرے دل میں یہ خیال آیا کہوں نہ اس کتاب کی دہرائی کی تقریب کی صدارت فیض صاحب سے کرانی جائے۔ میں نے اس سلسلے میں اپنے دوست سراج اسلم سے مشورہ کیا اور اس سے کہا کہ اپنی کتاب کی دہرائی کی صدارت فیض صاحب سے کرانا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا یہ ابھی بات ہے ضرور کرنا۔ میں نے سراج اسلم سے کہا بھری تو فیض صاحب سے شناسائی نہیں۔ کیا میں انھیں لانے کے لئے آؤدھ تک قاضی آباد حسن منو منصور علی قصوری یا سی آرا اسلم سے رابطہ کروں اور ان سے کہوں کہ وہ فیض صاحب سے بھری کتاب کی تقریب دہرائی کی صدارت کے لئے کہیں۔

سراج اسلم نے کہا فیض صاحب اب سب کو انداز کر رہی ہیں کہ وہ بڑے خوش دامن ہیں اور انھیں انہی کے بڑے دوستوں اور سوچنے کے بعد کیا تم استاد داس سے جا کر ملو۔ فیض صاحب کے بڑے گہرے دوست ہیں۔ فیض استاد داس کا کہنا ہے ہیں وہ استاد داس کو انکا نہیں کریں گے۔ اس میں ہوں سمجھ رہا ہوں میں ان کا نام بڑا یاد ہے۔ میں یہ مشورہ کر کے استاد داس کے پاس پہنچا تو انھوں نے فیض صاحب کی صدارت کی تجویز قبول کر لی اور عرض کیا کہ وہ فیض صاحب کو صدارت کے لئے آئیں گے۔ جب انھوں نے فیض

صاحب سے صدارت کے لئے بھری غیر سرکاری میں کہا تو فیض صاحب نے ہنسنے ہوئے کہا استاد داس آپ کی دستہ نہیں مانی گئی۔ میرے سامنے کتاب ہے اور خدا کوئی بندہ ہے آپ غم دے دے ہیں کہ تقریب میں ایک کندھ لگ جانا ہے اور آؤدھ بڑا دور سر جاکر جانا ہے۔ فیض صاحب کی بات میں کراہتا داس نا اعلیٰ ہو گئے اور کہنے لگے کہ میں نہیں بخدا فکر نہیں کرتا۔ تقریب پر راجہ ہے تم نے اسی طرح جانا ہے۔ فیض صاحب نے آؤدھ بڑا استاد داس سے معافی مانگتے ہوئے کہا کہ استاد داسی جیسا آپ کا حکم ہے ویسے ہی تمہیں کی جائے گی۔ فیض صاحب تقریب دہرائی کے اجلاس میں ایک کندھ پہلے پاک پناں لپکے تو وہاں حاضرین کو کہہ دیا کہ میں نے غم ہے فیض ان کا خیال تھا تقریب کا انداز غراب ہے فیض صاحب قری استاد داس سے بے کسی ہوئی میں نہیں آئے۔ انھیں نے مجھے کھلا اصرار کیا کہ اپنی تقریب دہرائی ملتی کہ وہ دم لوگ حرکت ملی ٹھکانے کے ساتھ ٹھکانے ہوئی میں شام مارے ہیں یہاں آؤدھ۔ میں نہیں مانا کہ میں نہیں بہت خوش تھا دوست نے آؤدھ مجھے ایک سواری مستعد دیا تھا اس کو کیسے خانقاہ کو روانہ بھری یہ میری خود اختیاری تھی بھری کتاب کی تقریب دہرائی کی صدارت فیض صاحب کریں مگر میں اس وقت مجھے اس سے گلہ نہ تھا۔ جب اپنے خطاب کی تعمیر پر میں دل میں بھلاؤ نہ رہا تھا وہ اپنی قسمت پر فک کر رہا تھا۔ جب میں فیض صاحب کو اپنے کے لئے ان کی

کوئی بکھا تو ان کی حکمت میں نے کہا ہمارے پاس سواری کا کوئی انتظام نہیں تھا تم بھی سے سواری کا انتظام کر لو۔ ہندو شام ہو چائے کے بعد یہاں کوئی سواری نہیں ملتی میں نے ایک گلی کریں بے لائی۔ فیض صاحب کو بتایا میں نے تو بہت کوشش کی کہ کسی دوست کی کار میں جائے مگر کہیں سے کار مل سکی۔ فیض صاحب نے سن کر کہا یہ بھلا ہونے کی کیا ضرورت تھی مجھے کہہ دیا ہوتا میں کئی دوست سے کار مانگ لیا۔ مجھے فیض صاحب کا یہ انداز بہت پسند آیا۔ ان کے اس رویے نے مجھے فیض صاحب کی عظمت کا اور بھی محظوظ بنا دیا۔ میں تو جب فیض صاحب پر ہاتھ لگنے سے نہیں میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں فیض صاحب کو نہیں جانتا۔ یہ الفاظ میں اس لئے نہیں کہہ رہا کہ یہی الفاظ انھوں نے میرے ہاتھ میں بھری کتاب ”پہاؤن منکھو“ کی تقریب دہرائی کی صدارت تقریب کی ابتدا میں کہے تھے۔ فیض صاحب نے فرمایا تھا ”میں تقریب کو نہیں جانتا میں اس تقریب کی صدارت کے لئے جناب استاد داس کے غم سے حاضر ہوا ہوں۔“

فیض صاحب نے حاضرین کو بتایا چند روز ہوئے تقریب میں میرے مگر آیا تھا۔ اس نے مجھے اپنی کتابیں دے دئے کے لئے دی تھیں۔ میں یہ کتابیں دے کر جبراً ہوا کہ تقریب تو میرا دوست ہے۔ میرا ساتھی ہے میرا ماسٹر ہے مگر ہم بہت کچھ نہیں کام کرتے تھے یہ بھی ہمارے ساتھ کام کرتے تھے

میں اب لڑھا ہو گیا ہوں۔ اس پر حلقے میں کھٹے لوگوں کو یاد رکھنا ہوں ان لوگوں کو بڑوں لوگوں میں حکیم بھر چکا ہوں۔ یہ جگہ کاغذ ہے۔ آج کل میری یادداشت بھلا کر رکھ دیتے ہیں جاتی ہے مگر میں بھر مٹی لوگوں کے نام یاد رکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور بعض دماغ بچان کی کوشش کرتا ہوں۔ فیصل صاحب نے کہا میں تمکو سردار جی کو نہیں ہوں کیوں مجھے آپ کا نام یاد ہے

پا حوروہ تھا میرا کام جلسہ میں تقریری کرنا تھا بلکہ وہاں حوروہوں کے جلسوں میں وہاں بچتا اور حدیثیں لکھتا اور کچھ لکھتا تھا۔ اصل انسانی کا انداز آپ بھی نہیں اس زمانے میں اچھا جیسے میں سے بڑا تھا انہیں میں میں ایک تو جیسے مگر کوئی ہاتھ کی سے جلسوں میں آتے ہوئے دیکھتا تھا۔ یہ مجلس گندی رنگ اور مہانے قدر اور مضبوط جسم کا تھا۔ یہ مجلس سفید

آتا ہے۔ میں اس بات کا بھی محسوس تھا کہ یہ مجلس کے بعد کی طرح سفید اور صاف شفاف فیصل ہوا ہے میں جس میں غیبی انجیل ہے شریف آدمی ہے۔ یہ مجلس ہمارے جلسوں پر کرانے کے غلطوں سے غلط نہیں کرنا تھا ہمارے ہی نہیں کے ذریعے بدلہ ختم کرنے کا حکم دیتا ہے اور ذہنی ہمارے دور کوں کو ذرا دیکھ کر آتا ہے۔ کئی کئی گھنٹہ ہوتا ہے وہ لکھتا تھا



حکیم شریف صاحب۔ جس کی باریک دہلی

مگر آپ کی شکل بھول گیا ہوں۔ مجھے اکثر نام بھول جاتے ہیں اتفاقاً یہ فیصلیں یاد آتی ہیں۔

1950ء کا ذکر ہے جب میں نے فیصل صاحب کو ممبئی میں عربی محنت کشوں کے جلسہ عام میں دیکھا۔ خاکسار ان دنوں دیکھنے سے ٹوٹا اور کتاب میں حوروہ تھا۔ ساتھ ہی دیکھنے سے درکنز چوگلی میں حوروہوں کے گھب۔ ہمارا مرزا ابراہیم کی قیادت میں حوروہوں کی قیادت و حوروہ کا کام کرنا تھا میں ایک ان

صاف شفاف لباس میں ہوتا تھا جیسے کہ میں عموماً ٹھکانہ گھنٹہ وقت سے پہلے آ جاتا تھا اور ایک کرسی لکھی کر ایک کونے میں بیٹھ جاتا تھا اور غاموٹی سے سرایت پینے ہوتے اپنے لیڈروں کی ادائیگیں کو یاد دیتا تھا۔ عام لوگ رات کو سوتے ہوئے خواب دیکھتے ہیں مگر یہ مجلس دن کو بھی انگوٹوں سے خواب دیکھتا تھا میں اس مجلس کو دیکھ کر اپنے دل میں اتار دیا تھا کہ یہ ضرور کوئی غیبی پریس کا انجیل ہے جو ہمارے جلسوں کی درست لکھتے

میں بیٹھتا تھا بھی ہے۔ میں کافی عرصہ تک اس قیادت میں رہا رہا اور حوروہ کے بعد میرے ایک حوروہ ساتھی رہے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ تھے تم قادیان سے غیبی مجلس انجیل کو یاد دیتے ہو تو قادیان کے لیے ہزار قریبی پندرہ حوروہات فیصل اور مجلس ہیں۔ میں اس انکشاف پر اپنے دل میں غصہ شروع ہوا بھر مٹی لکھ ان سے ملنے کا اشتیاق نہ ہوا۔ میں اپنے دل میں سوچتا تھا اگر یہ لیڈر قریبی پندرہ حوروہات فیصل اور مجلس ہیں تو

جب ہم ترقی یافتہ ممالک کا نقشہ گروپ کی شکل میں
 ادارے بطور میں کرتے ہیں تو یہ ان کے ساتھ کیوں
 نہیں کرتے۔ اس لئے ہم کو اپنی اہمیت ایک سیدھے الفاظ
 میں اظہار کرنا چاہیے۔ ان کے لئے اس لئے ہم نے
 سرور احمد کو مسٹر ڈاکٹر کی شہرہء اعلیٰ عطا کیا ہے
 مابعد میں کی آرا میں سے کے جو وہ ہیں کے بطور
 میں اس کے لئے ہے۔ ان کے لئے ہے۔ ان کے لئے ہے۔
 سولے لاکھ روپے کی رقم بھی کرتے تھے۔ یہ وہ ترقی یافتہ
 قریب کے کتاب کا تھا اور یہ بات میری کہ میں نہ
 اتنی بھی کہنے والوں میں سوچتا تھا کہ میں کہتا رہا ہے
 اگر یہ ممالک ترقی یافتہ ممالک ہیں تو ان کے
 ساتھ راجہ کی شاہیوں کا فائدہ کیوں نہیں دے سکتے
 پھر کہتے ہیں کہ ان کے لئے ہے۔ ان کے لئے ہے۔
 شعر کاٹنے کے بعد کہتے ہیں کہ اس کا فائدہ کیا ہو
 میں نے شعر کا ہے کہ یہ نہیں تو ہم اہل کے گود میں
 بند رہا ہے۔ پھر میں نے اس مسئلہ پر سوچنا کہ کیا
 اور اس خیال کو رد کرتے ہیں اس لئے اس کے لئے کہ
 باہر نکال دیا۔ لیکن صاحب قید و بند سے رہا ہو کہ
 نظر آئے اسے تو میری کہتے ہیں کہ یہاں محمود "میراج" ہو

کی" کے عنوان سے شائع ہو کر مارکیٹ میں آچکا تھا۔
 میں نے بھی مندرجہ بالا کو ساتھ لے کر لیکن صاحب کی
 خدمت میں حاضر ہوا میں انوں لیکن صاحب و پیچ
 پاکستان کے واقعات کو بھی میں دیتے تھے۔ ہم دونوں
 جب اور ایک دم میں پیچے تو وہ کہہ رہا تھا ایک
 آرٹسٹ کے کہنے کے لئے کہ یہاں تھا وہ روز فریٹ
 سے کہی ہوئی تھی کہ اس سے بڑے مصروف کی خوبصورت
 واقعی تصویر دیکھوں یہ کہ وہ اس میں کیا عارف
 عارف پاکیزہ ماحول تھا لیکن صاحب ایک گریہ پر
 بیٹھے ہوئے کوئی کتاب دیکھ رہے تھے مگر کہتے
 ہوئے اگلے بڑے پیار سے لے رہی تھی مندرجہ بالا
 لے لیکن صاحب سے میرا دوست جو وہاں رہتا تھا کہ
 "لیکن صاحب نے میرے دوست کو وہاں رہنا دیا کہ
 پرش ہیں انہوں نے صاحب اہل خانہ میں کہا تھا کہ کیا
 کتاب لکھیں ہے۔ یہ آپ کی فکر کر لے آئے ہیں۔"
 میں نے کتاب ان کے حضور پیش کی کہ وہ مگر کہتے ہیں
 شعر کے ساتھ لکھتے کتاب لے لی اور وہ کہہ کیا کہ
 وہ اسے ضرور پڑھیں گے۔ لیکن صاحب خان سے
 آئے کے بعد ادارے میں اور بطور میں بہت کم

آئے تھے تاکہ وہ اپنی دلی دلی کے پھر میں نہیں
 لگے ہوں گے۔ لیکن ترقی یافتہ ہیں کے بطور میں
 ان سے ملاقات ہو چکی تھی کہ وہ کسی کو باور کھتے کے
 معاملے میں ہذا اہل کی طرف تھے۔ شاید ان کا کہنا یہ
 تھا کہ زندگی کی طویل تاریخ پر یہ مگر کہ وہ اہل
 ہاؤ۔ کہہ لوگوں کا خیال ہے کہ لیکن صاحب یا تو مشہور
 ہیں یا ان میں زیادہ جانتے ہیں کہ کسی کا لکھ نہیں
 کرتے۔ یہ بات نہیں ہے۔ میرے مشہور میں جو
 بات اہل ہے وہ یہ ہے کہ صاحب خاص دوستوں کا طوق
 تو پھر لکھتے تھے "اپنے اپنے پس منظر پر لکھتے کہتے
 تھے اور بہت خوش ہوتے تھے۔ ان کا پھر وہاں ہو
 جاتا تھا۔ اس میں مگر کسی جانیت آچکی تھی۔ وہ
 جہ سے میری عاز میں کل کر لکھتے کہتے تھے وہ مشہور
 واقع کے سوانح دہانتے تھے۔ میں ان کو بیست کی
 گھنٹاں لکھتے تھے ان کے پاس سے لکھتے کوئی نہیں
 پتا تھا کہ وہ عام طور پر چپ کھاتے رہتے تھے۔
 لیکن صاحب مصروف میں "میں پھر وہاں تھا اہل
 انسان تھے۔ اس کا معاملہ میں بھی ان کے پھر ہے
 جوانی کی کسی تاریکی اور شگاف کی ان کی کہانیاں میں
 بڑی شخص تھی اور یہی ان کی محبوباتی میں تھی۔ لیکن
 صاحب اپنی لائٹ کا نکات سے آگ کر کے نہیں
 دیکھتے تھے بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ چاند کی اپنی چھاتی
 کا ایک گواہ تھے کرتے تھے۔ وہ مشہور میں صاحب کو
 ضرور تھے۔ پاکستان کے ترقی یافتہ ممالکوں میں
 واحد تھا کہ ان کے عنوان نے اپنے آپ کو ان کا کہنا
 اور اپنی زمینوں کا ساتھ کسانوں میں تقسیم کی تھی۔ میں
 لیکن صاحب کی خدمت میں میں سال کے بعد وہ سفر
 ہوا تھا کہ کہ کہ وہاں وہ کہا کہ لیکن صاحب بہت دل
 کے تھے۔ ان کے لئے کے لئے کے لئے کے لئے کے لئے
 لاکھ سے ان میں بڑی تبدیلی آچکی تھی وہ اب واقعی
 فوری کیا ان کو دیکھ رہے تھے ان میں جانوں کی کی
 برائی آچکی تھی۔ اب وہ پاک و پھر رہتے تھے



لیکن صاحب اہل میں کے لئے کے لئے کے لئے

مادانگ لب لڑھکے ہوئے تھے۔ اب اس میں پہنے کی سی ایک بڑا ہو چکی تھی اور شامی میں بھی کئی قرعائی بٹیا ہو گئی تھیں۔ شاہجہاں کی وجہ یہ ہو کہ وہ اپنے عیسوی خیالوں کی وجہ سے دھرم آگے تھے انہوں نے بڑے بڑے مراٹھ کا دورہ کیا تھا۔ عظیم بادشاہوں سے ملے تھے ان سے جہاں خیال کیا تھا۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ اب وہ بدولت کم نہیں رہتے تھے پہلے تو یہ حالت تھی کہ فیض صاحب چپ چپ اپنا گھنگھڑا پہنتے تھے اور سر پہتے ہاتھ پہنتے رہتے تھے ان کے ہاتھوں سے بدولت سر پہتے پٹا تھا۔ قادیان کی شاہ بدولت شاہ احمد شاہ انھیں کوئی کرپہن سلیم ہوا تھا کہ یہ حضرت راجہ لکھنؤ کے گھر کی بدولتی کرتے رہے ہیں۔ فیض صاحب کے ہاتھوں پر سکرانٹ فیس کی ہوتی تھی۔ ڈالدار ای ہاتھ پہنی لڑھی دھن کی طرح شریچے انداز میں سکران گران ہوتا تھا آپ کی مخصوص حالت تھی دوستوں میں دوستی صفت دہائی شاعر مشہور تھے۔ اب انھوں نے شاعر تھے بہت کم لوگوں نے انھیں حوروں کے جلوں میں تقریریں کرتے ہوئے دیکھا ہو گا۔ میں نے ان کو ان کی حوروں کے جلوں میں قادیان کئی ہیں۔ فیض صاحب کا شعر پڑھنے کا انداز تھا کہ بدولت اور قادیان شاعر تھے چارہ چوٹی دیکھ پڑ رہے ہیں فیض صاحب اب صرف متوسط طبقہ کے دہائی شاعر تھے بلکہ ان کی شاعری ڈانگہ دم سے نکل کر ہر طبقہ میں طلبیت حاصل کر رہی تھی اب گجگج سٹوں میں عوامی شاعر بن رہے تھے کہ پودانا چل گیا۔ 20 نومبر روز منگل دہر کے وقت روزنامہ سرحد کے دفتر میں میں اپنے دوست جو انھیں نئی کے ساتھ فیض صاحب کے مضمون بات چیت کر رہا تھا کہ اس میں ٹپا پڑے فیض صاحب کی ناگہانی موت کی خبر آئی یہ خبریں کہ شہر دہر گیا تھے ان کی وفات کا یقین ڈال رہا تھا۔ فیض صاحب کی موت کے اس پیر صبح مارے نے مجھے ہمارے گھر

اور میرے جسم کو سرور کیا۔ ایک لمحہ کے لئے میرے سر پہنے گئے کی تمام تھیں بے کار ہو گئیں۔ مجھے خیال آیا کہ مجھے عظیم ہنسنا اور مجھے عظیم شاعر تھے۔ میں آنکھیں بند کر کے سوچنے کا میری آنکھیں بند ہونے ہی تصور کاہن چہ نکل گیا اور میرا خیال بچے ہوئے لاجپت گداری ہوئی ساتھیوں ذہن کے پردے پر کسی قسم کی جھلک جھلک کر پائی تصور کی بے جا انداز ہمارا کر مارے آئے تھیں۔ وہ اس کے طہرہ تھے نصف حراج تھے لڑا تھیں سے بحیثیت اشراں وہ بہت اچھے تھے۔ ہر خلی ان میں موجود تھی۔ فیض صاحب نصف صدی تک اپنی شاعری کے لیے کے دور پہ چلا دیا تے رہے۔ وہ انھوں کے ساتھ تھے ہندو مت کے خلاف اس امرات کے مصداق بہت کے کتب سمن کے ہر حور اور اشراپ کے شیدائی۔ میرا اس کی ناگہانی موت پر فرحانم سے لہرچہ ہو گیا۔ میں بچوں کی طرح بھوت بھوت کر رہا تے گا ساری تمام میں مذاب گیا۔ میں سوچنے کا وقت کا قادیان تھی میری سے گزر جاتا ہے زندگی تھی چاہتا رہے اور موت کئی بہ دم اور ان کی حقیقت ہے کوئی کسی کے لئے بکواسی نہیں کر سکتا انسان موت کے سامنے نکلا ہے کسی دیکھ رہے میری آنکھوں میں ایک آنسوؤں کا سیلاب آیا

میرے ہاتھوں سے دہائی دلی سکھائی گئے تھیں ایک ایک حور میری آنکھوں کے سامنے زندہ ہو گیا۔ فیض صاحب کو مرحوم تھے ہوئے ایک گریب اس میں ہوتا ہے ایک ایسی شخصیت ایک بی بی اراشدان تھ انھوں تھیں بلکہ کروڑوں لوگوں کے دلوں میں بیتا قدم وہ کیسے سر سکا ہے فیض صاحب نے اپنی زندگی میں دولت نہیں جانی ذوق محاکات کرنے کے ایسا اپنے اعلیٰ اعلیٰ اور ہندوستان نے عدست دے دے ہیں ان کے دوست پاکستان میں بھی نہیں لایا ہمارے چپے چپے رہے ہوئے ہیں بڑا اہمیت مذہب اور مذہب کے کسی بھی مسئلہ میں وہ اس لحاظ سے ہمارے کامیاب ترین انسان تھے۔ جب انہوں نے سزا آخرت اختیار کیا تو ان کے گھر میں اسے ٹوک دیا تے کہ گھر سے نکال دھوئے گا کہ ذہنی برہمن طوائف کا دوست قادیان دہرے گا اسے کہہ رہا ہے کہ سنے ہے اب قادیان جس وقت فوت ہوئے انھوں نے استاد دھن کے مکان کے لئے اختیار نہیں کیا بلکہ اہل قادیان اور استاد دھن کے مکان کے لئے اچھے اور استاد دھن کا بدولت کن چاہتے تھے۔ جب اخبار دھن فیض صاحب کے گھر پہ پہلے تو فیض صاحب کی جگہ ان کی بی بی میت سہری پڑی ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اس طرح اپنی خاموشی کو فنی
گویا ہر سمت سے جواب دے
فیض تھی راہ ہر سر منزل
ہم جہاں پہنچے گا میاں آئے

فیض احمد فیض اور مزدور

میں انھیں جب بھی ملتا رہتا ہے کے حوالے سے تو بہت خوش ہوتے اور مرزا اور ان کی فکر فرماتے معلوم کرتے۔ لگھتے ان سے حقیقت کی حد تک یادداشت کی رعایت پر مرزا اور ان کی قیادت میں رہنے کے بارے میں نے ان کی صورت میں شرکت کی۔ ان کے گیت 'فریگی' ہم صحت کشوں کے لئے تھی۔ میں اپنے حلیات تھیں کشائی کے اس شعر پر مطلع کرتا ہوں۔

فیض تو سے دعا میں شامل کی تھی قیاس میں ہے جانے اس کو کتا ہے ان سنگ ڈھول سے کیا معلوم
☆☆☆☆

شام کو جا کر بیٹھنے۔ رہتا ہے کامت کئی جگہ بہت کم چمکا کھاتا تھا اور عام کاروباری انگریز کی سی ہوتی تھی فیض احمد فیض ان کو ملنے والی چارچٹھیں جانوں کی کوئی بھی درخواست ہوتی مرزا اور ان کی فکر فرماتے میں نہ صرف لکھ کر دیتے بلکہ ان کو اپنے ساتھ سے چاپ بھی کر کے دیا کرتے تھے۔ یہ ان کا بہت بڑا کام تھا ان کی کم پڑے تھے صحت کشوں پر آج بھی جو حارین رہنا جو بچے ہیں یا انھیں دیا کرتے ہوئے انھیں دیکھنے والا میں ان کا قصہ سن کر کہتا ہوں۔ فیض احمد فیض کے قول دہلی میں کوئی تھا انھیں تھا کوئی خود یہ رکھ رکھاؤ تھی تھا۔ اب اسی نے بے غلامی سے تھے۔

فیض احمد فیض شاعر اور ادیب، صحافی اور دانشور، ناول دان، شاعر تھے۔ اس کے علاوہ وہ ملک کے صحت کشوں کے اور اور دوست بھی تھے۔ ان کی انسانییت سے یادداشت انھیں زمانہ غالب علی سے ہی تھا۔ ہر قسم میں ان کے زمانہ غالب علی اور بعد میں ان کا کے طور پر انھوں نے سہی طور پر اس فکر میں میں صبر کیا اور انگریز سامراج کے خلاف اور برصغیر کی آزادی کے لئے ہوتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان بننے کے بعد انھوں نے پاکستان کے ان پڑھ صحت کشوں کو آزادی کے فرائض کا شعور دینے اور ان کے دھوکوں کا دھار پانے کے لئے بہت کام کیا۔

پاکستان میں سب سے پہلا ان کا جانت کے ملازمین کی انجمن سازی کے لیے انھوں نے لڑے جو میں کو عظیم کی اور زمین کو عظیم پانے کیا۔ اس کے علاوہ پاکستان کی پہلی ٹیلی گراف کی قری مرزا اور ان کی عظیم پاکستان لڑے جو میں فیض بلوچ کے نائب صدر بنائے گئے جبکہ مرزا اور ان کا ہیام صدر تھے۔ انھوں نے ملک میں صحت کشوں کی صحت مند انجمن سازی کے لئے اور سے سکے اور اس عظیم میں صحت کشوں کا شعور مقرر کیا اور ساتھ ہی ساتھ صحت کشوں کو ملٹی سرگ کی کا دیر تعلیم بھی دینے دے تاکہ وہ اپنے اگلے نئے کو پہچان سکیں۔

فیض احمد فیض کوئی عرصہ تک کوئی شاعر میں جے گزرا ان اس میں جو رہے اور گزرتے میں کا دفتر ہے



دہلی میں کی دیر بعد دہلی میں صحت کشوں کی سامراجی مرزا اور ان کے جیسے جیسے بلوچ خطاب کر رہے ہیں



چشم بزرگ و خرد



چشم بزرگ و خرد



چشم بزرگ و خرد



چشم بزرگ و خرد

چشم - صادق



نیرتہ ہفتوں کے پہلوں کی چابوت شکریم



نقش کرنے کوئی تصویر حسیاں پلے

گل چمنستان

دست تہ رنگ



بیاد فیض

ہم بہت ہوں حیران ہوں کہ کیا نکسوں
میں جیڑی بات کہ دنیا کا بڑا نکسوں
نکسوں کہ تو نے محبت کی رشتی نکسوں
تو نے غم کو حناؤں کا چٹل نکسوں
جہاں بڑا بہت ہوں، صلیبی اکیلا ہو
تو کہیں نہ اپنی دہلی کو بھی کہہ نکسوں
تو نے بغیر ہے ہر عقل شکست فرمائی
تو پہل "بست مہا" پر ہے آہ نکسوں
مثال "دست نہ سنگ" قہی دہ ان کی
سو کہ طرح انہیں پارہا پارہا نکسوں
صدمہ کوچہ قاتل ہے بارہ دہان
سو اس کو قسم تھوڑا نارا نکسوں
جگہ جگہ ہیں "مصلحتیں مرے در پہنچے ہیں"
سو ام غنیمت و حضور پہنچا نکسوں
گرفتہ دل ہے بہت "شام شہر یاد" آج
کہاں ہے کہ تو تجھے مہل بلوا نکسوں
کہاں گیا ہے "مرے دل مرے سہرا" تو
کہ میں تجھے نہ دہ حیران کا ہوا نکسوں
تو مجھ کو بھڑکایا کہ کے "نہو ہائے دہ"
میں کس طرحاں تجھے اسے "دست ہے دہ نکسوں
"شہید ہم سہاست اٹھائے جاتے ہیں"
خدا کرے کہ میں میرا مرتد نکسوں

نذر فیض

جو فیض سے شرف مستحق دیکھتے ہیں
کہ وہ دل "دہ" سے لبیب زیادہ دیکھتے ہیں
دہ کو ملکچہ حرف چائے دالے
ہلوں کو صدمہ صلی کشیدہ دیکھتے ہیں
شب حال بھی ہم نہ دہاں منزلہ خلق
دہاں کج سفر کا نارا دیکھتے ہیں
بہال چہرا قہرا سے سرخ دہ ہے جو غلاب
اس ایک غلاب کو ہوا دہاں دیکھتے ہیں
مقام شہر کہ اس شہر کج دہاں میں بھی لوگ
لواہ حرف دل آواز دہاں دیکھتے ہیں
مقام لیکن بھائی "دہ" فقیر کے پاس
جو آئے آئے کہ ہم دل کشادہ دیکھتے ہیں

نذر فیض

ارباب ہوش منزلہ آسودگی میں ہیں
ہم تو قری حاشاں میں حیران سے آئے ہیں
جس دل سے زندگی کو لی تھی سہری
ٹٹے مرے دیال کے اس دل سے آئے ہیں
سرا کی دیکھ چاند ستارہ ہی مگی
جگو نظر کے دہاں عمل سے آئے ہیں
کلی جہاں بھی خلق کے قدموں پہ چنگ مگی
ہاں ہو کے کوچہ قاتل سے آئے ہیں
کلی ہائے دست کے ساتھ ہی اصل کے
جو "آئینہ" ہے اس کے حاشاں سے آئے ہیں

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

نوحہ

ادھر جو نقش تھا

تجائی

وہ عیش و ہنس شادی رونی

ہوا کیا

وہ جھوٹے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے

سر سڑکوں پر نہیں

وہ آہستہ میں بھی تھا

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

یہ چاروں کھانچا یہ شبِ مہرے ساتھ

وہ سرد و گرم بھی تھا

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

انہی اس گرم کے طوفان میں تھے قدم ہرے

وہ غم و درد بھی تھا

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

مجھے کیوں بدحوالی ہوئی کہ بہت دیر ہو گئی

وہ کھانچا میں بھی تھا

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

انہی اس کے خیر و شر سے

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

نہیں وہ ہر پہلو سے گھبراہٹ

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

رنگ ساز میں کئی پانچ دن گزر گئے

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

کی گلی میں کئی

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

کئی گھر پر کئی گلی میں رہا

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

کئی گھر پر کئی گلی میں رہا

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ گھر پر کئی گلی میں رہا

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

میرے ساتھ شبِ مہرے

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

یہ چاروں کھانچا یہ شبِ مہرے

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

میرے ساتھ وہاں میں کئی گلی میں رہا

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

میں صداوں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

دلہا چلے میں رہا

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

جہاں کئی گلی میں رہا

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

انہی اس گرم کے طوفان میں تھے قدم ہرے

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

مجھے کیوں بدحوالی ہوئی کہ بہت دیر ہو گئی

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

انہی اس کے خیر و شر سے

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

یہ گلی میں کئی گلی میں رہا

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

☆☆☆

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہ آواز کا تو کئی بھی نہیں انکلی بھی نہیں

وہاں کیسوں

تھیں ان کے چار دفاتر، جی بی بی

چرخ آگئی

زمرہ اس میں

ملا کرتے تھے ان کی اپنی

رواں کی آگ کی آگ

آگ کی آگ کی آگ

کے بارے میں

سکون کی آگ کی آگ

کہاں ہے وہ اس وقت

جہاں ہے وہ اس وقت

اول کا پتہ مل رہا ہے

رواں میں انور ہوا ہے

وہ نئی نئی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

تھیں ان کی آگ

وہ گواہ رات کر گیا

میرے عشق کا وہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

وہ گواہ رات

حکیر غلوں دور

مے خٹک، جاتی لی کہاں تو نے
مے چف کی سائی ہے داسوں تو نے
ظلوں و دس کے جذبات ہو چکے دیو
کیا ہے جذب بہت کو چاہوں تو نے
کیا ہے زلف شہوت کا بائیں ہار سے
کہ ٹوٹی دلی میں ادا کی ہیں اکلیں تو نے
جہاں بھی علم و رسم کے بارے ہوئے
وہی پہ لڑن کے ہر کے نکلیں تو نے
ترا کام ہے صحت شاد و صبر، لعل
کیا ہے خود محبوب دقا جان تو نے
جڑنے عالم احرام میں لڑ کے چارٹ
کیا فرماں بہت کا آہاں تو نے
خود گرہی تمام جہت کیا آخر
کہ دلی ہے دلی، جہاں میں بھی اس تو نے
تری صدا سے ہی لڑاں نکلیں کہ وہ جو
مٹا کی زہر گلیوں کو بھی لڑاں تو نے
وہ ہم فیل ہے یہ تمام شہر دلی ہے
دور دست بھی ہے کے عیاں تو نے

☆☆☆

”فیض ہوئے ہیں سر کے سر“

جو اہل لڑ ہو جاتے ہیں
جو اہل فکر ہو جاتے ہیں
میں جاتے ہیں جو جاہی فنی
جو اہل ہر ہو جاتے ہیں
جو جاتے ہیں وہ دور اثر
جو دور اثر ہو جاتے ہیں
جو زلف ہو کر جاتے ہیں
جو زلف ت ہو جاتے ہیں
جو جہت میں نام جاتے ہیں
جو لعل و گہر ہو جاتے ہیں
انیا کو دلی کرتے ہیں
جو غم و فکر ہو جاتے ہیں
سرے کو سب جاتے ہیں
اب فیل ہوئے ہیں سر کے سر

گمشدہ صدا بھی

دست لک ہے نام کا
نگلی لکھی ہیں
لکھنے کا عالم ہے
دور سے لکھاری کا دور یہ کمال ہے
جسم ہوتا کہ کئی ہیں
زلمہ نام لکھی ہیں
خانوں کی آواز میں گند ہیں ہاں یہ
ہر طرف اوی ہے
نگلی ہوا بھی ہیں
دور میں لکھی ہیں
گمشدہ صدا بھی ہیں

☆☆☆

☆☆☆

فیض کے نام

کل تھا وہب میں تخیل میں تھا
ہجر کے ہیبت کے اندر
خاموشی کے سرگھن میں
لپٹے ہوئے تھے فٹے سرے
کالی سداغوں کے نگل میں
دوستوں کی اور محبوبوں کی
کھوئی ہوئی تھی سب آدھری
تیرے لئے ساتھ تھے سرے

ہر ذری آواز کی شعلہ
گھاس کے لب تر کر جاتی تھی
گل کے کنارے صحرائی تھی
ٹاٹھکی رنگت ہی کہ کھڑ
روئے جہاں پہ چھا جاتی تھی
چاندنی اکھنوں میں کہ
آملورانی کے پتوں پر
تھک کر جیسے سو جاتی تھی
اور میں تیرے نازک شلے
پیارے گیتوں کا گھڑو
اپنے حوض کینے دل سے گانے
خوابوں کی علی دادی میں

آج سنا ہوتا چلا
نیل سے باہر آجاتا تھا
علم کے دل پہ چھا جاتا تھا

آج مکتوبہ ہے ساقی
کھنکھن ہے جوتی کی دنیا؟
قلبِ ظہری ہرودی ہے
بارگاہِ تہنائی میں
چرکی خاموشی میں ہے

آج ہے جب تو تخیل میں تھا
میں اپنی آواز کا شعلہ
اور اپنی نگاہ کی نگل
گیتوں کے غم میں دکا کر
حیرتی خاطر کھجور دھوں
یہ میری آواز ہے لیکن
صرف میری آواز نہیں ہے
جوشِ مفرق آواز ہر دہلی
مصنوع ساز کرشی تھی
میری زبان سے بول رہے ہیں
ہم کے سارے گیتے دالے
ناپنے دالے گانے دالے
اپنی امت کے گیتے
حیرتی جواب کھجور ہے ہیں
بھٹی ہوئی یہ شاعراں
دیکھا میں کیا بھول کھلے ہیں
شعلہ نگلِ شمع کی
چھترے ساقتی آن لے ہیں
نہ ہے گویا ہر کی بھٹی
اور اپنی آواز کی دھاری
دلی اور دور کے گیتوں میں ساکن
پھر اکی کوئی یاد نہیں جو
دھن کو تحسیم کر سکی

میرے ہاتھ میں ہاتھ ہے میرا
تیرے ہاتھ میں ہاتھ ہے میرا
سائیں کا زہد نام ہے کیا
ہم آجگ ہے چاہ قدم کی
ایک ہی بارہ ایک ہی منزل
ایک ہی بجلی ایک ہی قفل
ایک ہی حلقہ ایک ہی مائل
بھڑ بھڑی کا پانی
ٹھنڈی ہے کھانک کی گہری
گائے کے گھن سے دھڑکی دھاری

ساوان بھلاؤں میں کہ رہیں
سبز ہیں کھیلوں کے انگلیں
بھٹی رہے والی کی چھانگل
دلی میں ہو کہ نہ اٹھے پائے
چپٹ میں بھوک ڈالے پائے
گیہوں کا خوشنور
دلی تاج بکھیر کر آئے
ماہی کے چھتے درجے سے بھٹکیں
بھٹی رہیں بچوں کی بھٹکیں
زخموں کے گہرے سائے میں
رنگ رہ گئے آدھوں میں
نئے نئے چٹو بھٹکیں
چلے گئے تو چٹاں بھٹکیں
ٹاٹھکیں بھٹکیں چٹاں بھٹکیں
بھٹکیں بھٹکیں چٹاں بھٹکیں
ٹاٹھکیں چٹاں بھٹکیں
اسی دھار کا روشن دھار

اپن حصہ ایک ہے رقی
اس حلقہ کے گہرے
خاتمِ سخن آواز کا قافل
سجے ہیں گھڑائے ہوئے ہیں
بھٹی بھٹی، بھٹ بھٹ
علم کے بادل چھائے ہوئے ہیں
زخموں کے کالے شعلے
ناگ ہیں چٹن پیمانے ہوئے ہیں
علم سے لکھن دار کیا
سو سے پیلے مرزا کیا
"بول کہ لب آواز ہیں تیرے
بول دہاں سب تک تیری ہے"
☆ ☆

جہاں دستی کا استعارہ

آج کی شام فیض کے نام

ایک تیری یادوں کی سے چمک رہی ہے ہم۔ ہم
 اسے سب کے گلے سے لٹا رہی آج کی شام ہے میرے نام
 تو نظروں سے دور ہے لیکن دل سے کی کہہ رہی
 دھڑکی دھڑکی کٹھن رہا ہے جبری چاہت کا نظام
 چاہ رہے تھکوں کی ایک ساف ساف دہنی ہے
 اب بھی تیرے پیار کا سایہ ہیک رہا ہے گام بہ گام
 تو نے دہنی سے دور بھی گائے کیت دہنی کی قسمت کے
 تیرے بسے میں آئے ہیں بھر بھی دہنیوں کے دشنام
 تو نے اپنے لہی کا سرمہ لکھا دہنی حروف پر
 لکھی کچھ ماحرف شاموں نے بھٹا تیرا آرام
 ظالم لوگوں نے لکھے جو اپنے دل کی کاک سے
 تیری ایک لٹھی نے دور ڈالے وہ مارے اہم
 بے انصافی کی اس رو کو قلم بھی ہوتا ہے آخر
 ہر آنکھ کا دیکھا کرتا رہتا ہے اس کا اہام
 سحر سال کی عمر تیری لٹکلی ہے سحر صدیوں پر
 نورا و قلم کے ایک نے کھسا ہے میرے لئے وہم
 میرے ماحول میں مثل فیض ایک ٹھوس جیتنی میں ہے
 جانے اس کو کتا ہے اس تک ڈالوں سے کیا انعام

☆☆☆

وہ تازگی
 وہ عشق پورے صوفی شہر
 چاہا میرا
 سو رہا مہا
 جس سے دشمن قحطی آنکھ میری
 وہ لکھی میر
 وہ لکھی میرا
 نگہ داری کی آہن جس سے
 وہ دست داری کی نشان جس سے
 وہ میرا دل وہ میرا سنا
 وہ میرا دل وہ میرا
 محلوں کا سلیقہ جو
 رفتوں کا نشان تھا جو
 حرف و رنگ کی آبرو تھا
 ایک نفی ایک ہم دور ایک سو تھا
 غرض فقر و غنہ و غور تھا
 گھبراہٹ و غم و چارہ گری
 بھڑکوں کا وہ دھڑکا رہا
 خواب آسارہ قلوب کا

پہلا آئیں سنا سنا
 چاکسلی سی سنا سنا
 وہ آواز تھا
 وہ آواز نے وہ سنا تھا
 سنا سنا میرا تھا
 جسم پانی گھسٹا تھا
 آگنی کا آواز تھا
 شعر و غزل کی پانی میں
 ہوا کے ٹھکانے
 گل و جان و دلی

گلشن میں گل بارش بہاری نہ رہا
 غم و غم شعر نگاری نہ رہا
 شعروں کے یمن کی فیض پانی نہ رہی
 جو فیض کہ پانی تھا سو چاری نہ رہا

شعروں میں جہاں فیض رہے گا وہیں
 ہر دل میں نہیں فیض رہے گا وہیں
 دیا سے چھا ہو کے اوپ دیا میں
 سرکار جہاں فیض رہے گا وہیں

☆☆☆

رہتی لہوں کا سحر دلی گراں دلی
 حرف و صوت و لفظ و سن کا راز و راز کوئی
 اس کوئی دلی دلی دلی دلی
 نظر سے دلی
 وہ گیا ہے میرے میرے
 آگنی کے آواز کا وہ سنا
 زہری کا سحر و سحر
 وہ میرا پیرا
 جہاں دستی کا استعارہ

☆☆☆

باقم کی آواز

باقم کی آواز نے میرا سارا وجود یہاں جلا دیا
اور میرے اندر یہ چھائیاں ابھی مصدوم ہونے لگی ہیں
میرے خوابوں نے طغیان کیا
اور میری قبروں نے زندگی پانا کھڑا دیا ہے
شامِ بھروسہ کے گنج
انہ میرا نے وہی یہ چھائیاں کوکس نے دیکھا ہے
مگر وہ میری دودھ پوٹی ا
سورج ہمارے دھڑکنا کر کے غریب لگا رہا تھا
ہم کو نہیں بہت مارا کھانے
بہت ڈھنگ سے
اور بہت بڑے گھٹنیں برداشت کرنے کی عادت ہے
ہم اپنی تمام تر زندگی اور حالت کے باوجود
شر کے دوسرے کنارے سے آنے والی
روانے کی آواز میں آواز دھار کر
رو رہے تھے۔

ہمارے آواز ہونٹ

بے شمارت پرے

اور بے صاف کان

بے جان ہوا کی طرح

دھنکوں کے گڑبڑ سے ہے تھکے

ہمارے سنوں کی آوازیں بستیوں کا بھیجیں

ہم سے زنجیر اور دھما

ہمارے گھٹنوں کو اس نے

غلاب آگیا کیا تھا

اور ہمارے خوابوں کی داغ بیل

تعبیر کا سیدھ دیکھی اس نے ہی لگا رہا تھا

اس زندگی کی فصلوں کے قصبوں سے

اس کی آنکھیں ہانگی تھیں

اور اس زمین کی کھلی ہوئی کوڑیاں

اس کے لیے روشنی تھیں

وہ اندھن گناہ سنا کر رہا تھا

وہ اندھن تھیں یہ بتاتا تھا

خوشیوں پر کھاتا تھا

اس کی سحر اس سے بھی شہر ساقی تھی

اور وہ پاؤں سے بھی

اس کو نہ انوں سے ابھی بات کرتی آتی تھی

اور طوفانوں سے بھی

ہمارے لال کی سیاہیاں دھوا

اور ہمارے پادامہ رو کی سیمائی کرنا

اس کا شمع تھا۔

یہ دیکھ کر جس نے غریب بنی ہوئی تھی

اس کی صفت کی تھا کھٹائی لگی تھی

یہ دیکھ کر جس کی نظر تھی

سو بھی نہ چاہا کہ سمجھ دیتی ہے

اس کی زندگی کی خواہشیں کڑی لگی ہے

مصدقوں کی گہرائیاں بھی

اب وہابی آنکھوں میں آ جا کر

جب بھی ہم اسے جھک رہا صوفی سمجھتے ہیں

باقم کی آواز نے ہمارا سارا وجود یہاں جلا دیا ہے

اور ہمارے اندر یہ چھائیاں ابھی مصدوم ہونے لگی

ہیں

☆☆☆

یہ طبلِ توحف کا ہے

رہم نے ہر میرے ہاتھوں پہ بتایا ابھی تھی

اور کے لاکھ پانچ بھائی ہوئی

دھشت میں آجوں چھائی

وہاں یہ وہاں کھائی تھی۔

خوابِ غلاب

جڑت کا ہلکا چپے ہے

سائے کے چھائی پر سے کی رہا

بھیجے ہے

کوئے لا حاصلی

بھیجے ہے صاف فرات

قلم کے چپے سے سرائے جاں لقا ہے

کبھی صاف سے جد وقت کا پڑھتا ہے

یہ طبلِ توحف کا ہے

یا کہ غریب جانے کا

یا چار غلاب امید کے نغمہ جانے کا

☆☆☆

آپ تو جو جس کو کون کے

جانے پہ تیرے قریب قریب کیا کیسے کیا اورانی ہے
نہ نے ہی راستے کے آگے آگے میں اب جراتی ہے
مٹل ہے کوئی کدہ کر گزرتے، چپ رہے میں آسانی ہے
منسوب ہیں محسنِ دہرہ جس سے غلاب طاسی ہوتی ہے

دل ہے جان فری ہے، جو کوئی بھی تو محسن نہیں ایسا
آئے دنگر اک انگڑا بھی راست کے عورتی بری ایسا
رحمت ہے جہت کے خسرو کی جتنی کہاں ہے گیس ایسا
ہو سبک عین ہی جس کی سبک نہ چھوٹے کھینے کا نہیں ایسا

مٹل کی رہائی سے تھی مائل، تو یہاں نیست ہے کسے
برخلاف میں انکسار سے کی اس طرح میں آپ رحمت ہے کسے
جس میں پہ محض رہا آپ دم میں ایسی نہ ہے کسے
اس خاک جانی کے انہوں سے تو دل کی ہمارا جنت ہے کسے

ہاں میں چلی زلچوں کو اک طرف تو نظم تو نے دیا
دل دل میں کھینچے جہاں کی کہیں کو ختم تو نے دیا
ہیت سے دیکھ جانے دلی راست کا ختم تو نے دیا
ہاتوں پہ پھلے انھوں کو جس میں سا دھم تو نے دیا

نکھ میں گواہ کر رہی کہ تو کو چڑھناؤں میں
مستوب رہا تو انہوں میں، محبوب رہا بیگانوں میں
ان دلیں سے اہت ملی کیا کیا نہ تھا تو نے انہوں میں
دشمن تھے انہوں میں تھے، خاتون کہاں خرابوں میں

انھوں کے ہانے، دکر کے انہوں کو زباں تک دلی تو نے
ہر دلی میں خدائیں بھی، ہر بات بھی جو بھی کی تو نے
انھوں کو ختم ہو رہا، مٹی کو جو بھٹی تو نے
کر کے کو بھی، کیا کچھ سیکھا ہر دم کی جتنی گئی تو نے

محب سے بہت کے نہایت جی و جہاں تک سے جتنے
ہاں پہ تیرے تیرا دل ہے، انھیں بھی، دیکھ دیکھ لے

شب جاس آکے خمر گئی، تم ہر دل پہ رقم ہوا
ہر محسنِ دہرہ میں تھا، دلی اند کی کوئی نام ہوا
کوئی لفظ تھا کہ خیال تھا حیرت سے صبر جہاں دلی تھا
ہر عالمِ خام سداقت کہ نصیب ہر دم ہوا
یہ جہاں کی دشمن جہاں ہے گزری غلاب الہم کی
کہ ہر آفتا ہے دہا ہوا دلی نور دم الہم ہوا
حیرت سے حرف کی روشنی اسے زندہ کر گئی جاوید
وہ صدقِ عشق میں کوئی مر، کوئی ہاتھ بھی جو دم ہوا
کسی جہنم غلاب نصیب میں ہر گز نہیں سب بھی چٹک اٹھا
چلے آنسوؤں کے وہ کاتے میرا دم جن کاظم ہوا

☆☆☆

یہ بھی بھاگی نا تو نے، وہ لوگ بھی تھے آپ تو نے
ہر حق و حق رہا جن کا شہر دلی کے قہروں کے تھے

تھک ہار کے کھٹے قدموں کو تھک سڑکی دلی تو نے
تھی روستہ میں صورت، جہاں پہ دلی پہ کیا تو نے
ہر اکھ میں کیا کیا بھائی انھوں کی کھٹے سے ہری تو نے
تو جی کر گیا کیا اس شب کی جس شب کی ہر گز کی تو نے

ٹوٹے ہی کیا قراک جاب اب چارہ بھریں کوئی نہیں
جہاں کی شب جہاں کر ہے، ہر گز دلیوں کوئی نہیں
"میرے، اب خوشیوں سے دلیں اب شوق کا حق کوئی نہیں
خدا دلی دلی بھر رہا نظر اب نہتے کا دلیں کوئی نہیں"

اب تو جو جس کو کون کے کلام میں دلی ہر کیکر
کہیں لیرہ دلی جاتی ہے زہدوں پہ جی ہندو فریکر
گھر سے کوئی لہو آدہ کھتا ہے، وہ زہر دہرے لیکر
پہاڑ کرے ہر محسن کی کٹ جائیں اسی کے پہ لیکر

☆☆☆

فیضِ زندہ جاوید

آکھ سے دے دے ہوئے آج گئی
نہیں ہے ہم راہاں ہم جنی ہم نہیں
کون کتا ہے ہم میں کتا ہے
یا احساں مجھ بھارت کا مقرر
یا اسوں بھگت
یہاں کا نہیں ہے

گزارے ہوئے وقت سے ہزارہ
آج بھی نہیں ہے ہم راہاں ہم جنی ہم نہیں
کون کتا ہے ہم میں نہیں
فیضِ ہوا کی اکائی میں موجود ہے
فیضِ اس صحبت کی لہر زبانی میں موجود ہے

☆☆☆

فیض احمد فیض، اشتیاق احمد اور علی شادانی



فیض احمد فیض اور احمد علی کاکچی



سلمان خان، فیض احمد فیض، علی شادانی اور شورش سہیل



فیض احمد فیض اور شہزادہ



فیض احمد فیض اور میر تقی میر



سید تقی
آغا سمیرا
فیض احمد فیض



کر رہا ہے اور اپنی عقلیں سے ہم سب کی راہیں میں سرسبز گھونٹ بکھار رہا ہے۔ ابھی میرا دماغ اس کے نقش کی نگاہوں اور فرماں گاہی کا رہا ہے کہ سب شور کرتا جا رہا ہے۔ ہم کی دنیا میں اسانیت کے شریف ترقی جذبات سے اس طرح اٹھ گئی ہیں جیسے شادیاں میرے نکاحات۔

فقیہ کی ان نظموں کو عمومی حیثیت سے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک ان کا تصور کا تعلق ہے جن کو شاعر نے ان میں پیش کیا ہے وہ تو وہی ہیں جو اس زمانے میں تمام ترقی پسند انسانیت کی نظر میں لیکن فقیہ نے ان کو اپنی غریبی سے بچایا ہے کہ وہ نہ تو اداری تہذیب و قانون کی پختہ ہیں نہ دلیات سے الگ فکر آتی ہیں نہ اساتذہ نامہ کی اخلاقیات سے اس کا نرم شیریں اور موضوعات کا کام نہیں لیں ان سے جدا ہوا ہے اس کے فکر کا اور دماغ استواروں میں خار سے اٹھ کے پھولوں کی خوشبو ہے اس کے خیالات میں ان کا تعلق اور محمودی کا مسدود کی پنک ہے جن سے اداری قیام کی عقیم اکثریت کے دل روشن ہیں۔ اگر تہذیبی ارتقا کا مطلب یہ ہے کہ انسان مادی اور روحانی مسرت سے لہات حاصل کر کے اپنے دلوں میں گداز اپنی بصیرت میں حق شادی پورا ہے کہ وہ میں مستقامت و دلچسپی کا کریں اور انسانی زندگی عمومی اور انسانی حیثیت سے جو دلی اور انسانی طور پر مسدود ہو اور مسدود ہو تو فقیہ کا شعریہ زبان تمام تہذیبی مسدودات کو اپنے کی کوشش کرتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان اور متحدہ تان میں اس کی غیر معمولی حیثیت کا سبب بھی ہے۔ البتہ فقیہ کے تمام چاہنے والے عقلی فریادی است مباد اور ان تمام مسائل کے شہرہ ہونے کے باوجود ان سے یہ توقع اور امید رکھتے ہیں کہ ایک اور کیفیت ان کو لکھ سکا ہے ان کی وہ تخلیقیں جو ابھی نہیں ہو سکیں ان کے حلقے میں جو کہہ کر بچے ہیں لایا ہو گراں قدر ہوں گی۔



نقد احمد علی سجاد ظہیر کے نام

لچے دوست تھا احمد کی صحت پر غم فقیہ نے دلی میں جنوری 1973ء میں لکھی جب اس کا ہے تھا احمدی جو دنیا کی لے کر دلی آئے تھے۔ یہ غم فقیہ احمد فقیہ کے گھر و کام کا ہمہ گیر پاراں میں شامل ہے۔

نہ ب ہم ساتھ میری گئی کر کے	یار کلفت لایم
نہ اب لی کہ سر عقل بھی گئے	ما اور اس کا انداز غم
حدثہ دھواں باہم کر کے	سر اور اس کا آواز جسم
نہ ظن دل سے شراب تم کر کے	نہا میں ایک بار ما جہاں ہے
نہ بھانے غم کی دوست داری	بھی تو مسدود تھاں ہے
نہ تم اپنے دہن پر پختہ داری	عزیز اب اہی کے نام ساتھی
سہلی کے غم زلفہ لی کر	کر کے انعام اور ہام ساتھی
نہ شب بھر کے پہلائی کے حاضر	بہلا ہوا دینا انکا تو
عام شلو بازک جیلاں	بھلا وہ صبح صبح دم دلو
یار مسیح فہم غریباں	کے اب ایک ہام انورانی
عام انعاما ہم مدلیں	کے اور لیا کے حاضر تو دلو

فیض کی شاعری کا طلسم

فیض نے اپنے مصرعی اتنی طبع اور انہی تخیل ترقی پزیری کی ہے کہ اس کی ذات انہی زندگی ہی میں ایک تحریک انگیز لہر نے ایک دہائی کا سرمایہ اختیار کر لیا تھا۔ اس کے ہم عصر شعراء میں بے شمار ایسے ہیں جن کے ہاں فیض کے نرم لہجے اور ان کی مخصوص تعلیمات کی کوئی اتنی چاشنی نہیں ہے۔ بیسویں صدی میں اقبال اور جلیلی کے بعد فیض نے زیادہ شاعری کی شاعر نے اپنے سامریں اور اپنے تہذیبی کو اس شدت اور کمال سے متحرک کیا۔

فیض انسانی معاشرے میں ایک مثبت انتھاب کا جانی تھا۔ تاہم ایک ایسا معاشرہ تشکیل پذیر ہو سکے جس کی بنیاد پرل، انصاف، مساوات اور انسانیت کے دھار ہو۔ اس انتھابی سنگ کے پادشاہوں کے ہاں انتھابیوں کی ہی گہنی گنج کی بجائے ایک حریف سرگوشی کا ساتھ ہوتا ہے۔ اس نے زندگی کو بھی کئے لئے پاسی، بھر پور اور خوبصورت بنانے کے لئے شاعری کو ایک اور پیر فرما دیا۔ مگر کہاں ہے کو اس کے پاس گہنی بھی چھ دو تعلیمات کی جوت، دھپا سکے۔ اس کی شاعری بھول کی قویوں پر غم کے اترنے کی مثال ہے مگر اس کے پادشاہوں کی کاتے کاتے ہے۔ دراصل فیض کی سرگوشی قاری اور سامع کے اندر ایک انتھاب بے پناہ کرتی ہے۔ انتھاب کے حوالے سے جو اثر پڑتا ہے وہ فیض کی شاعری میں نہیں بلکہ اس کے اثرات میں ہاں ہوتا ہے چنانچہ فیض کی لغاتی سرگوشی کو اپنے اندر سے

جاننے والے کے ہاں میں جو قیامت برپا ہوتی ہے اس کو فیض کے مثبت انتھاب کی شروعات کہنا چاہئے۔

فیض کی شاعری کا آغاز اردن اور وہاں میں پیدا ہوا ہے مگر بعد ہی زندگی کے کڑے اور سچ حقائق اس طرح کو متاثر کرتے ہیں اور وہ اپنی زندگی کے ساتھ ہی عالم فضا کی چھ مسلوں پر بے شمار کھن کی جلی بھی اپنے اندر محسوس کرتے لگتا ہے۔ اس کے فن میں محبت اور حقیقت کا یہ احراج اور پادشاہ کا نامہ اور غم کاری کرتا ہے کہ اردو شاعری کے کم ہی جیسے ہم اس خصوصیت میں فیض کے متاثر دانے پائے جاسکتے ہیں۔ ان دور کی قویوں کا احراج بھی فیض کا اسلوب قرار پاتا ہے۔ یہ احراج انکا احراج ہے کہ وہ فیض کو محبت کرتے ہوئے اپنے انتھابی نظریات کی قربانی دینے کی ضرورت محسوس کرتی اور نہ اس نے انتھابی موضوعات پر نہیں لکھتے ہوئے اس شورش کے آہستہ سے لکھتے ہوئے ہاتھوں پر سے انگڑیاں ہٹا لینے کے گناہ کا ارتکاب کیا۔ اسے محفل اور انتھاب دونوں پر یکساں ایک وقت محبوب ہے۔ اور میں فیض کا نہ صرف اپنا اسلوب خاص صورت پذیر ہوا بلکہ اس نے اپنے زمانے کے شاعروں کا بھی ایک اسلوب چھین کر لیا۔ خاص میں ساتھ ساتھ ہی وہ حال میں جو ترقیوں کی خواہش اور فلاح خاں ہیں۔

فیض بہت سے لکھے شاعر تھے۔ مائی ادب

کے علاوہ انہی قرآن، حدیث کا بھی انتہائی علم حاصل تھا۔ انگریزی اور اردو کے علاوہ عربی کے بھی عالم علم تھے۔ چنانچہ بعض فنی صحبتوں میں وہ اپنے موفقی کا نتیجہ میں قرآن کی بعض آیات اور احادیث کے بعض ٹکڑے بے ٹھکانہ بنا دیتے تھے۔ اس کے پادشاہی تعلیمات شاعروں نے انگریز حکمت کی گراہیوں سے شاید شعری طور پر گریز کیا یا پھر یہ سچا کہ وہ اس دور میں خاصا اقبال گرد و حکمت کی معراج کو چھوٹے ہیں تو اس دور کے کسی دوسرے شاعر کو ذرا سوچا سمجھا کر اس طرف کا رخ کرنا چاہئے۔ میں سمجھتا ہوں اگر فیض ایسا نہ کرتے تو اردو شاعری پر دوسرے کی اصلاحات کے ساتھ ایک ایسا سماں بھی گر جاتے جس طرح نوحانے انتھاب ان کے ہاں حریف شعریں داخل کیا ہے اسی طرح وہ غری شاعری کو بھی فنی بنالیا ہے۔ اگر فیض شاعر ہے۔ اگر فیض انگریز حکمت کے مسائل سے (بظاہر شعری طور پر) گریز نہ کرتے تو ان کی شاعری بیسویں صدی میں غالب کی تو سب سے قوی ہوتی کہ نہ ہادی اردو شعری دہائی کا پیدا ہوا شاعر ہے جس نے شعروں کی شاعری دہائی کا پیدا فیض کی آکٹس کو چھوٹے کھن میں اس طرح غالب نے اپنے وقت میں اردو فن کی زبان سراسر بدل ڈالی اور جس طرح اقبال نے اردو شاعری کی زبان کے حوالے میں بھی حدود جات کو دل دیا۔ اس طرح کا انتھاب فیض کی آکٹس میں نہیں مگر فیض اپنی غم کاری سے

یہاں بھی پانچویں آیا۔ اس نے بعد شاعری اور خاص طور پر گورو نرل کی سوجھ بوجھ کی تعلیمات کو اس سنیقہ کے ساتھ اور ایسے تہجد سے استقبل کیا کہ ان لفظوں کے آفاق کمال کچھ کن کے دلوں وصال میں دستیں پیدا ہو گئیں۔ بعد میں وہ سوجھ بوجھ کی مضمون ہونے کے بجائے فتنے کے لچے سے تہذیب زدگی حاصل کر کے ملے ملاسیم سے مل گئے۔ فاضل انجمن اعداد و اہل فلس اور میاد و غیرہ وغیرہ ایسے لفظ ہیں کہ ہمیں گھبرا کر اور ہت پرانہ کرے مگر ہر دور سے نئے نئے فتنے کے گھونٹا کس نے انھیں بھی زندگی بخش دی۔

فقیر نے خوب حافظہ شیرازی کی دانگیں کو اپنی فرائض میں اپنی استادانہ ہمت سے بہت کفارہ کی یہ ساری ترکیبیں کبھی عارضی اور تشبیہیں اور استاد سے اور دیگر ادکار سہیل بن گئے۔ فتنے نے اپنے کمال میں یہ بھی ثابت کر دیا کہ ایک خاص فنکار ایک خاص صوف ایک خاص نظریہ کی شاعری بھی بلکہ شاعری ہی بنا پانچواں ہوئی ہے۔

فقیر کو سامراج سے نفرت ہے۔ سرمایہ داری اور جاگیر داری سے نفرت ہے۔ گھری اور خالی سے

نفرت ہے۔ گئے چنے انسانوں کے ہاتھوں کہ انوں انسانوں کے۔ ملاکان اقبال سے نفرت ہے۔ بھر اور علم سے نفرت ہے۔ اپنی بہت سی نظریہیں جب انکار پاتی ہیں تو شاعری میں بیٹوں اور فریادوں سے کائنات پر اپنی آوازیں بٹاتی دیتی مگر فتنے کے اس شہر کی کوئی کیفیت ہے ہی نہیں۔ دراصل ان سب نفروں پر فتنے کی نئی طرح انسان سے محبت انسان کی طرح چھا گئی ہے۔ یہ ساری لکریں فتنے کی بہت کچھ انسان دوستی کی بیست میں آگئی ہیں اور یوں فتنے کی مصدقہ شاعری اس اپنی سیارہ کی شاعری ہے جس کے علاوہ کوئی اور سیارہ بھی تک انسانی ذہن کو سمجھا ہی نہیں۔

فقیر اپنا ہتھیار بھی سرمایہ فتنوں کے سپرد کر گیا ہے وہ ان کا گناہ بجا ہے کہ انھوں صدیوں تک فتنے کے فنی کی توہ توجیہات ہوتی رہیں گی اور ہر مٹنے والے اس کے کام کے مٹانے سے کچھ زیادہ ہی مہذب کہ یہ نصف حراف اور باطنی لکھ سے زیادہ ہی فنی صحت ہوتے رہیں گے۔ فتنے کے صرف کچھ اور صرف زبان اور صرف آواز جان ہوا۔ فتنے کو انھیں گھبراہٹ نہیں ہے۔ فتنوں کو صرف اپنے فانی اور غیر

جانب داران اور غیر حقیقتاً و مٹانے کے تارک کو پہلے کی ضرورت ہے۔ وہ فتنے کو سنبھل کر اور رک رک کر پڑھیں گے تو انھیں محسوس ہوگا کہ ان حراف فتنوں کے مضامین میں ہمارا داخلی بل رہا ہے۔ ہمارا اصل گراہ رہا ہے۔ ہمارا پہلا مسخیل تھا۔ رہا ہے۔

فقیر نے پانچواں گورو تیسری دنیا کو کچھ پہری دنیا کو بھی اور راجستھان اور انسان کے داخلی مسخیل اور ان کی صورت میں بہت کچھ دیا ہے۔ اس کے باوجود میں فتنے کی رحمت کے بعد بار بار کہہ چکا ہوں کہ فتنے کی رحمت سے ہم تہذیب اور فانی اور فنی لکھ سے غریب ہو گئے ہیں۔ فتنے کا یہ احساس اس وقت شدت اختیار کر رہا ہے جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ اگر فتنے کو چار سال گورنر گورنر اور چار سال کوٹاری قنصل کے زیادہ دینے ہو جائے اور چار سال اپنی کچھ زیادہ دینے ہو جائے۔ فتنے کے چند خاک کے ذریعہ خاک چلے جانے سے ہمیں اپنے غریب ہو جانے کا احساس ہوتا ہے۔ وہ فتنے کو اپنا بہت کچھ لایا کہیں تہذیب لکھ سے بہت اہم بہت باتوں کا ذکر صحت ہوا ہے۔

☆☆☆



پانچواں انجمن اہلیہ کی مجلس کے سربراہان کا گروہ

فیض احمد فیض

"سب فرمیں تیرے۔ کوئی ہم سا بھی کہاں ہے"
فیض کی شاعری سے صرف یہ مرثیائی لگی ہے۔
اگر چاہوں تو یہ سارا قصہ اس کے شعروں سے بھر
سکتا ہوں۔ فیض کی شاعری ذہنی شاعری تھی لہذا یہ ہر
شاعری کو ہونا چاہئے، کیونکہ ان کا دل ہر دماغِ حقیقی
پسند فرماتا ہے ہم آج تک۔ اس لئے وہ "عالمی"
بلکہ "آفاقی" شاعری بھی تھی۔

وہ نہیں دیکھ سکتے ہم ایک دوسرے سے
بہرہاں میں ملے اور باتوں کے علاوہ صورت میں
جو خون پسند تھا اس کا بھی ذکر آیا۔ جب فیض نے ایک
پہلی ہی ایچی نظم سنائی جو کہ فلسطین کے مجاہد اور جرگہ
الوطن مراد مرادوں کے بارے میں تھی۔ یہ نظم انہوں
نے فلسطینیوں کے گلاب میں بھی شاعری تھی اور یہ کہل تھا
کہ ساتھ میں زندگی کی گیت تھا اور زندگی آج تک تھکر
شام جوان کی زندگی کا حال بیان کر رہا تھا کوئی آنکھ
نہیں تھی جو آنسوؤں سے بھری نہیں تھی۔ وہ فیض کی
زبان نہیں سمجھتے تھے۔ یہی نظم انہوں نے بہرہاں میں
بھی سنائی اور یہاں بھی سننے والوں کی وہی حالت ہوئی
جو کہ صورتِ دامنوں کی ہوئی تھی۔ شاید کوئی آنکھ ہو جو ہم
ذہنی ہو۔

فیض اور فیض کی زندگی میں کتنے ہی آثار
چھوڑے ہیں۔ پہلے دوسرے کے ایک کا کالج میں تقسیم ہوا
سے پہلے انگریزی کے پروفیسر تھے۔ تقسیم ہونے کے بعد
لاہور میں رہنا پسند کیا اور کہ فٹ کا کالج میں پروفیسر
ہوئے۔ ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہوئے اور ان کی
شاعری بھی ترقی پسند تحریک کی ترجمان بن گئی۔

پاکستان کے اولین دہر میں اور دلہنی "سازش
کیمز" میں غصے ہو کر گر گئے۔ ہونے لگی ہر سبکدوش
میں رہے۔ جہاں انہوں نے وہ نظم کی جس کا ایک
شعری ترقی پسند شاعری کا انتھائی متنوع ہے
حراجِ لوح و قلم بھی کسی تو کہہ سکتا ہے
کہ وہ دل میں لے لی ہیں جہاں میں نے
یہ شعر انہوں نے اس جگہ کہا تھا جب ان پر
دلہنی "سازش کیمز" چل رہا تھا اور ہر قسم کی
پابندی ان پر لگائی گئی تھی۔ کاغذ اور قلم بھی پابندیوں
میں دوسرے جبر یا کسی قیدی بھی نہیں سے مرعوب
تھے۔ اس لئے جب وہ دس تیس سال کے بعد وہابی
پائے تو فیض اور فیض کے پاس آتے اور ایک پیغام
ان کے باہر بھی سنا تھی جہاں کے نام لے جاتے۔
یہ پیغام ذہنی ہر دماغ شعروں کی شکل میں ہوتا۔ پھر جو
سنا تھی تھی ان میں سنبھلی لگ جاتی۔

"کہا ہوا جو اسے خوش نظر آ رہا ہے ہوا"
"میرے بھائی فیض اور فیض کا ایک اچھا
پیغام نکل سے آیا ہے"
"کوئی شعر ہے یا پوری فریل"
"پہلی فریل معلوم ہوئی ہے۔ سنو گے تو
بڑا کہ بڑا ہے"

حراجِ لوح و قلم بھی کسی تو کیا تم ہے
کہ فریل دل میں ڈھونڈی ہیں انہیں میں نے
شعر کیا تھا وہاں لے لکھا کہ ایک پیغام تھا
ایک پیغام تھا۔

فیض نے کوئی نئی دیکھو اپنی زندگی کے

بارے میں نہیں چھوڑا۔ وہ اپنے ان کی اور فریل اور ہر قسم
اپنے چھوڑے دامنوں کے نام ایک بہت بھری تھی ہے۔
اس کو بھی کچھ کر چھوڑنا چاہئے۔ فیض ہر گاہ تو وہ لے
لیے غلوں کا جواب بھی شعر یا اسلوب میں دیا کرتے
تھے۔ اس طرح اس شاعری زندگی کی پیوں کی
کھائی جو ہر طرح سے جان کی ہاتھی ہے اس
کے شعروں کی شرح اس کی چوٹی کے لڑکے کی ہاتھی
ہے۔ کوئی تو جہاں جہاں اس کا جہاں دماغ کا اسب
فیض کے چاہئے۔ اسے سب تھیں ہر دماغ کے سب
دوست اپنی پیوں کو کر دیں گے لڑکے میں جانے کی
اس میں سب فیض کو اپنی پیوں کو قلم بند کرنے سے سختی
پیدا کا لکھ سکتا کہ یہ کہہ رہا ہے۔ پھر وہاں مردوں
اور عورتوں سے ان کے روحانی اور مادی تعلقات
تھے۔ جنہیں میں ان کی چوٹی کے علاوہ ان کے دوستوں
اور ہم مردوں کا کوئی حصہ ہے۔

فیض کی خود بھی کوئی پہلی سوانح عمری
اگر چھلے ہے مگر ابھی دستان میں کہہ کر پاکستان میں
زیادہ بہت کچھ مردوں نے لکھا ہے۔

اس مسئلے میں "سازش کیمز" بہت اہم ہے
کیونکہ اس میں فیض کے حقیقی جو بیکار کیا ہے فیض
کی تقریری اہم مضامین جو کچھ لکھے اور شکر ہوئے۔
دیباچہ کی تقریری "دیباچہ" جو فیض صاحب نے لکھے
چیں "اندرج جو انہوں کو کہہ دیا ہو کہ وہ اپنے قلم
اور دماغ سے انہوں نے لکھے اور تھیں۔ دماغ اور سب
سے اہم حصہ ہے جس میں فیض کے خطوط ہیں۔

☆☆☆

فیض کا فلسفہ زیست

اُس کے اپنے خطوط کی روشنی میں

دوست کی افواہیں کا فلسفہ ہوتا ہے چاندی کی آزمائش وہب
 جھینوں کی جاتی ہے اور اس کو ہر دہائی کر دیا جاتا ہے
 یہ رسائی اعلیٰ کا ہی عمل نہیں ہوتا بلکہ یہ رسائی عمل
 آگئی ہوتا ہے جو عام طور پر ضمیر کے تقویدوں کے ساتھ
 دھماکا ہوتا ہے۔ آزمائش سے محروم کر کے ایک چار
 دہائی کی شاخیں تصور کرنے کا مطلب کیا ہے؟ یہ کہ اس سے ہر
 وقت یا سماں نکالا جائے کہ وہ مجبور ہے نہ وہ حاکم کا
 بندہ ہے نہ وہ بھولنے سے بھولتی آسائش آگئی ہے اور ہر
 زندگی میں آسائش بھی نہیں تھی اس سے محروم کر دیا
 جانے والا آسائشوں کے لیے نہ بنے لگے اب اس
 کیفیت کو سامنے رکھتے ہوئے آپ یہ محسوس کرنے کی
 کوشش کریں کہ فیض کا مارچ 1951ء کا نثر ہوتا ہے
 اور پہلا خط 7 جون 1951ء کا لکھا ہے اور یہ خط 11
 شرمیہ ہی اس طرح لکھا ہے۔

”تمہیں پہلے نہیں لکھا کہ میں کاغذوں سے کس
 یہاں ایک کام بہت زیادہ سہرا میرے ہوتا ہے اور لکھا
 لکھنے کے لیے کاغذ کا ہی ہاتھ کیا ہے؟“
 اب اس سے زیادہ مجبور کا کیا اعلم ہو سکتا
 ہے۔ چنانچہ ایک وقت تھا کہ 1948ء تک پنجاب کی
 جیلوں میں سرسراہٹ نہیں دی جاتی تھی اور یہ عام
 قیدیوں کا حال یا بڑی ملٹی قسمی میں سرسراہٹ ملتی
 ہی نہیں جاتی تھی۔ سگرتے کا تو ذکر ہی کیا اسی طرح
 سے باتوں کی ایک ڈائی ٹیکل میں نصرت غیر حرقی ہوتی
 تھی اور سہی قیدی بلی کاس کے حامل لوگ عام

وقت تو ان کو اپنی زندگی کے انجام تک کاظم نہیں ہو سکتا
 تھا۔ چنانچہ وہ بھی ان خطوط کی رجحانیت کے سرچے پر
 لکھتے ہیں۔
 ”خاکہ ہے یہ کوئی اور لی کیفیت نہیں ہے۔ فی
 خطوط ہیں جو قلم برداشت لکھے گئے ہیں کسی سرخط اور
 ہیروہ بحث کی مثال ہے کار ہے۔ صرف اتنا ہے کہ
 نقل خانے میں سرخط انسانی کے بہت محدود ذرائع میں
 سے ایک اور چاند آکر آتے آگئے ہیں۔“

فی خطوط اور اپنے بھی انسانی محروم ہیں کو
 واضح کر دیتے ہیں اور نقل اور سرخط اپنے سر حال
 ہوتے ہیں جہاں انسان جانے کے باوجود اپنی
 محرومیاں نہیں چھوچا پاتا۔ ظاہر ہے ایسے عمل کے
 دوران ہر خطوط لکھے جائیں گے وہ لکھنے والے کے
 اندر چھپے ہوئے انسان کو اور بھی مہیاں کر دیں گے۔
 اس کی کھنکھیں اس کی غزبنیں اس کی برکت دہشت
 اس کی بددلی اس کی کینگی خط غرضی کس ان غلطی میں
 گھر کر ساتے آجائیں گی۔ تاکہ نقل خود اپنے بھی چمک
 ہی ملے گی جہاں محرومیاں حقیقی ہیں۔ ہر خط تو یہ
 ہے کہ نقل آگئے ہاں ملتی جا کوں کا قصہ اور انہیں
 ہوتا جس کا وہ اپنے اپنے اعلان کرتے ہیں کہ نقل خانہ
 آگئے ہوئے اور تانے کا دانے سے ہوئے انسانوں
 کی اصناف کا اور یہ ہے بلکہ ان کا قصہ اس کے
 باطن پر لکھا ہوتا ہے۔ چنانچہ اور سے بدعتی سراج میں
 ٹل کی زندگی کا فلسفہ ہی کینگی غور غرضی کا کچھ اور اپنی

فیض بہت پہلے شخصیت کے حامل ہیں اور پہلو
 اپنے اندر ایک نہا چاند کے ہونے سے اور چمک
 زندگی میں انہوں نے یہ چاند چمکاتے کیے ہیں اس
 لیے ان کی شخصیت اور بھی متحرک اور ساتھ ہی متوازن
 فیض کی انسانی جادو ہے۔ یہ فیض کی شخصیت کا شعری
 ہے جو انہیں انسانی میں ختم لینے کے باوجود طبق
 محرومیں کام کرنے پر مجبور کرتا رہا ہے اس طرح میں
 انہوں نے کوئی کون سے پانچ نہیں بنے۔ ”مٹی کی“
 شعری کی ”قرنی پند تحریک کے درجہ دہاں ہے۔
 فاشزم کے خلاف میدان جنگ کے سپاہی ہے“
 صحافت کی ”کڑی لکھنے کے قائم رہے اور انسانی محروم
 سے سیاست کی روانی کا راز اور کس کی ہونے کا اہتمام
 بھی سکراتے ہوئے اپنے اور چھپا کر لیا اور
 رہا لکھنے کی سادگی میں طرح طرح کے فریب
 کوئی صاحب اسے نہیں کی اور انہی کھنکھ کا قصہ نہیں
 غمیری۔ یہ قلم سیاہی تمام محروم لوگوں انکے انکے
 کتاب کا عنوان ہی تھی جس میں انہیں بھی اس وقت صرف
 ان کے نقل سے لکھے گئے خطوط کے بارے میں چمک
 باتیں کرتے ہیں۔

فیض 9 مارچ 1951ء کو گردہ کیے گئے اور
 انہوں نے پہلا خط 7 جون 1951ء کو میرا یاد نقل
 سے لکھا یہ تمام خطوط انہوں نے انگریزی میں اپنی نظم
 اہل لکھے۔ جس وقت یہ لکھے گئے اس وقت ان
 کی اصناف کا خیال انہیں میں رہا بھی نہیں کیونکہ اس

قہاروں کی لگاؤ میں تالی گھر میں ہی اس لیے ٹھہرتے تھے کہ ان کے پاس سرخا سرخا مٹی ہوئی تھی اور سرکھٹ اور دامن بھی۔ یہ مٹی چٹائی تقسیم ہوتی ہے اور سیاہی قہاروں اور عام قہاروں کے درمیان فطرت کی ایک حد رگڑی کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

قتل انسان سے جو آسائشیں چھینتی ہے وہ کتنی معمولی ہوتی ہیں لیکن قتل کے بعد کتنی اہم صورت اختیار کر جاتی ہیں اس کا اعتراف فقیہ کے ایک کلام کے اس اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے۔

”آج ہمارے کیمپ میں ایک بکا سا بکاگر ہوا۔ جو چنگی کا ایک ٹم کے مطابق ہمیں وہ بدولت کو بند ہونے کی چاہت چاہی کہ کئی مٹی لکھن یہ ٹم لکھن درآمد سے پہلے ہی مٹوٹ کر دیا گیا۔ رات کو بند ہونے پات ہوئے میں ہمسائی طور سے تو بیکوینا فرق

تھیں چہ لکھن خدائی اختیار سے یہ فرق کافی اہم ہوتا ہے۔ خاص طور سے جب دامن مٹی میں ہوں بھی کہ آج کل جی۔ بی کی بھی جب میں رات کو چھٹی سو جاتا ہوں اور منہ اندھیرے آٹھ کھل جاتی ہے تو میں زنداں کے سکوت اور سچائی کی لکھن سے جب فرق ہوتا ہے تو میں لکھن لکھن ہے۔ میں بار بار اس کی انکار نہیں کرتا چاہتا کہ ترکہ لکھن سے فرق کیا نہ ہو مگر فرق یہ ہے۔ اس کے جھون پاتی ہیں میں بھی مٹی بھی مٹی میں فراہم کر لکھن فراہم کر کے چہ میں انکار دیتی۔ لکھن ہے کہ قہار مٹی کہہ گی۔“

فقیہ اس طور میں ایک طرف چلتے چلتے زندانوں کی نگاہوں کا ذکر کرتا ہے تو دوسری طرف جو مسئلہ پیش کرنے کی بھی دامن کرتا ہے وہ اصل میں فطرت میں چٹائی نگاہوں ’خود میں اور لکھنوں کا ذکر

خود کرتا ہے لیکن ان کو فطرت کا موضوع نہیں جانتے چلتے ان کا ذکر کرتا ہے وہ اصل قیادی طور پر اس میں اور خوش آنکر مستقل کا نام ہے اور جو خط میں وہاں باتوں کا اعادہ کرتا ہے اسرار کرتا ہے اور قیادی طور پر لکھن اس کا غلط ذریعہ ہے جو قتل میں اور مٹی گھرا ہے۔

ان فطرت میں انسانی مسرت اور اندوہ رہنے کے دلائل کا جس طرح انکشاف ہوتا ہے وہ مثلاً ہی صحیبت میں اس سے پہلے ہوگا فقیہ زندانوں کی دوا دوا سہیل کو پاس نہیں پھینکتا۔

”تمہارا 23 تاریخ کا کھانا 10 دن چھوٹی کی تصویر سمیت آج کا قہار ہے سچا کتنے قہاروں میں ہیں اور کتنے جاسے کھراٹے لگے ہیں۔ یہاں اور باتوں کے علاوہ سب سے زیادہ دامنوں اس بات کا



فقیہ صاحب نے دکن میں سے لکھا کہ جوتے

ہے کہ میں انھیں اپنے سامنے چاہے ہوتے ہوں
 نہیں دیکھ سکتا، اگرچہ تمہاری اگرانی میں ان کی تربیت
 کے واسطے میں تجھے کوئی خوشحالی نہیں ہے۔ ان کی
 تربیت میں میرا کوئی حصہ ہو سکتا تھا کہ انہیں خوش
 رہنا سکھائوں اور ان کی خوب بازو باری کروں اگر وہ
 طواف غرضی، غم ٹھکراؤ، غرض میں نہ جانی (اور تجھے
 معلوم ہے کہ کیا میں نہیں دیکھا اور ان میں بہ خصوصاً
 ہو جانے کہ کیا جوجہ حالات ہے اور کیا نہیں ہے تو وہ
 جیسے بھی اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔ یہ حارے
 بہت سہریت تھکے کہ انہیں "Peace Comes
 From Within" اگر وہ یہاں ہوتے تو میں
 انھیں بتا دیتا کہ اس کے کچھ مسئلے کیا ہیں۔ سب کچھ میرے
 ہاتھ چلا ہے کہ اگر اپنے دل میں جرم و گناہ کا کوئی
 احساس نہ ہو تو آہی غلاب اور گناہ سب مٹا دیتے۔
 'سب مٹ جائیں' سب مٹ جائیں' غرض وہ سب کچھ
 برداشت کر سکتا ہے جو باہر سے اس کی ذات پر چڑا
 ہوں۔ صرف گناہ کا احساس' خدا کا لڑکا کا احساس یا
 اپنے آپ سے دنیا کرنے کا احساس لکھ جوجہ میں
 کا کوئی راز ان کی خارج نہیں ہو سکتا اس لئے کہ یہ اصل
 جوجہ ہے اور اس کا احساس زندگی بھر اپنے ساتھ رہتا
 ہے۔ اس کے خلاف اگر اپنی لنگی اور بے گناہی پر
 یقینی ہو چکا کہ اس مصیبت میں تجھے جو بھی ہے تو
 سب ہے جب کہ تکلیف، مصاحبت، شرعی اصطلاح میں
 سب کو شہان کا دہانے کا کام ہے۔"

فصل کی کیفیت، پر میں چاہے کہ حق سے جس نے
 اظہار خیال کیا ہے اس کی مثال مثال ہے اور چونکہ عام
 قاری اور تھوڑے، ابھی خیال کی زندگی سے عام طور پر
 واقف ہوتا ہے اس لیے وہ زعمان جانے والے
 وہیوں اور شاعروں کی عظمت کو تسلیم تو کرتا ہے لیکن
 جن کی کیفیت سے ان میں اس کا گوارہ نہیں دہائی
 کرب سے وہ وہ چاہتے ہیں اسے وہ اپنی پوری

کوشش کے باوجود اپنی دماغ کا حصہ نکال سکتے۔ جس
 طرح سے دہائی روزگار کے لیے ہوں تک جانے
 والوں کا صرف ایک چلو چلائی نظر میں ہوتا ہے ان
 کے شب و روز میں جڑ بڑھتا ہوتا ہے اور بے کلی ہوتی
 ہے اس کو کم میں سے اکثر نہیں کھ پاتے اور صرف
 بھت کے موقع پر مسند پر ہوتے آئے ہلے زار ہوا ہوا
 ذکر کرتے ہیں یہی حال لکھنے کا ہے کہ ہلے کچھ
 ہیں کہ وہ بھی کر رہا ہے، سیر و سیاحت کر رہا ہے لیکن
 اس رضا کارانہ زندگی کا جو کرب اس کو سہارا دے رہا ہے
 اس کو جانے کے لیے بھی نہیں اور لکھنے کا رہا ہے۔
 فصل انسان کو چڑھا رہا ہے وہ فضیلا ہے
 جاتا ہے وہ بات بات پر لڑا خراب کر رہا ہے اور بہت
 حد تک وہ اس پر دہائی ہو جاتا ہے اس انسان کے
 مستقبل پر اسے امید ہوتی ہے۔ جسکی لکھی کی زبان
 دہائی اس کے اعتقادات کی عقلی اور ادنیٰ سے لگن
 نے اس کو زندہ دہانا دکھا۔ فصل کی تمام مصروفیت اس
 کے لوگوں کی سکرانتوں میں اس کی آنکھوں کی چمک نہیں
 لیکن لیکن لیکن لکھنے ہے کہ اس لکھنے کے باوجود وہ
 اپنے خطوط میں، دلچسپ رہا ہے وہ لکھ رہا ہے
 حالانکہ وہ سالہا سال تک عقلی کرتا رہا ہے لیکن اس
 کے باوجود کم ہوتا ہے اور خطوط میں بھی کم گوئی اور جھوٹ
 ہے وہ ان خطوط میں وہ عقلی جانے نہ سکتا اور تو دور
 نہیں اور گروہا میں پر بھی فضیلت و فہم کا اظہار نہیں
 کرتا وہ حق میں اس کی فکر سے کسی قسم کے فہم دور لکھی کا
 اظہار ہوتا ہے۔ وہ تو اپنے دشمنوں سے بھی ہاتھی
 دکھائی نہیں دیتا۔ بلکہ جگہ جگہ اس کی تہویوں سے ان
 کے لیے جذبہ مزاح سرخ ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھتا ہے۔
 "تمہیں پہلے نہیں کہہ سکا، تم کا قصہ ہے لیکن
 یہاں ہر کام بہت دیر سے دیر سے ہوتا ہے اور خط
 لکھنے کے لیے کاغذ آج ہی ہاتھ آیا ہے۔ میں اور
 دوسرے راتھی ہمارا بیج کی بیج کو کوشش دہائی کے

نارے یہاں پہلے ہم نے کسی لحاظ سے سزا دیکھنے
 کی جوجہ صرف ہذا ہے کہ سزا دہائی اور دہائی ہوا
 تو سب کچھ خود، گاڑی میں سوار ہوتے ہی وہی غصوں
 ہوا کہ سب پر چڑھتا ہوا ہو گیا ہیں۔ سزا کا لفظ دہائی
 کہہ دیا دیکھنے کی لذت نے لکھنے کا بہت ہی مقصد
 کیا۔ ابھی ہاتھ آ گئے ہیں اسے ذرا ہے کہ وہ جوجہ وہ
 تجھے چاک کمرے سے لے گئے تھے پہلی ہادو سے کا گناہ
 اس سزا کی دیر غصہ ہوا، جتا ہوا سرخ 'چاہا'
 قزاق کا کھیل اور اس کی کہی (انہوں کا بھوک نہیں
 لگ رہی تھی) پھر اس پر انصاف دہائی سب سے مزید
 جوجہ یعنی انسانوں کی مصیبت جس سے اسنے دل غم
 رہا ہے ان سب باتوں کی وجہ سے دل دہائی پر سکون
 ہے اب نہیں دہائی میں کچھ اور لکھنے کی کیفیت چار
 دن چلا اور میں گڑے سے لایا میری کے سب سے
 لذت ناک دن تھے جب مجھے پہلی رات دہائی ہوا
 کہ اپنے جانے والوں کو کسی ایسی جوجہ کی خاطر دیکھ
 لایا تھا، پھر وہ خود کچھ مزید جوجہ میں لے گئے کہ
 عقلی دہائی وہ خود لکھ رہا تھا کہ اپنے سے اس نظر سے
 دیکھتے دیکھتے اس اصول یعنی عقلی اور غرضی کی ایک
 صورت میں جاتی ہے اس لیے اپنے کچھ اصول کی، جس
 میں آپ بے ہوش جاتے ہیں کہ دہائی کو کچھ مزید
 ہے اور اس طرح اپنی ان خصوصیات کی خاطر دہائی کو دل
 دکھاتے ہیں اس زمانے میں دل دہائی پر دہائی کی
 باتوں کا اختلاف ہوا اپنے بارے میں کچھ دہائیوں
 کے بارے میں کچھ اپنے میں لکھنے کی بہت ہی کمزوری
 نظر آئی تھی کہ اس کا وہ بچے کمان میں دہائی دہائی میں
 کہیں لکھ رہا تھا جو مسئلے کے اپنے چلو چلائی وہ ہے جو
 پہلے معلوم نہ تھے اس سارے کچھ کے لیے دل
 اسان حد سے خیال ہے کہ وہ یہاں سے لکھنے کے
 تو کا اپنی شخصیت پہلے سے تیار، مکمل اور معلوم ہو گئی
 میں نے یہ بھی انھی طرح غصوں کر لیا ہے کہ دہائی کے

لیے مناسب جگہ ہے کہ جو کچھ وہ ہے اسی پر قیامت
 کرے اور جو کچھ وہ نہیں ہے، وہ کچھ بننے کی کوشش میں
 وقت اور محنت خرچ کرے اس طرح کی کوشش سے
 قیامت اور خوفِ مرنے کا علاج ہو گا۔

”ہاں تو میں کہہ رہا تھا جب سے میں یہاں
 پہنچا ہوں خوف و خطر کا فحش کوئی احساس دل میں ہوا
 نہیں بلکہ اگرچہ یہ احساس پہلے بھی کبھی ہوا تو زیادہ تو تھا
 وہ اس حد سے کہ نہ صرف مجھ سے کوئی ایسی حرکت
 سرزد نہیں ہوئی تھی بلکہ اس طرح سے کہ وہ نہ کہیں بلکہ
 کوئی ایسا اور مطلب بھی نہیں کیا تھی بلکہ کچھ تو ایسی صورت
 سے ہر دم غمزدار یا تنگ یا بے تاب قرار میں ہے کہ اگر کوئی یاد
 دلائے تو خیال بھی نہیں آتا کہ ہم کس حال میں آئے ہیں
 یہاں لگا ہے کہ ہم اپنے مرضی سے یہاں ہیں اور اگر
 یہاں سے باہر جانے کوئی چاہے تو کوئی نہیں دیکھ
 بھی نہیں سکتا۔ خیال میں آتا کہ اگرچہ اس جگہ سے کھانے
 پینے کا کافی ماحول ہے مگر یہ دیکھ کر زیادہ نہیں سمجھتا
 کہ سب سے بڑے مسئلہ کچھ ہیں جس سے کہ اب
 اور کچھ کوئی بڑا ذوق نہیں لگتا کہ اس ماحول سے نہ کہ پس کی
 تکلیف و آج بچہ کچھ کار ہے اور اپنی جان و عمر اس
 دکان سلامت میں اب تمہاری اور مجھ کی تصویریں
 سامنے رکھ کر کسی خوشی سے مسکرا سکتا ہوں تمہاری یاد
 سے پہلے کی طرح دل نہیں دھکتا اور یہ یقین پہلے سے
 بھی زیادہ حکم ہو چکا ہے کہ زندگی خوف و بے کھائی کا
 بالآخر بہت خوب بنے گی ہے اور بہت سببیں مل گئیں۔“

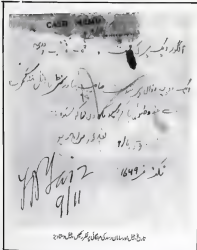
اس قدر کچھ حالات میں مسکراتے رہتا ہے
 بڑے دل گروے کی بات ہے۔ فحش کو یہ مقام اس کی
 انسان دوستی سے مل گیا ہے انسان دوستی کا جذبہ اس کی
 رنگہ پے میں سرایت کر کے اس کے خون کا حصہ بن
 گیا ہے اس کی شخصیت اس انسان دوستی کے اندر چلی
 ہی نہیں جا سکتی۔ فحش کی واحد پیمانہ فحش کا شخص
 فحش کا آتش ہی انسان دوستی ہے چنانچہ ان کے

انجمن سائنس فحش کی منتی جانگی تصویر بنی کرتے ہیں
 وہی فحش جو مکمل انسانِ غفلت ہے۔ انہیں جو اشراف
 اٹھو کا ہے۔

○ ○ ○

”مجھے تمام وقت یہ خیال ملا رہا کہ
 مسرت اور خود غرضی کے چکر لگے گزر جانے کے
 بعد ان بے چارے کوئی پچھان نہ کر سکیں کہ ان کی طرف
 کا کیا اور ان کی گواہ جانے کا کیا۔ لڑائی کے قتلے
 میں اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملتا کہ اگر کوئی قوت
 کے بعد اس لڑائی سے زیادہ ان کا اظہار ہے تو اس

لڑت سے گریز کرنا ہے۔ اس سوال کا حل مشکل
 اس لئے ہے کہ اس لڑائی اور دکان کا سبب پہلے سے
 مرہون نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں ہم زندگی کی پھولی
 سولی شہادت میں آجے لکھ رہے ہیں کہ اس کا حل وہ
 قتلے کے بے کار مسائل سے اچھے کے لئے بروقت
 ہے۔ دکان - خیال کے طور پر ان کی کچھ پہلے نہیں
 ایک دلی عین حقیقت ہے کہ اس کا سبب لوگ اس میں
 ایسے ہی ہنس رہے ہیں جیسے ہتھیار اپنے غم کی باتوں
 میں۔ ہر دور کے دکان کی کافی لگے وہ نہیں بہت
 نازک مسئلہ اور ہر دور کے دکان سب لوگ پر دانی



اطفال کے پیچھے مساکل میں فرق ہو گئے۔ اس کے بعد عید کے کھانے کی تعلیمات پر بحث و مباحثہ شروع ہوئی۔ ان کے علاوہ جیسے مساکل اور بھی ہیں۔ مثلاً کوفروں کے ہوتے کیسے ہوں گے؟ پادریوں کی سیر کی بلین کی؟ مسیح کی پادری کس وقت آئے گی؟ وغیرہ وغیرہ اور اس تمام مدت میں کیاں دلوں کی مساکل گناہ واد کے سامنے کیے ہوتے چارے ہیں اور واد کی بھلی دیکھتے دیکھتے سب دھڑکھڑاتی چارہی ہے۔ سب دن بھر ہوتے چارے ہیں اور سب ہم چاہتے کے لئے اچھے ہیں تو رات کا اندھیرا کچھ کچھ ہاتھی ہوتا ہے۔ نہ جانے کتنے سال کے بعد شب کے خانے پر اندھیرے میں پچھلے کا سال اور چاند کے چمکے کرنی رنگ کو دیکھتی بنے دیکھا ہے۔ بھلی کی دھاروں کے وجود پر سب کچھ یقین ہے اور ایسے لوگوں میں زندگی کی سب باتوں کے بارے میں کا شکیانہ اب اگر نہ کوئی چاہتا ہے۔

○ ○ ○

”آج تمہارا معاملہ بالائی راجست ہوئی“ آج ہادی شادی کی سالگرہ ہے۔ ادا ہے کہ تمہیں لاگہ نہیں رہی دن کی بار دیکھنا عیب ہو۔ اس دن میں میں ہم نے بہت سا کھانا کھا ہے اور کھانا سلا کا بھی۔ لیکن ہم نے یہ تمام راجست واد کی اور کوئی خاطر سے گزارا ہے۔ چنانچہ زندگی میں سب سے اہم بات یہی ہے تو آؤ میں جیسے ہوں اس کا شکر ادا کر رہا ہوں۔ یہاں میں اسکی حالت ہے جسے کبھی کبھار میں سے کوئی مجھیں نہیں سکتا۔ اگر کبھی با آسانی واد است پر ایمان نہ ہو تو کبھی اور اختلاف کے حق میں سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ جو کچھ حق و عدالت کی پرورش میں گزرے وہ تجھے خود غرض کا یہاں خرید ہی جاتا ہے۔ کتنے کوئی رجزی لوگ نہیں سکتا۔ ذرا کوئی بار بار کر سکتا ہے۔ لیکن یہی مسطور میں تو خدا رحمت کے گنگ

مصلحتی بھی ہیں۔

”تم نے اپنے گھر کی بھلی کا ذکر کیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ یہ بھلی کتنی لڑائی اور چلائی ہے کہ بچے کتنے گھر میں ہیں۔ ان کو دل سے دھواؤ نہیں، اسکا لیکن ان کا وہ اس تصور سے کمزور کیا جاسکتا ہے کہ بچے ہوں ان کیسے اچھے تھے اور آنے والے دن کتنے بھر ہوں گے۔ مگر تو بھلی کرتا ہوں۔ جب سے بھلی خانے کا درد واد نہ ہوا ہے میں کبھی ماضی کے دنوں کو یاد نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ سمجھوں میں وہاں بنا رہا ہوں اور کبھی آنے والے دنوں کو یاد نہیں کرتا کہ اس سے اپنی مرضی اور ہمت کے خلاف مرنے کو تیار رہا ہوں۔ جانتا ہوں کہ یہ بڑا سا مشکل ہے اس لئے کہ خواہیں کہ حقیقت کی لچکوں سے آزاد نہیں کیا جاسکتا لیکن آج ضرور ہے کہ تمہاری دہر کے لئے آئی بھلی کے بل پر گروہ بھلی کی لہجہ سے چاندی پڑا سکتا ہے۔ فراموشی کی بات ہے لیکن

○ ○ ○

”تمہارا جہرا ادا کئے ہو گئے“ ادا کا نام میرا چھوٹا بھائی تھا۔ میرا خیال ہے کہ میں نے شادی کی سالگرہ کی تاریخ بھلا دی تھی۔ لیکن اب کے ایک ہی دن کا فرق تھا۔ خبر یہی کہ کوئی انکی بات نہیں۔ یہاں آج اہم نہیں ہے۔ وہ روز واد ہے جس دن کے بعد آئے۔ ان سارے دنوں کی یاد اور اس میں قصوں کا احساس ہر زندگی نے عطا کی ہیں۔ بہت سے لوگوں کی دہائی اور بہت تمام بہاریں سب برساتیں گئیں اور شمس۔ غروب آفتاب اور طرما آفتاب ”اللہ“

اصولت رنگ واد کا ماضی نصف اور نصف کی بات دارا تھا۔ ان سب باتوں سے بھلی کی پادری میں دل پرانی مسرت طاری ہوتی ہے جس سے ہم پہلے آگاہ نہ تھے۔ اگر وہ چاروں سوئیں سے واد کی بازگشت میں وہاں کرب کے چند لمحے خیریت سے تو ان قصوں کی بھڑک کے سامنے ان کی کیا حالت ہے؟ کچھ نہیں! یہ احساس پہلی طرما بھلی خانے ہی میں میرا آگاہ ہے اس لئے کہ بھلی خانے کی دہائی دیا ہے۔ ایک نصف ہے۔ بلکہ یہاں کیا چاہئے کہ ایک طرما کی ”آگاہ دیا“ ہے۔ وہ درد واد نہا ہے اسکی درد واد اسکی بھلا بھلا معلوم ہوتی ہے کہ اس کی دہائی بھلیوں پر سے انسان کیلئے کی انسانی دنیا کو بہت بھلا ہے اور یہ نظر سے دیکھ سکتا ہے۔ اگر کوئی دیکھنا چاہے تو ہم تو بشر ہوتے اور ہر دیکھنے والی نہیں ہمارے دل کچھنے کے لئے ہر گوشہ بھلی کی اپنی راجست میں بہت ہوئی ہیں۔“

○ ○ ○

”تمہارے عدا پہلے سے زیادہ بھائی معلوم ہوتے ہیں۔ جو بھائی کی بات ہے اگرچہ میں جانتا ہوں کہ شادی تم نے یہ بات کئے تھے خوش کرنے کے لئے اختیار کیا ہے جس سے چاہتے ہوئے دل میں خوش ہوتا ہے۔ وہ دوست اور بھائی خواہاں ہی نہ لگائے کے لئے جو بھائی احمد خواہیں پہلے سے رہے ہیں۔ میں انہیں زیادہ اہمیت نہیں دیتا لیکن میں انہوں سے قطع نظر اس میں کیا ہے کہ آؤ ہر حالات واد میں چاہیں گے۔ جو بھی دن گزرتا ہے اس سے نہایت کی منزل کا فاصلہ ہو کر رہ جاتا ہے چنانچہ اس آواز میں کے ساتھ کچھ محض میرا دل دھکا ہے۔ میں اس خیال سے لیکن اور قلمی ضرور ہوتی ہے کہ کچھ لوگ ایسی بھلا سکتے ہیں اور ہماری افکار کے لئے ان کے دل میں ہر دلی موجود ہے۔ وہ سب اس بھلی کا اکلید ہر دلی دیا کی ایک ایسی عظیم شخصیت کی جانب سے جو مجھے کہ

جانب سے جس طرح فکر سے سرو نہ پایا ہو جائے۔"

○ ○ ○

"ہوی ڈیچسٹ" کے مصنف "جیمز آڈریج

جیمز آڈریج" نے "Head Bodley" نے شائع کی ہے۔ میں نے بہت دیر سے اس کی کتاب نہیں چمکی تھی کہیں سے حاصل کرنے کی کوشش نہ کر کے ملے گا۔ اس میں شریک ہو سکوں۔ ڈائل کا سامنا تو ایمان میں بڑھائی دیتا ہے۔ ایمان ہے لیکن اس کی غلطی اور غلطی کی وجہ سے نہیں ہے۔ غلطی اس اگلی اور بدنامی عقل کے بیان میں ہے جو اس فکر کی ذلت پر ڈال کر کرتی ہیں اور اس بارے میں کہ یہ اکیلے جان اس شخص کی صلیب سے کیسے بھروسہ ہوتی ہے۔ ایک طرح سے اس میں اس نے یہ دیکھ کر اس کا جواب دیا ہے کہ اس نے ڈاکٹر کیا تھا۔ یہ احساس میں اس نے گہرے دیتا ہے کہ انسانی سرگرمی کی حدود بڑھ کر اپنی عقل اتنی گراں اور اتنی دائمی معلوم ہوتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں ایک فرد کی ذلت بالکل بچ کر رہ کر رہتی رہتی ہے۔ لیکن یہ نہیں ہوتا ہے اگر تم اس حدود کو ایک فرد کی فکر سے بڑھ کر یہ کثرت پیدا ہی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ ہم انسانی سرگرمی کو عقل کے سلسلہ کو ذلت نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن اس کی فکر کو عقل نظر سے دیکھنا حالت ہے اس لئے کہ انسانی سرگرمی دامت دائرہ اور ذاتی یا غرضی مسئلہ نہیں ہے۔ جیسے کسی شخص کیلئے عاشقی یا اپنے بچے کی ملازمت ایک ذاتی مسئلہ ہے۔ اگر ہوں نہیں ہے تو اسے دیکھنے کا ایک ہی جگہ طریقہ ہے۔ اور وہ انسانی فکر ہے۔ اگر اس فکر سے دیکھو تو یہی حدود چھوڑنا یا عقل اور اسے غور نظر آتی ہے۔ اس صورت سے مسائل پر نگاہ ڈالنا مشکل اس لئے ہوتا ہے کہ ہم لوگ اپنی خود پسندی کی وجہ سے بھی اپنی طرح غور نہیں کرتے کہ ہماری ذلت عقلی

میرا ہم ہے۔ میں نے بہت مسائل کیا ہے کہ انسانی سرگرمی

اور عقل کی بنیاد و اصل میں خود پسندی ہے۔ لیکن اپنی ذلت سے بہت زیادہ اہمیت دیتے کرتے۔ غور کی عقل اور خود پسندی کے احساسات کی وجہ سے بھی گنگا کا دریا بہتا ہے کہ ساری کائنات ہماری ذاتی فتنوں کے مطابق کیوں تشکیل نہیں دی گئی۔ دراصل کائنات نے ہمارے جیسے لوگ جن کی شخصیتیں بالکل عقل اور مراد نہیں ہیں اپنی ذلت کو اس ذلت کی حد سے بڑے زیادہ پسند کر دیا ہے کہ جان نہیں کر سکتے ہیں کہ جیسے میں باخشی اور شکست کا احساس کرتی ہے۔ اس امر میں شاید میں تم سے زیادہ غوردار ہوں۔ لیکن یہ بھی ایک قسم کی خود پسندی ہے مگر شاید عقل اور ذہن کو بھی قسمی۔"

○ ○ ○

"تمہاری قوت برداشت بدل بہت جلد ہے۔ شاید میں نے کھا تھا کہ اپنی شخصیت کی گہرائیوں کا کم از کم ایک درختان خود ہوتا ہے جیسے تاکہ یہ بدلنے کے کہ وہاں کیا ہے کیا نہیں ہے۔ بہت کمزور سے لوگ اپنے گھسے نہیں بھی نہ کی یہ احتیاج نہیں دانتے۔ اگرچہ دفتر لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کی ہاری بھی نہیں آئے گی۔"

"اگر اس قسم کا خاتمہ دیکھیں جو ہمارے جیسے ہے کہ یہ بھی ہو گا تو اس سے کھور کے باوجود یہ سورا سورا نہایت ہو گا۔ اس کا سوزی اور غیر اعتدالی پہلو صرف ایک ہے اور وہ ہے عقلی قوت کا ہر بار یہاں۔ مگر کتنا اچھے کا ایک پورا سال غم نہ چکا ہے اور بہت کمزور ذلت میں جو بہت بڑھ کر نے کہ ہے اس میں سے کوئی بھی کام چمکا نہیں ہو سکا۔ جو قسمی سے عقل خالی کی قربانی یا انجمن اس کی اہمیت نہیں دیتی کہ اس جری لڑا لڑتے سے کوئی طریقہ کار مل سکے اگر چہ اس کا احساس اور اس کی انزال میں مستقل رہتی

ہے۔"

○ ○ ○

"کھانا کتابت میں ہم بھر بیٹھے۔ گئے ہیں اس لئے کہ کھانا ہے جس نے کھا پکڑی مصلیٰ ہوئے جس سے دل خوش بھی ہے اور آدم بھی۔ میں کوشش کروں گا کہ یہ صواب بناد ہو جائے۔ شاید تمہیں عجیب لگے لیکن یہاں کھانے کی ایک چیز ہے یہ بھی ہوتی ہے کہ جب یہاں ان چیزوں کی زیادہ دل کو تیز ہیں زیادہ جاتے گئے تو یہ یادیں اتنی عقلی طور سے گہرائیوں والی مصلیٰ ہوتی ہیں کہ ان سے کدو جڑیں نکلتے دلتے کوئی شخص چاہتا رہم کوئی کہ یہ پانی کا پانی اور پانی کا پانی کا جو تیز کرنے کا ایک پہلو ہے اور تمہارا ایک لمحہ بھی ہے۔ میں نے شاید پہلے بھی کھا تھا کہ کھانے کی ذلت میں بہت ہی بھاری بھاری خود پسندی اور غور نہیں ہو جاتی ہیں۔ قیہ سے پہلے یہاں شیعہ خواتین کی ذہنیت کا بھی ایک تصور پیدا نہیں ہوا تھا جیسا کہ اب ہے۔ یہ ذہنیت برقیہ کی عالم ذہنیت ہے۔ اب معلوم ہوا کہ کھانہ کی عقلی بین بھاری بھاری انجمن سے ذاتی نہیں کہ وہ دیکھیں مسائل دکھائی دیتے تھے اور ذاتی اور ہم اور میرا ذاتی مسائل سے عقلی ہے عقلی کہ یہ ہوتی بڑھ کر اپنی فکر دوسری بھی خاک ہوئی بھی باوجود اس کے کہ عقلی گرج اور کھانے جیسا کہ وہ دیکھ سب دانتیں خود معلوم ذلت کے عالم میں اور بھی کھانا ذلت سے ذاتی سے آزاد لوگوں کی کچھ میں نہیں آتے۔ لیکن اس سب باتوں کے باوجود کچھ انجمن میں کی ذلت میں بھی ہوتے ہیں۔ مثلاً اگلے دن میں نے دلی سے جھڑپائی مصلیٰ کے لئے دیکھ کر کھانا ذلت سے پاک تھا۔ دیکھو یہ جو چیز مصلیٰ کھاتی ہے اس میں عقلی مصلیٰ لوگوں کی عقلی ہیں کہ کھانا کھانے میں نہیں آتے معلوم ہوتا ہے کہ اور سے سب اچھے سوچتا

برکت ملی خان، مفتی، بنگرانہ دیرہ وغیرہ ریاض
 واولوں جرم ہیں۔ الا مسلمہ ہم نے کیا نہاد تم بھی
 گنہگار ہو سکتی۔ ریاض برہان قرآن کے سب سے
 بڑے جاکن چھانے والے Tehudi
 Menuhin نظری قسم فیصلہ ہاں میں
 Bach اور Paganini کے نقشہ ہمارے تھے۔
 اہم میں جب میں نے اس کے بارے میں سوچا تو
 بہت رشک بھی آیا اور غصہ بھی۔ اس ملک کو کام میں
 چکا ہر جی ہو چکے ہیں اور ان چکا ہر جی میں میں نے
 اپنے لوگوں کے لئے مسکن تہذیب اور پاکیزہ فرصت
 کا کوئی بھی سہاویہ فراہم نہیں کیا۔ اگرچہ اس مملکت
 میں اور طرح طرح کے "تہذیب" پروردگار ہوا کرتے
 ہیں۔ ہمیں صرف یہی سمجھتا ہے کہ دنیا ہمارے جتنی
 قدرتی ہے۔ جسے ہمارے ایک جاگزیں بحر میں سے
 فراغت کا طوطا، انگورانی جنوں بھی ملتی رہتی ہے
 ایسے نہیں دیکھ دیا کریں کہ ہمارے لوگوں کا اشتیاق و
 غم و غم اور گناہ پڑانے کی کوششیں ہم بھلا کر دیکھ
 رہے تھے۔ کے بعد یہ سب کچھ بھلا کر جائیں۔
 بعد ازاں ہم سے یہ بات کہ کسی گناہ پر تہذیب کا
 تعلق ملک کے سر سے نہیں ہوتا۔ سوچتے اور نہ
 سمجھتے کے آداب و اخلاق سے ہوتا ہے۔ تو کیا وہ ہے کہ
 ہمارے ملک کے لوگ اگر بہت غم و تہذیب نہ تھے
 سمجھتے تو کم از کم اس کے لئے سولہ اور کچھ نہیں۔ غم و تہذیب
 نہ کی ایسے دن بھی آئیں گے اور شاید گھٹے ہمارے
 شراکت بھی نہ پائے۔"

○ ○ ○

"یہی کہ غم و غم ہوئی کہ اب بھی اپنے لوگ ہوتی
 ہیں جنہیں ہم جیسے رشتہ دار لوگوں کی محبت میں
 دلچسپی ہے۔ ہماری محبت میں جس پر یہاں کے سب
 لوگ رشک کرتے ہیں بالکل قابل اسے کی ہے بہت
 اس سے غم و غم کی خوشی ہے کہ ان کی پورائش میں غم

وزن گنہگار تھا وہ دہادہ نہ تھا ہے (مخفی نام)
 خاص کر گناہ میں چاہے۔ کے بارے میں میں کر رہا
 ہوں۔ نہ جانے انکی کتنی لڑکیاں ہوں گی جنہیں زمانے
 کی شکست اور غم و غم میں جاتی ہیں۔ جیسی اور نہت کا
 غم و غم پر غم و غم کرتی ہے جس کے جیسے میں صرف
 ان کی اپنی زندگی میں بڑی کاروبار کر جاتا ہے بلکہ ہمارے
 میں تو ہر جہان کے ذریعے سے دوسری زندگی میں بھی
 سرائت کر جاتا ہے۔ اس کا اثر اس میں ہے اور آدمی
 گناہگار کے غم و غم ہے اس کا اثر اس کے غم و غم
 جو صرف سوشلٹی انتہا ہی سے اور ہو سکتا ہے
 غم و غم دیکھ کر اس کے اپنے سہاویہ بھی بہت ہیں جو
 غم و غم کی محبت انتہا اور کچھ ہو رہے ہیں اور نہیں
 کے ہاتھ تو کم ضرور کے جا چکے ہیں۔ لیکن محبت اور
 شہادت کی غم و غم میں پڑانے والے اسے زیادہ ہیں
 اور پڑانے والے اسے کم۔ لیکن ہمارے دل کا ہوا
 اور ہمارے فکر میں آج۔ ہر حال اس کی تلاش میں
 ملک اور ہمارے کام سے ہمارے گناہ نے کھلا ہے اپنی
 ہوئی اسی میں ہے کہ آدمی اور اس سے ملتی کرتا
 دے بہت اس کے تلاش میں کسی نئے یا مملکت صدی
 کی قریب حد تک چاہتے اور شہادت نام کی کام ہمارے
 اگر آدمی ملنے کے تلاش میں غم و غم کے لئے اس کے
 یہ ملنے ہوئے کہ نا کاظم چھانے خود تک ہے۔ غم و غم
 ہے کہ یہ سوشلٹی ہے اس لئے کہ ایک گناہ کا کام میں
 اس کی کو تک ہوتا چاہتے اور کسی کو خاص خود سے ملنے
 کرنے کے لئے دست اٹھانے کی ضرورت نہ ہوتی
 چاہتے۔"

○ ○ ○

"تمہارے یہ ملنے۔ ایک آج اور دوسرا
 ایک دن پہلے۔ دوسرا طوطا کہ خاص طور سے غم و غم
 ہوئی۔ ہر ان کی فکر اور ان میں غم و غم کی محبت سے
 ہمارے دماغ اب کے اگست ہو چکے ہوں گے۔

ان میں تو اپنا جیو اس زمانے میں تھا وہ ہم شعر میں
 کا قیام نہاد ہوا کیا کرتے تھے۔ اگر انہیں دانا کام
 بھی جیو پہلے تو اس کا مطلب ہے کہ ان کی نسل ان کی کم
 عمر نہیں جیسا کہ ہم سمجھتے تھے اور انہیں باغ زندگی
 کے انتہا تو اور بھی تہذیب کا شعور بھی ہے۔ لیکن
 اس سے زیادہ اہم اور زیادہ غم و غم کی ایک کام آدمی کی
 دانے ہے جو ہم نے جان کی ہے۔ اس لئے کہ اپنے
 ذاتی سکون خاطر کے غم و غم دماغ خاطر کا تعلق اس
 حقیقت سے بھی ہے جس سے ہمارے عقلی وابستہ
 ہے۔ اس حالت یہ عقلی شہادت کی بات مسلم ہو لیکن
 حاصل یہ ہمارے بہت گناہ کا نکل فوری اور سامنے کی
 حقیقت ہے اس لئے خاطر میں رکھو۔"

○ ○ ○

"یہ میں نے زندگی بھی گئی ہے
 غم و غم کرتی ہے کبھی غم و غم اور کبھی سبب غم و غم
 جو ہے اور زندگی اسے آگاہ کرنے کے لئے کیسے
 غم و غم ہے اور یہ کبھی غم و غم ہے اور یہ غم و غم
 غم و غم کرتی ہے بالکل ہمارے غم و غم کی کسی پر
 غم و غم میں کی طرح اور غم و غم اسی جو سے اس میں
 سے لوگ لائے دیکھا اچھا لگتا ہے۔ مجھے انہوں نے کہ
 میں نے گزشتہ بار اپنی غم و غم میں یہ راستہ نہیں
 سمجھیں آجہدہ میرا ہی کر رہا ہے۔ کے بارے میں
 غم و غم دانے مجھے مسلم ہے اور مجھے اس سے کہ
 زیادہ انتہا بھی نہیں لیکن میں نے یہی پہچانی ہوتی
 میں بھی بہت سے ڈو پیٹے ہوئے ہیں جنہیں غم و غم
 غم و غم چاہتے ہیں پر فوری طور سے غم و غم کا غم و غم
 دیکھا لگتا ہے۔ ان ہی صاحب کی مثال کے لئے۔"

"جیسے جیو ہیں۔ لیکن یہ کہ ہمارے ایک زمانے
 میں بہت سے اگلے مجھے غم و غم کا کام سے دماغ
 کہ دانے اور انہیں دماغی ہم بھلائے میں ان کا بہت
 دیکھا تھا۔ اور جب ان سے ہر لوگ حرکت کا ساتھ

جھڑ گئے تھے تو یاد اپنے ساتھ رہے۔ پیچھے ہے کس
 میں ان کا چارٹر تھا، سنا کہ میں ان اور اہل دولت جنوں
 نے لوگوں کی اعتبار سے تاکہ ابھی اطمینان پر تصور
 کا ایک سرفہرہ ہوں اس سے تصور کے دوسرے سرفہرہ کی
 فکری تھی ہوئی۔ مجھے معلوم ہے کہ تھوڑے ہی دنوں
 کے Down Right فٹے میں اس طرح کی
 سوشلائزیشن کی کھانچ تھی ہے لیکن قصوں اس نسبتاً
 کمزور حقیقت کو بھی برداشت کر لینا چاہئے جو ایک سرفہرہ
 مصنفین پر بہت قہر نہیں رہ سکتی۔"

○ ○ ○

"میں صرف جسمانی تکلیف کا قصہ
 سنا رہا ہوں اگرچہ وہ بھی اپنی جگہ میرا آنا چاہئے ہے
 مجھے زیادہ خیال اس گفتگو اور خوش حواشی کا ہے جو
 اپنے اندر ہوتی ہے اور جسے بہت زیادہ جسمانی تخی
 چاہی ہو سکتی ہے۔ مگر آپ کی طرح میں اس کا کہنا ہو جاتا
 ہے تو آدمی زندگی کے حسن و غرض سے لطف اٹھانے
 کے قابل نہیں رہتا۔ مشکل سے مشکل اور سچ سے سچ
 زندگی میں بھی لطف اٹھاؤ گا کیونکہ جبکہ سالانہ بیم
 رہتا ہے جس سے عمر کی طرح برداشت نہیں کرنی
 چاہئے۔ جب کہ ہمارا کائنات بہت ہی مضبوط اور
 غیر متزلزل ہوتا ہے کیونکہ فکری طور پر ہمیں وہی نہیں
 اس کی کوئی سرحد تھی یہ غالب آئے نہیں رہنا چاہئے
 جو صرف زندگی کی حفاظت اور جس کی حفاظت سے حسن
 کا کائنات کے اگلی نسل کے جناب ہوتے رہتے ہیں۔"

○ ○ ○

"معاذے جس دست کی یہی کے بارے میں
 تم نے مجھ سے کہا ہے ان کا مستند ہی ہے بلکہ ہزاروں
 انکوں کا ہے لیکن چاہا اور وہ اپنے پیسے کے
 جھگڑے۔ جب تک ذہنی تکیہ کا سہارا و نظام قائم
 ہے اس مسئلہ کا کوئی عقلی حل تو یہ نہیں ہو سکتا۔ لہذا ہر
 ذہنی مسئلے کی طرح اس سے بچنے کی ضرورت نہیں۔"

ایک یہ کہ آدمی اس سے بڑھ کر بڑھتا ہے تو وہ ہاتھ اور
 دوسرے یہ کہ آدمی اس کے پیچھے دب کر رہ جائے۔
 دوسری صورت یہ کہ آدمی اس کے پیچھے دب کر رہ جائے۔
 صورت کا کوئی تصور نہ تھا کہ اس کی خاطر ہوا بادی
 مصلحت کوئی 'لاہوت' تخیل ہو جو کہ بھی کرنا چاہے
 ٹھیک ہے تاکہ اپنے اور دوسروں کے بیچ فاصلہ میں
 بیکہ کی ہو گئے 'کوئی' سے حادہ بندھا ہوا فاصلہ نہیں
 ہے۔ جس کی اس سے بھی کوئی ہی نہ ہو دیکھ کرے۔
 شرط صرف یہ ہے کہ آدمی اپنی مادی توجہ زیادہ ہمارا اور
 زیادہ اپنی توجہ زیادہ اہم چیزوں پر مرکوز رکھے جو ایک
 طرح سے زیادہ تکلیف دہ اور میرا آزما رہتے ہے لیکن
 اس کے علاوہ کوئی اور راستہ موجود ہی نہیں۔"

○ ○ ○

"For Singing Tomorrows"
 بہت حسین ترکیب ہے۔ ہاں سب کچھ اے واسطے فکر
 بچاؤں کے لئے ہے۔ آج کا 'دہائی' 'آئندہ' کی
 گفتگو بھی دوسری ہی ہے۔ ہمارا آج کا دن ہمارا ہے
 توکل کا دن بھی اس وقت ہے اس طرح ہر ایک کلمہ اور ہر
 گزرتا ہے اپنی تسکین اپنے ساتھ لاتا ہے۔ یہ تسکین
 ساتھ لاتا ہے کہ جو دن گزر چکا ہو کہ کے لئے مصروف
 ہو چکا اور اس کے بعد جو بھی دن آئے گا اس سے
 گفتگو ہو گا اور بہت ممکن ہے کہ اس سے بھرپور اس
 لئے لازم بھی ہے کہ آئے واسطے ہاں پر غور کرے
 لیکن ہر چیز ہونے والی کو ہمارا لیکن ہم کے
 ساتھ وہی ہونا چاہئے۔"

○ ○ ○

"اگرچہ مجھے اپنے دل میں یقین ہے کہ یہی
 ہوگا لیکن اگر میں گفتگو اور انتظار کے کہہ دوں بھی
 ہر کرنے نہ چاہتا ہوں اس سے تو بھی لیکن ہے کہ
 امید اور گل کے ہمارے ہم نہیں بھی گزرا رہا ہے۔
 جب تک زندگی بانی ہے کسی مصیبت کے سامنے

مرگن نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ کسی کی طرح
 سب تشکلات چہرے ہو جاتے ہیں اور ہر ایک تشکلی
 حوالی ہو جاتی ہے اہم چیز صرف اپنی زندگی اور اپنی
 جان ہے جو فخر تمام کی ہے اور امید برقی تھی۔ اور
 مجھے معلوم ہے کہ زندگی بانی ہے۔"

○ ○ ○

"داستانی اسی میں ہے کہ ہمارا
 صورت حالات کا امکان بھی تخیل ہے اس کے اندر کے
 بارے میں انسانی ظلم بہت کم ہے اور تکلیف دہ
 حالات کے امکانات بہت کم ہیں اس لئے ہر کی کو
 اس تکلیف فکری ضرورت ہونا چاہئے کہ جو بھی صورت تخیل
 آئے اسے زیادہ مستند یا سراسر ہوئے بغیر قبول
 کر لے۔ ہم تو اس بارے میں بہت زیادہ عقلی ہیں۔
 دل یہ جانتے ہوئے کہ فکری کی بات نہیں ہوتی اور ہم
 یہ جانتے ہوئے کہ کسی کی تم میں اتنی محنت اور کوشش
 موجود ہے کہ کل جو بھی سامنے آئے گا تم اسے دیکھو اور
 حوصلے سے برداشت کر لو گی۔ اصل میں تمہیں یہی کہ
 کہنے کے لئے بلایا تھا۔ اگرچہ یہ سب کہہ چکی کی انکی
 کہ ضرورت بھی نہیں۔ اس کے علاوہ کوئی خاص
 معاملہ نہیں جسے غور کی ضرورت ہو۔ اصل میں یہی کہ
 فراغت سے سب باتیں لے کر کہیں کے گھر چلے گا
 یہاں بھی مقدار میں لے کر کہیں کے گھر چلے گا۔ ہمارا گز
 یہ باتیں نہیں کہ جو ہر کہہ دیکھیں سے لکھا ہے اس سے تم
 کوئی اور چیز لے کر لے کر کوئی لکھ کر۔ یا کوئی لکھ
 دوسرے اپنے دل میں لکھو۔ یہاں کی صورت حال میں
 کسی کی بات کا امکان نہیں ہوا۔ یہی صورت ہے جو
 ہمیشہ ہے تھی۔ لیکن یہ کہ ایک اور مہیا ہال ہے اور
 اس کے ساتھ ہے چھٹی کی ایک پلاہادی۔ میں نے
 جو کہہ کہ ہے اس کے سخی صرف اس قدر ہیں کہ اس
 پلاہادی کو بھی غور کرنا نہیں کرنا چاہئے۔"

○ ○ ○

"اب سے پہلے تھے اس بات پر وہاں تھا کہ اپنے میں اور جو بھی عیب ہو تم نے جان بوجھ کر کسی کے ذہن میں اضافہ نہیں کیا۔ اب یہ مان لی طرح ٹوٹ چکا ہے اگرچہ اس میں بھی غلطی میری نہیں۔ مجھے تم نے کھسا ہے تمہارے ہاں کی عداوت میں بھی زیادہ اصل اپنی انجوس کی گمان کی مستصوبوں پر اس کے دنی پر بھی ظلم کو لوگا۔ ان کے مختلف دوازدل کو کتنا حال ہو گا کہ ان کی دوازدں جیسا جو کہیں کا سے کوسوں دور فگلی تھی جی اپنی مصیبت میں انہیں بھار رہی ہیں جنہیں وہ اس تک پہنچ نہیں سکتے۔ میں ان کا وہ اپنے دل میں سمجھ کر سکتا ہوں۔ اس لئے کہ ہم بھی ان کی افاد سے وہ چار ہیں۔ لیکن قابل ان کے پاس وہ مافی سہارے موجود نہیں جو مجھے بھر گیا۔ مگر ہم ایک دوسرے سے اسے دوازدگی نہیں اور اس کے علاوہ آج کل کے علاوہ سہارے ساریاں سے ہے یہ بقیہ زندگی کا دوازدگی راستہ بھی جاری فخر میں ہے۔ لیکن خدا نہ کرے کہ مجھے جو صاف اور فطرتی کے عالم میں کسی ایسے دکھ کا سامنا کرنا پڑے جب آدمی صرف ماضی ہی پر نگاہ ڈال سکتا ہے اور مستقبل کا سہارا باقی نہیں رہتا۔ یہ حال جس حالت کا عداوا اپنے میں میں نہ ہوں کی خاطر مل جاتا ہے کار ہے ہم اپنے چاروں سہاروں والوں کے لئے کسی کر سکتے ہیں کہ جس قدر صحت اور دلچسپی تھی ہو سکتے انہیں کچھ پہنچا کیے۔ دوازدگی میں بھی ظاہر کر رہی کہ ہم زندگی سے اسے ذلم خود کو نہیں دیتے ہیں۔ جیسا کہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی دن سحر سے سوائی ہو ہی جائے گی کے تو بات دہیں۔ لیکن ہے جہاں سے ملتی تھی پہلے کہ ہم دوسروں کو کچھ فطرتی رہداشت کرنے میں بھی امداد دے سکتے ہیں۔ اب ہم اپنی فطرتی کا قور میں رکھیں۔ کسی دوسرے کو فطرتی کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ آدمی خود فطرتی فکرا نے ہے جس دوازدگی شکل تو ہوتا ہے لیکن کرنا ہی ہے۔

یہ کھاسی تھا کہ تمہارا عداوہ کہہ۔ یہ سبیل طبع ہونے کو ہے اور شاید دوازدگی انہیں بھی اس لئے دل خوش رکھو۔ یہ اذات کی فطرتی ہی ضروری ہو۔ "سہارے ساتھ ساتھ جو صاف کی جاتی تھ۔ ہاں۔ "سہارے دل تو ابھی آگے آگے تھے۔ سوال یہ نہیں کہ کوئی چیز کی چیز کے قابل ہے کیا فطرت اس قابل ہے کہ اس کے لئے دل ہو کیا جانے یا اصل اس قابل ہے کہ اس کے لئے فطرتی عداوہ جانے۔ بات یہ ہے کہ اگر تھیں جہاں سے دور آدمی اپنی دوازدگی میں اس کے سہارے سے ہر طرح کر سکتی تھیں۔ پھر زندگی میں جو بھی پیش آئے نہ ہو یا راحت نہ ہو۔ پھر اپنی اپنی جگہ انہیں ہے ہر اس کا کسی اور چیز کا دل ہونا ضروری نہیں۔ یہ دل اس خیال سے کھسا نہیں کرنا چاہتا کہ اس اپنے اپنے فطرتی عداوہ اسے کارواہ ہے۔ چاہے سے پہلے جھیں ہاں جائے۔"



مجب تک کہ بری فطرتیں نکلی تھیں ہوگی۔ اس سے اپنا دل زیادہ پریشان نہ ہونے دو۔ مجھے میں نے کچھ دوازدگی سال کر لئے ہیں۔ اگر دوازدگی میں کوئی مصیبت آتی بری نہیں ہوتی تھیں کہ بظاہر فطرتی ہے۔ یہ جب کر جائے تو بہت عجیب لگتا ہے کہ ہم اس کے بارے میں اساتے پریشان کہاں تھے؟ اذما سوچو تو اس کی مصیبت کے اذات کیا تھیں؟ زیادہ سے زیادہ اذات سال کی طرح ہوتی۔ اگر تم کو وہ فطرتی ہے نگاہ دوازدگی میں اس کی اس میں جھیں شادی کی کوئی نیک آدمی اپنے لئے گا جس نے نہ ہوا تو کچھ عداوہ اس سے زیادہ فطرتی کافی ہو۔ اور کسی کا کوئی بھی عداوہ۔ ہر قسم سے فطرتی سے فطرتی کوئی نیک آدمی نہیں ہے اس رہ میں ہم سے جو صاف کیا گیا ہے وہ کسی فطرتی فطرتی معلوم نہیں ہے۔"



"اور وہ فطرتی تھ زندہ اور چار ہے لیکن اسے صحت واپ ہونے کی امید ہے اس فطرتی سے بھر ہے جو زندہ اور چار ہے جس شفا سے امید اور بھر ہے اس سے بھر ہے کہ کوئی نہ چکا ہے۔

"اور جو چکا ہے وہ تو کوئی فطرتی نہیں اس لئے نہ کسی سے بھر ہے نہ کسی سے اس کے فطرتی ہے جی کہ جو فطرتی تھ زندہ ہے وہ کسی نہ کسی سے بھر ہے اس لئے اسے فطرتی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ لیکن اس سے کھے کہ کوئی کا وہ قصہ یاد کیا جس میں "دو صورتیں ہیں" کی بھرا ہے۔ یہ بھر کھے فطرتی آگے۔ اگر تم فطرتی ہو کہ بہت دوازدگی اور عداوہ سہاروں کے بارے میں اذات ہیں یہ فطرتی فطرتی ہے کہ ہم سوائی چاہتے ہیں۔ لیکن یہ عداوہ ہے ہی اس قدر اذات۔ کھے اس کا پہلا دوازدگی ہے کہ کہہا ہے۔ لئے کوئی فطرتی کی بات نہیں ہے۔ یہ بھر کھے ہوئے فطرتی ہے لے عداوہ سے لے عداوہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اپنا دل مضبوط رکھو۔ دوازدگی لوگوں کے بارے میں سوچو جو ہم سے کھیں زیادہ کہ عداوہ ہیں۔ یہ اس کی فطرتی صحت کیوں نہ ہو اگر کر جائے گا۔ تم سوچو کہ جس میں یہ فطرتی ہو گا۔ دوازدگی کی عداوہ ہو گا۔"



"نہ جانے تم اس کی افاد سے کیسے بہت دوازدگی ہو۔ بھر اذات تھا کہ پہلے بھائی رائل کے بعد ہی اس اور عداوہ کی طرح ملنے کے خیال سے اپنا دل ضرور چھوڑ دیا۔ لیکن ابھی تک یہاں کوئی اس میں نہیں ہوا۔ اس کے برخلاف جو بھی دوازدگی کرتا ہے اپنا دوازدگی کو زیادہ یا آرام۔ اس میں اور نہ کوئی معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ ہے کہ اب مستقبل کے بارے میں کوئی بے فطرتی دوازدگی نہیں رہی۔ فطرتی بھر کھے ہے اس کے بڑھتے ہوئے دوازدگی سے فطرتی یک قدم گہرا جاتا ہے۔ مثال کے طور سے یہ سوائی ایک بھٹو پیدا ہو

ساتھ نہ لیں بھلا ہے۔"

○ ○ ○

"تو کچھ تو بتائیے کہ وہ اب صرف ایک

سوا اٹھارہ ہفتی ہیں، اور میں بہت تیزی سے دیکھ سکتی
ہماری مستقل اور بدستور کرنے جا رہے ہیں۔ انہیں
ٹھانے کو یہاں کا کاغذ مضبوط ہو۔ وہ یہ کہ اگر
بڑھتی ہوئی فتنہ اور طوفان بدوقت صرف اگلے تھوڑے دن
چاہئے اور جس چٹائی تک پہنچتا ہے اور پھر نہ کرنی
چاہئے۔ اور وہ اب تک وہاں پہنچے نہ جائیں وہ بڑھ
اگئی اور کھائی دے گی کہ حوصلہ اور پتہ کوئی چاہے
کہ صرف ایک قدم اور اس کے بعد اگلے قدم پر قہر
طور پر کھڑا چننا ہو گا کہ فاصلہ کی جگہ کھٹ گیا اس
بیکروٹی کی وجہ سے خوف اور بدلی سے بھی اجابت ہو

جاتی ہے۔ تم نے یہ چاہا ہے کہ اس دوران میں ہم
وقت اپنی جگہ رہیں اور اصل صورت پر جو غلبہ احاطہ
کے اس کا مسلہ کیا ہے۔ ایک بڑی طاقت جو میں نے
یہاں ہر طاقت کی ہے یہ ہے کہ اپنی سرور اور خلل
صورت صرف اپنی سرور پر کاروائیوں کے لئے ایسے
دیکھتے ہیں اور جس طرح سے ان کے اور فتنہ دے گئے
ہیں اس طرح آپ پر کاروائی میں دیکھیں لہذا کہہ رہے
ہیں۔ جیسے جیسے دشمنی دنیا سے تعلقات کا ہوا رنگ ہوتا

جاتا ہے ویسے ویسے اپنی فنی دنیا کے رشتے زیادہ
گہرے زیادہ کھل اور زیادہ آسودہ ہوتے جاتے
ہیں۔ جس طرح برہہ سانی، یا ہندوؤں زیادہ زیادہ
ہوتی جاتی ہے اسی انداز سے ہر مذہب اپنے عزیز تر
ہوتے جاتے ہیں اس لئے کہ محبت اور دوستی کا صرف
یہی ایک سرمایہ اپنے پاس رہ جاتا ہے اور چاہائی
آسودگی کے لئے اسی خرچے پر خرچ کرنا پڑتا ہے۔
فطرت کے نظام میں جہاں کی روایت سے غریب کا
صلہ بھی ہے کہ جتنے ہونے والے سے جو کچھ ملے
میں رہا ہے اس کا شعور اور اس کی قدر پہلے سے کہیں

جانتے گا سزا کی پیدائش ایک اختراع نہیں تھی کے
بعد ایک ہیگز کر چکا ہوگا۔ مگر اسے اس کا حساب میں
لگایا ہے کہ اگر کوئی طاقت نہ لگی ہو اور پوری عبادت
(بقیہ طاقت میں عام طور سے ہر سال طاقت کے
علاقہ چھ ہفتے حساب کر دینے ہوتے ہیں) نکل کے
سالانہ دھماکے پر لگی ہو کہ طاقت کتنی ہے (کاٹی پڑے
تو انہی میں سے جتنے ہیں ان میں ایک سو ہیں)۔ جس
کے نتیجے میں کہ ہر سو صرف ایک سوا اٹھارہ ہفتی باقی
رہ جائیں گے اور بات انہی شروع لگی نہیں ہوتی
ہے۔ میں نے اپنے لئے ان کا کام کچھ بڑ کر رکھا ہے کہ
کچھ میں نہیں آتا اس مختصر عرصے میں اسے پورا کیجیے
کرنے کے فتنہ کو کھڑا کر ہم تمام ایک نئے رنگ کی طرح
ایک آری انہیں کرنے چلے گئے ہیں یا کسی اور دوست
کی طرح ڈاکٹر کے کاغذ میں گھوم رہے ہیں۔ یہ کام ختم
نہ کیجے گا تو دیکھنا آجائیں گے۔ خدمت صرف اس
بات پر ہے کہ ہم یہاں آرام سے بیکار بیٹھے ہیں اور تم
پر اپنے لیے اور بچوں کے لئے روزی حاصل کرنے کی
ضرورت ہے جو مریض کا کام ہے اور اسے مزید کام
اور دواؤں پر نہیں چھوڑا کرتے۔ یہ خیال آتا ہے تو
محاسن سے پیچھا آ جاتا ہے لیکن کون کیا کئے ہیں۔"

○ ○ ○

"مجھے میں نے کھانا نہیں دے تو تے مہارت
سے اپنی طرح سمجھ کر لیا ہے۔ صرف تم لوگوں کی
فرد و حاجت کے بارے میں بھی دل کو بڑھاتی ہوتی
ہے لیکن چند ہی وقت اور یہاں کی کاسٹنگ کرنا پڑے دل
کو نکل دے لیتا ہوں اگرچہ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ
اس بہادری سے مجھ جوں کا ذکر کرتی ہے۔ ایسے
مہارت میں ہر دن کی جگہ روایت میں طوفان بھی
پاؤں ہوا ہے فلم کے ساتھ مختصر جگہ سے ہر نام نہان
چاہیے۔ ایسے فلم اور بدانت کے لیے ہر ماہ پر قدم
میں کوئی اعتراض نہیں آتی چاہیے اور دنیا والوں کے

زیادہ ہو جاتی ہے۔ جب براؤنگ لے کھانا کر
بڑھانے تک میرے ساتھ چلو۔ تو اپنا ذاتی تعلقات
کی بھی کرنا اور سوا اس کے کہ میں اس میں کی جو
صرف لڑکے ساتھ ہیں ہوتی ہے مجھے وہ اب یہاں
ہونے لگا ہے کہ کچھ محبت اور دوستی میں دیکھ ہوئے
سے پہلے ممکن ہی نہیں۔ یہ رشتے ان ہی لوگوں کے
ہائیں ممکن ہیں جو جہاں کے لوگوں کو اپنے پیار
ہوں وہ ہر طرح کے ممکن چھوڑ دے اور اسی دل
کھینچتے ہیں۔ جہاں کی فانی قسب دیا ہے سب
فریب نظر ہے اگرچہ ہر طرح نظر میں ملتی ہوتا ہے
اس لئے قابل قدر ہو جائے گا جس میں جہاں عقل و حکمت
پر مبنی آری ہو گی اس لئے نہیں کرتے ہیں۔"

○ ○ ○

"میں ہمارے نام ایک عام گھنا
چاہتا ہوں اور زندگی اور اس میں محبت کے نام کی ان
کا ہر بار کاظم لکھتا ہی اپنی گل ہے جیسا کہ خزاں
کی حالت کرنی اس دنوں کے نام کی جو فلم سے اصل
کو دہلا ہوا جاتے ہیں اور ہر لگی کے نام کی جو ہے
دھڑک دھڑک بھٹی کھانڈتی ہے۔ یہی چاہتا تھا کہ اپنی
کے طبع کے لئے اگلی کچھ نہیں لگیں اس خیال سے
نہیں کھانا کھا رہے ہیں ان سے ہر اہتمام نہ کر
سکتے۔ یہاں بھی انی فلم میں ہی موضوع کی نگار ہو
کی جو میں اپنی طبع کے بارے میں کچھ چاہتا ہوں
میری سب عادتیں انہوں میں سے ایک ہے اور میں
نہیں چاہتا کہ اپنے بچوں کو اس سے کم نہ دے کہ چیز
چٹی کریں۔ شاید وہ میری بھی کی اور موقع پر انہیں
فرائض یاد کر سکیں اصل میں اب اس طرح کی پہچانی
سوئی چیز ہی مجھے کوئی نہیں چاہتا کہ اس پر اور
جانتے تو ہوں کہ کہ پانی دے سکیں کے بنانے پر
کوئی بڑی چیز نہیں جس میں اپنے دہائی کی تعلیم انسان
تعلیم حیات کا بیان ہو سکے اس لئے کہ ہر دور شایہ

تاریخ کا سب سے شہساز اور دلوں کا گھڑور ہے۔ نہ جانے یہ کبھی لکھا جائے گا کہ کبھی لیکن اور ضرور ہے۔"

○ ○ ○

"ایک اور ملوث فتح بھرتے کو ہے اور یہاں ہوا کے جھلس پلن میں اور صبح کی تیزی میں موسم گرما کی تاثیر پیدا ہو چکی ہے۔ گرما کو انگریزی میں Summer کہتے ہیں اور یہاں کے لئے بھی یہی لفظ استعمال ہوتا ہے لیکن عادی کریموں کو یہاں کا موسم کتنا ہائل مسکھہ خیر بات ہے اور اس موسم کے خانے کو غوس کہا جاتا ہے۔ اصل میں یہاں اور غوس اور ہڈیاتی اور حرقہ لفظ ہیں جن کا کبھی سردی سے بہت کم تعلق ہے۔ ان کا مفہوم تو ہے گرم و زار اور اس سے نہایت سرد و غم کی رفتار اور اس کا خاستہ دل جانے کے دن اور یاد کرنے کے دن حتیٰ برداشت کرنے کا حزم اور سکھ کا سانس "آسا کھی" خوشحالی اور افسانہ خوانی اور اسے ہلکا بہاؤ کا یہاں کوئی موسم نہیں آتا۔ صرف کبھی سردی کا موسم آتا ہے۔ ہر لفظ لوگوں کے لئے موسم گرما کا پیغام بھی الگ الگ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ موسم قریب آئے گا تو ہم اس کی آمد پر ہراساں ہو گے لیکن میں اس کا خوشخبری خاطر سے انتظار کر رہا ہوں۔ صبح یہ کہ یہاں موسم کی ہر تبدیلی خوش آئند ہوتی ہے۔ کبھی لکھا کہ تاریخ پورے کے دیکھ کے اسے یہاں کی زندگی میں بھی واحد تبدیلی ہے جسے ہم جانتے ہیں اس کے علاوہ موسم چلی ہوتا ہے اور بہت سی چیزیں بدل جاتی ہیں۔ اشیاء اور انسان اور چیزوں کی رنگت بدل جاتی ہے۔ نبات کو سونے کی جگہ پتہ سے گپ کرنے اور سونے جاتے کے واقعات زندگی کا دوسرا معمول اور سوچ اور احساس کا عنصر ہے۔ سب کچھ بدل جاتا ہے۔ اور اگر سب لطف اور حرکت لگا کی میں باقی ہوتی ہے۔ سب کچھ بہت عجیب اور بہت اچھا

لکھا ہے۔ اہل کفر مت ہوتی ہے۔

مثیل خانے میں آدمی کتنا غور غرض اور ہوتا ہے۔ میں ان قدر قہر کا کارکن ہوں کہ وہاں تک مجھے معلوم ہے کہ کتنا سخت عمل ہو گا توں کے لئے اور ہم جیسے جنگ و سون کے پلان کے لئے اس موسم کے کیا سبق ہیں اور ان لوگوں کے لئے کیا سبق ہیں جو ہم سے بھی زیادہ تیار اور تیار ہیں اپنی مصیبت میں ان کی مصیبت بھی شامل ہے۔ اپنی کھائی کے ساتھ ان کی تجارتی بھی لگی رہتی ہے اور، پھر ان کی ماں کا وہ کھو سب لڑکتہ زور ہو یوں اور عجیب ہاں کا وہ سب بچوں کے آسمان جنہیں عالم انھوں کے ابدوں کے ہاں جانے سے نہ کہتے ہیں لیکن ان کے دود کے ساتھ ان کی مصیبت اور ان کا نقل بھی اپنے ساتھ لگا رہتا ہے۔ یہ ایک دوسرے کی کھائی کرتے رہتے ہیں اس لئے دل فخر نہیں کھاتا۔

"تم اس بات سے رنجیدہ ہو کر کسی نے نہیں اور کا کیا ہے اور وہاں تو اسکو کے خاتم کا طعنہ دیا۔ یہ واقعی بہت تکلیف دہ اور دل دکھانے والی بات ہے لیکن قوی صافرت کا خاصہ ہے کہ وہ ہر شے پر عبادت ہوتی ہے اور کوئی بھی فکر اور آقا دے جانے کا وہاں کی ہادی مصمم اور بے گوارہ ہیں نہ وہ اسے ایذا پہنچانے سے نہیں بچتا۔ اسی لئے انکی صافرت اور قصبات سے بیکار پیدا ضروری ہے۔ اسی سب سے ہم غرت اور تنگ نظری کے خلاف انسان، واقعی اور انصاف کی حاکمیت جو وجد میں شامل ہیں۔ جیسا تک غفلت کی اور جست ترقی کا سوال ہے ہرے اپنے ہم وطن میں بھی ایسے لوگ ہیں گے جو کوشش واقعات کے ہونے لگے بھی ایک غور و خیر و خیر آرا لگتے ہیں گے۔ اپنے ملال سے یہ لکھا کوشش آتی ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ جو لوگ مجھ سے واقف ہیں ان کی نظریں یہ چیزیں ہاں ہے مٹی ہیں اور وہ واقعات ہیں ان کی راستے ہاں ہے

واقف ہے۔ یہی بات تھا کہ ہمارے میں بھی کچھ ہے۔ "جو لوگ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں ان کے ہمارے میں وہی دیکھنا اختیار کرنا چاہئے جو حضرت عیسیٰ کا تھا۔ صرف اتفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ کلی مصیبت کی خاطر۔ میں نہ کہ تو اپنا سکون و اطمینان اپنی بیتان طرازیوں کے دم و کرم پر ہوتا ہے اور وہاں میں اپنے طراز بھی نہیں ہوتے۔"

○ ○ ○

"آج کیا اچھا دن ہے حاکم کوئی نہیں سہلی سے اپنا کچھ کچھ کے خالے نہیں کرتی۔ اور ہم میں سے ہر کوئی ایک ہی اپنے دل میں نے لہرا ہے۔ یہ کچھ مستحق ہے۔ صرف اپنا ہی نہیں ساری دنیا کا مستحق۔"

○ ○ ○

"تم جاؤ تو غرضی کے ہمارے میں اپنی فطیخار بحث ہر سے شروع کریں۔ تم کبھی ہو کر ہمارے قسے میں یہ قسے ہے کہ کچھ کچھ لوگ اسے اپنے مقصد کے لئے نکال کر لیتے ہیں جس سے بدھ کی اور خدا پیدا ہوتا ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اگر یہ لوگ ہر بات میں معطل اور نااہل ہوں تو کیا تمہاری دنیا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس لئے انہیں سمجھانے بچانے ہاں کی کبھی طرح دیکھنی کرنے کا بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر وہ نہیں جانتے کیا نہیں ہاں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے کہ وہ اگر جہنم میں جاتے ہیں تو کیا کچھ؟ کچھ تو ہے اتفاق ہے کہ اپنے ذاتی آرام اور سکون قلب کی خاطر یہ بھڑے اور پشتر دانستہ لوگ بھی کرتے ہیں لیکن ایک چھوٹی سی انکیت ان خدا کی توجہ رحم کے لوگوں کی لگتی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس صورت حال میں انہیں ضرور مداخلت کرنی چاہئے۔ اس خیال سے کہ شاید اس طرح کسی کی بھڑی ہو جائے۔ یہ خیال عام طور سے

لفظ ثابت ہوتا ہے نہ بگڑا ہوا یہاں تک کہ کرتے ہیں۔
 میں اپنے بارے میں شکاں نہ کر سکتا ہوں۔ مجھے پتہ چلتا تھا کہ
 کہ بہت ہی کم انسان ایسے ہوتے ہیں جو فطری اور
 فطریاتی طور سے بدہوش (بے شعور) اور کڑا کر رہا ہوں
 اور اس لیے بے اعتدال اور ناقص اور بیشتر لوگوں کی بغیرت
 میں مختلف عصب سے نکلے ہوئے دردوں میں مبتلا ہوتی
 ہیں۔ ابتدائے عمر میں اس اجزاج کی صورت بدلتی
 رہتی ہے لیکن بعد میں دھیرے دھیرے یہ ایک خاص
 سانچے میں داخل ہوتا ہے۔ جب اسے بدلنا مشکل ہو
 جاتا ہے۔ لیکن ہمارے اساتذہ کرام ہر ضرورت پر کام کرتے
 تھے۔ حاضری طور سے یہ کتاب میں لکھتا ہوں کہ اس وقت
 فائنٹ کرنے یا کڑے کرنے سے یہ کام نہیں ہو سکتا
 البتہ صبر اور دینی سوز ہو سکتی ہے۔ کیا اس دھیرے
 کو حاصل بھی ہوتا ہے؟ عام طور سے نہیں ہوتا لیکن
 انہی کھوار پائیدار شاہد ہوتا تھا کہ ہے۔ ہر صورت اس
 کام میں ہاتھ ڈالنے کی ضرورت نہ پڑتا ہے۔ شاید اپنی
 نگاہ کی وجہ سے نہیں بلکہ خود پسندی کی وجہ سے اور
 مخالفت کی بجائے کہ شاید اس قابل ہو کر کسی کا ہلکا
 کر سکو اور عذاب میں جھینسا رہا ہی کیوں نہ لے۔
 اور اگر کوئی یہ جاننے کی کوشش کرے کہ کچھ مخالفت
 ہے تو خود میں آ کر اپنی اپنی بات پر اور بھی اذیت ہوتا
 ہے اور یہ بھی خود پسندی کی ایک صورت ہے۔ یہ ظالم
 کتنی ہو گی کہ یہ سب فرکات ہے جو کہ ظالم ہے اس
 لئے بحث نہ۔

○ ○ ○

”ہذا اصل خلافت کی اور ابا کا ایک
 گوند سلیم ہوتا ہے۔ جہاں نہ جاتا نہ نہ لانا کڑ
 ہے اور نہ زندگی کے غلطیاں کی آوازیں۔ یہاں نہ
 زندگی کا دہرا ہے نہ موت کا اور بیچے جانے انسان جو
 جیتے جیتے مرنے لگا رہا کرتے ہیں اور بڑے بھڑکے
 ہیں سب کی عظیم انسانی کتاب کے کردار سلیم

ہوتے ہیں جو اچھی تصنیف بھی نہیں ہوئی۔ یہ صوفیوں
 کرنے کے لئے کہ ہم بھی ذہنی طور پر ہم بھی زندگیوں
 کی ہر اہم کی شہادتیں اور ان کے دکھوں میں مبتلا ہیں لیکن
 یہ کافی زور دینا چاہتا ہے۔ لیکن شاید یہ بھی ہندی طرح
 گنگا نہیں ہے اس لئے کہ جہاں تک بذات کا تعلق
 ہے، مثال کے طور پر میں کوئی بھی بات اپنی طرح کا نہیں
 ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ ان طویل اور پے در پے رنگ شب
 روز میں جہاں اکثر یہ صوفیوں ہوتا ہے کہ ہم زندگی اور
 موت سے پرے کی غیر مادی دنیا میں داخل ہو چکے
 ہیں وہاں کا ایک ایسے کے بھی آتے ہیں جب زندگی
 سے اپنی پاکیزگی اور وحدت و ہر کا بہت غفلت سے
 احساس ہوتا ہے۔ محبت اور زندگی اور سرگرمی کی تلاش
 بھی کھو کھا رہا ہوں ان گنت انسانی جھوسوں کے درد
 شجاعت کا غریبی اور کلفت و اقامت سے ایک چلن
 ہونے کا احساس۔ اور ہر وہ کئے آتے ہیں جب قیاد
 زور و جوش و خروش اور کئی اور گھبراہٹیں اور ہوس
 اور ان سب طبی چیزوں پر غور کرنے سے ہتے مثال خانہ
 کہتے ہیں تو کیا ایک کچھ نہ کہ آنے لگا ہے۔ صوبہ و
 صوبہ کا بہت اور ہر اہم کا سیلاب انداز سے اٹھتا ہے
 جس میں اپنی ذات اور اپنی ہر چیز غریبی ہو جاتی ہے۔
 ہمارے لئے بھی آتے ہیں کہ کوئی عوامی سماج پر اور کچھ
 عملی کو بہت چلتے ہے یہ کہ ایک کچھ بھی کہیں زمین
 سے آزاد کرتا ہے اور اسے دیکھ کر کہلے ہے پناہ اور
 داخل جان سرست سے کھرج ہو جاتا ہے اور تمام
 وقت دل جاتا ہے کہ اسی ہر کوئی کے لئے انھوں
 میں حقیقت لگتی ہے اور اسے دیکھ کر کہلے۔ شہر کی آواز لگتی
 اور پھر اور اور وہاں سب محبت ہیں سب غیر متعلق
 ہیں۔ اسی صورت سے دل یہ بھی جاتا ہے کہ ہم میں
 سے ہر ایک ملے میں جو اس کے ہر اہم کی پیچھے دھنوں کی
 کلیت اور ان کے کچھ راحت میں زندگی رہتا ہے۔
 نقل میں ہر وہاں بہت ہیں۔ لیکن جیتے اور جیتے اور

یاد کرنے کے سبب میں یہاں بھی کی نہیں ہوتی۔“

○ ○ ○

”تم نے پوچھا تھا کہ ایک غائب اس
 طرح ہونے کے بعد تمہیں کچھ دکھ کا احساس نہیں ہو رہا
 ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کا طرز فکر ہے کہ
 کوئی شخص ہے۔ میری رائے میں یہ احساس اس وجہ
 سے ہوتا ہے کہ لیکن کچھ دھڑکے پڑ گئیں کہ ہم ایام
 فیم میں لوگ مٹانے کے بجائے غریبی طور سے ہی ہمارے
 ہمسایہ کے جس یا کھول نہ کھول کر۔ لیکن یہاں سوچنا
 باقی اختلاف بات ہے اس لئے کہ ہم اور تکلیف ہی کا
 زائد زائد ہوتا ہے جب مثال میں اور جب شہت سب
 سے اور اور کار ہوتی ہے اور ہی کا خاصیت سے معاملے
 کے لئے ظاہری اصل صورت کے ہر اسکلہ سے اکثر
 کوئی چیز نہیں۔ مثال میں ہم جو فیصلے کر کے دے رہے
 ہیں اس کا راز بھی ہے۔ ہر اسلی باعث کے علاوہ اس
 سے جو ملے گی بگڑ جاتا ہے۔ جہاں تک اساتذہ عارف
 فطرت کے شاہد میں پہلے بھی کچھ ہوا کہ وہ اپنی
 آسائش کے لئے نہ صرف اسے ہی کچھ بھی نظر انداز
 کر دیا ہوتا ہے بلکہ اس پر کھلم کھلا کھینچتا چاہیے۔“

○ ○ ○

”یہ صوبہ کہہ کر ہوتا ہے کہ ہم اور تم جیسے لوگوں
 کے لئے اور مرد زندگی کی اس ہی پر قدم بٹھانے لگتا
 کتنا مشکل ہو گا جو وہاں چلے گا۔ یہ ایک اور پناہ اور طوفانی
 ہوتی ہو رہی ہے۔ لیکن پناہ تو توں کا ہم کہنا تو اس لئے
 اور یہ ہے کہ اس کے اندر کوئی پناہ نہیں۔ کچھ بھی وہاں
 اسی دہی سے اکثر ہم کی کئی ہر وہاں پر آرام کرنے
 گئے اور یہاں کو کھینچے ہوئے اور جہاں کو گاتے ہوئے
 دیکھیں گے۔ محبت اور اپنی اور دکھاتے ہیں کہ وہاں کچھ
 اس کے قابل محبت اور زندگی کی آسویں اور ہر اور ہی
 بھی ہو گی۔“

○ ○ ○



12/26/2014 12:26 PM

”جیسے تم نے کہا ہے اس بات سے بہت
 احساس ہوتی ہے کہ ننگی اور لافانی نگاہ جو دریاؤں میں جھانک
 رہا ہے اس کا ہم کو حق سے باخبر ہونا چاہیے اور اس کی طرف سے
 ہے کہ تم کو اس کی انگوٹھ سے ہمارے حق پر ہے جیسے تم کو
 اور لوگوں پر مطمئن ہے جو ہوتے ہیں سے غرت کرتے ہیں
 اور جو حق پر اصرار رکھتے ہیں اس کے پاس ہوا سے اپنے سے زیادہ
 کم نہیں ہیں کہ اس وقت پہنچانے کیلئے تم کو اس کو اپنے سے
 اس کی طرف سے کرتے۔ مثلاً اگلے ہی دن کوئی بچی بہت
 جاسا مٹاؤں کا ایک بڑا سا کس بھرے لئے بھڑ
 گئی۔ اور پانچ گھنٹے میں صرف ایک مٹاؤں جو کہ کوئی
 میں سامنے بھڑ گئی جس میں لئے میں پہنچ گیا تھا جاتا
 کہ کسی کا ٹھکانہ ہوا کہوں۔ شاید یہی تھی سبیلوں
 میں سے کوئی کہ ہو۔ ہر حال میں پہنچاں کے آگے اس خبر
 سے باخبر رہنا چاہیے۔“



”تم نے جس زور و شور سے اپنے اذیت ڈھنڈے والے فلسفے کی حمایت کی ہے اس سے بہت لطف آیا۔ میں جانتا ہوں کہ دنیا کا کادہ یا ماسی فلسفے کی بنیاد پر چلتا ہے اس لئے اس کی حقیر کیسے کر سکتا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اپنی طرف سے پیدا جہیز پر بیچک مارنے کا میرا جو مقصد ہے وہ تمہارے فلسفے کے مقابلے میں فیضا فیروز اہم ہے اور اس فلسفے سے صرف شاعری بچا ہوتی ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ اصلاحی شاعری ہو۔ لیکن اذیت ڈھنڈے کے فلسفے کی بڑی کی میں بعض اوقات جیسے وہ ماسک کو مارا وہ جا کر ایک طرف فیصلے کئے جاتے ہیں جس سے مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ میرے پھر کے فلسفے کی بڑی کی میں سادہ مسائل کو اڑا دیا جیسے وہ بڑے کی کوکشن کی جاتی ہے اور اس سے بھی مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ فزنی مراد یہ ہے کہ میں اختلاف کے بارے میں تمہارے فلسفے کا احترام کرتا ہوں لیکن تم سے فیصلے یہ کہ اس کے فلسفے ناپائیدار ہیں۔ میرا بھی

میں اس چارپائے اور نہ توہم سے فطرت کی نئی آواز جانے لگی۔
 لگیں ہم دونوں بھیر چلے۔ میں گم گم کر رہا ہوں۔ یہ
 اناؤں بازگوں کی صدا کرتے ہوئے ہی بھیر ہوں
 جیسے تم انہیں پانچہ کرنے پر بھیر رہے۔ بھیر رہے ہے مکان
 دونوں فلسفوں کے احراز سے کوئی ہمارا حال فساد
 دوستی کا نظریہ تشکیل دیا جانے لگیں یہ تھوڑے سارے
 کے بعد ہی ہوگا۔ جب تک ہم دونوں اپنی جگہ پہنچے
 پانچہ یہ قائم رہیں۔^{۲۰}

”خیر، اس بات کی طرف اگر سنجیدگی سے بات کرے تو ہم یہ موضوع ہادی دیکھو، کوئی جھوٹا سونا پکچھل نہیں صرف دھوکا ہی چاہتی ہیں کہ اسے بے ضرر دے دیے بلکہ دلی بہانے کے لیے موضوعات گنگو بھی پیدا کیا کرتا ہے مثلاً اس میں کئی دھوکے کا موضوع ہے۔ تو اس کے علاوہ انکی باتوں پر زیادہ توجہ دینا ہے کہ ان کو کم تر سے توجہ دینا۔“

”قلی خانے میں اپنی کیفیت کے جو مختلف
ہرگز رتے جس میں ناکہ کر سیکے گی کہ بکھڑوں میں

سب سے زیادہ خطرات کیفیت وہ ہے جسے ٹیلی ویژن میں Prison Coma کہا جائے۔ ایک مقررہ گیارہ گھنٹہ کا دورہ طے ہوتا ہے۔ جب ہر چیز کہیں دور چلی جاتی ہے پھر سب کو غیر معمولی اور بے وقتہ خطر آتا ہے جب کوئی درد پاتی رہتا ہے اور نہ کوئی راحت اور عیش رہی ہے یا آرام سمجھتا ہے۔ یہ کیفیت ایسی گزر جاتی ہے جیسے اور سب کا گزر جاتا ہے۔ کبھی جب تک طاقتور رہتی ہے کبھی کمزور رہتا ہے کہ یہ کبھی غم نہیں ہوتا کی اور نہ کسی ایسے کڑے کی طرح میں ہوتا ہے جو

”آج کل کے نوجوانوں کے گمراہیوں سے اس اہل اور دانشمندی میں جیسے کوئی فرق۔ جب تمام اعلیٰ کے قریب اپنے عقیدہ داروں کے ہوا پر چلتے ہیں وہ کمزور ہیں۔ سامنے ہتھیال کا خزانہ ہے اور پے سے مرگ کا دھوکہ نظر آتا ہے جو رنگ مرگ کو جانتی ہے۔ ہمارے ان کی جھجکاؤں کا ایک جھنڈ ہے اور ان کی طرف سے رنگ کے نیلے پے میرے سامنے ایک جھنڈا سا چار ہے جو غارتی اپنی انکس کی

تنگی ہے جس کے دکھانے وار پہلو میں ایک بوجھ
 طبیب جھک رہا ہے۔ اس سے دارالہمچائی پر ایک اور تیز
 روشنی ایک گاؤں و ملت کے بڑے بیٹے کو منور کرتی ہے اور
 اس سے اس کے سوا پر ایک اور روشنی ہے سڑک پر کار
 کا ایک تاب سا غمراہتا ہے جس میں بھی کئی کئی
 دھڑکی ہوئی کار اور بھی کسی ست درجہ کی ٹھک کہ
 بھر کے لیے ابھرتی ہے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔ سر
 پر بال بچہ غم کھانے رہتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ
 ان کی ہر حرکت کے ساتھ رات کا سوا بدل جاتا ہے۔
 رات کا چہرہ بھی روشنی مسکراہٹ سے کھل اٹھتا ہے اور
 کبھی ابھری افسردگی سے بھلا جاتا ہے اور شہر
 دکھار کرتا رہتا ہے۔ کبھی رات کی سمیت میں کبھی

20/8/80
 Please pay
 Rs 445-0-0
 at the credit
 of the

bill
 14/6/80
 14/6/80

to the
 S. P. M. S. Co. Ltd.
 21/11/80

21/11/80
 21/11/80

اچھے رات سے ایک اور اس میں بہت تنگی
 اور بہت دور ہے اور دل دونوں کے لیے اسی منہ
 ہوتا ہے۔ دور کے لیے بھی۔ تنگی کے لیے بھی۔ اس
 لیے کہ دونوں کو اسی دے ہیں کہ رات کے سوا
 روگ کے پادھور دل زندگی سے بہرہ ور ہے اور اس
 روگ کے پادھور دل خوب اور صحت مند ہے۔

• • •

تم نے جو پھا ہے کہ دھروں کی
 زندگی میں وہاں رہنا چاہیے کہ نہیں۔ میں کہتا ہوں ضرور
 رہنا چاہیے بشرطیکہ آدمی دولت وادی سے محسوس
 کرے کہ اس سے کسی کا بہا ہو سکتا ہے۔ دولت اگر
 نیک تجھ کو دے دے تو شکر ہے یا اس صحت کی قدر تیرے

رنگینی پاپے ہر توجہ پر غصے اور قہر سے ابرو اچھڑا کر
 چلنے کے لیے تیار ہوا تھا کہ اسے صبر سے سنا دیا گیا کیا بار
 ہو چکا ہے لیکن مجھے اس کا ذرا بھی حاشطہ نہیں۔ اس
 کھیل میں ایسے حقائق ہے ظاہر ہے آدمی کی پھیل
 کھینچے ہوئے گھونٹیں لگیں ہوں، لیکن تو آدمی اپنے سوا کسی
 کے لیے کچھ بھی کرے نہ گھونٹیں اور اس کے پاؤں
 کہنے کو کہتا ہی رہتا ہے۔^{۱۱۰}

”آج تک جب میں شہر کے لیے بیڑا تیار کیا کہ وہ کی یاد آئی اور دل ہلایا اٹھا“ میں بہت ادب تک کہ افسردگی سے سوچتا ہوں کہ انسانی دل واقعی کس قدر بے حقیقت ہے۔ ہے اور انسان کی دل کتنا افسردہ ہے۔ چار خانہ کا دوا دھار دھس دھس تھا جس میں نہ کی اس کے کمرے کے ہیں نہ کی اس کے پاس کی چوٹی کی خبر ہے اور تمام کہہ سکتے ہیں کہ کی جگہ ہے اور یہی سونا چاہیے مرنے والے ہے کی جگہ کی عزت کیوں نہ ہیں ہر حال زندگی سے نا اعلیٰ ہیں اس لیے انہیں بھول جانا ہی بھر ہے۔ لیکن اے جیسی نہیں کی جگہ ہے۔

”جرمن نے دالے یاد میں لکھا ہوا کیا وہ جینے
 دالوں کی دھکی لی کا جو انھیں دالتے اس لیے کہ وہ
 لکھا ہی تھی، شے ہے جیسے کوئی دانی تجربہ یا واقعی
 طاقت، پھر کیا ہے ابھر انھیں کہ مرنے والوں کی لنگی جینے
 دالوں کی یا ادا شدہ میں ایک ثابت اور ہوا صبر کے
 طور سے لکھا ہے کہ شریک اس بار سے جینے اور
 اسے کسی خود سے الگ کیا جائے کہ یہ شرط اس لیے
 ضروری ہے کہ جو دوسرے بھی اس طرح سے
 دالوں سے ہو کہ کا اور یہ مقصد شے ہے اور یہ
 مقصد دیکھنا کہ غلط نہیں بھی ہوتا ہے ”بلکہ انسانی
 بھی، جو مالی کی دنیوی یا صبر سے کام لے کر
 دے کہ دالوں سے لے کر“

اس وقت شام کے چائے پئے ہیں، میں داخل
رہا ہے اور چہرے لوگوں میں اور لوگوں اور خوشی
ہے اور کافے کے رنگ کی روشنی کی آخری کرن بھی
جانے گی۔ مگر یہ لوگوں کی آوازیں گنگ سے جانے گی
اور وقت ظہر جانے کا جس دن پچھلے مشین کا کیلنڈر وہ
کافی برا وقت ہوتا ہے، آٹھ بج رہی تھی اور وہ جانتی ہے کہ
پھر پڑے گا پڑے نہیں سکتا، آج پھر اس کی روشنی کر نہیں
دے ہے یہ ہم کر بھی نہیں سکتے اس لیے کہ ان میں بھی
بہرہ رانی ہے اور شام میں کافی دیر سے ٹکلی ہے اس
وقت اگر انھیں خود کو شام میں کر نہیں سکتا، یا ان
کے سنی وصول کرنے سے انکار کر دیتا ہے اس وقت
سوچنا پڑا کہ بھی اچھا نہیں اس لیے کہ گزرتا ہے وہ
دن کی خاموشی جاگلی پیدا ہے کہ ان کے دل میں رنگ نہ رہی
ہے۔

”ہمارے پاس اس وقت کے تعلق سے جو قصص و روایات ہیں اب میں انہیں ذرا دہائی طرح کو کھینکوں۔ یہ روایت ہے جب ہمارے ہمارے میں ”ابن کبار“ نے کہا کہ ”امیر المکرمین“ جب کوفہ میں آئے تھے تو ان کے ساتھ ایک کاتب تھا جس کا نام قرظہ تھا۔ انہیں کیا کیا تھا؟ زکریاؑ کو روایا دیئے گئے تھے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ حالات بھی نہیں کرتے یہ تھا کہ اس زمانے سے چلے آ رہے ہیں اب سچ ایک ذمہ دار بتاتا ہے کہ ہمارے ہمارے ایک ذمہ دار نے اب دیکھا اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں جان پہچان کی۔ اب ان کی عمر اب بھی حقیقت ہے کہ اس وقت تک اپنی ذاتی ہے جب تک دعائیں کی سوت کا تعلق نہ ہو ان کی یہ بات کی یہ سیدہ سادہ ہے۔
پیش پختہ



مستحکم کی وجہات کا یہی کریمہ تھا کہ ہول سب
کمزوروں کے ہاتھوں آگے نہایت طرح تھے اور ان

بات پر لگے، کچھ فرنگی ہے کہ وہ امرتسر میں میرے
شاگرد تھے۔ اگرچہ چٹا گروادی کچھ دانتے نامی فرنگی
اس لیے کہ وہ کاکاس میں قادیان میں بھی آتے ہوں۔
بلکہ میرے گھر پر اکثر مسجد اور فرنگی اور چٹا فرنگی
اور سپاہیوں اور نہ جانے کس کس مصلوب پر اگر اکرم
مہاتے ہوتے تھے۔ میں اس گرو کے چچے ہیں لیکن
ہے چچے کی بات ہے۔ اور یہ فرقا، جیسا اور
حاضر کے ہندو کی گھست والے کا نام اس ہے وہ اس
سے کوئی حدیث کا نام نہیں کہیں کہ مصلوب کی تو اس کا
اپنا قصور ہے۔ بہت بڑا قصور بہت بڑا قصور زندگی
بہر کرتا قصور صحت کا سستی اس کرنا قصور اور غیرہ و غیرہ لیکن
یہ کہانی نہیں سنا ہے کہ اس کا کیا ہے ایسا کہیں کی قصور ہے
کی کہیں نے بھی اپنے کو یاد نہ کیا قصور بڑے ہو گئی۔
سوزا اس نے ہو گئی۔ اور بھی کی نام کو اسے جاننے
ہیں۔ اس لیے کہ جب حاضر فرنگی حالت کی ہو ہے
فرنگی اور زندگی ایک قصور ہے یہ میرے یاد ہیں تو
دلوں میں سے ایک کی قربانی دینا چاہتی ہے۔
دوسری صورت کھوہ ہادی کی ہے جس میں وہ دن کا
کہ قصور قرآن کرنا چاہتا ہے اور تیسری صورت ان
دلوں کو کچھ کر کے جدا جدا مصلوب پیدا کرنے کی
ہے جو صرف عیسائیوں کا قصور ہے۔ مصلوب نہیں تھا
لیکن بہت بڑا قصور بہت بڑا قصور اور بھی راستہ کو
خودہ تھا۔ میرے خیال میں اس کا کچھ قصور ہے اسے
کی میں ہے کہ گرتے ہوئے وہاں سے وہ آتا اور میری
طرف سے بہت بڑا اور دینی فریب پہنچا رہا۔

”لب پہ حرفِ غزل، دل میں قدیلِ غم“

اس مضمون کے ابتدائی حصے میں جب لفظ کی اس رائے کا ذکر کیا تھا کہ ”ما یغیر غم اور ہے اضافی کے سامنے غم کی ذاتی تالیفیں ہے حقیقت کوئی دیتی ہیں تو ہم نے اس پر تفصیل منظرِ نقیض کے کام کا جائزہ لینے کے بعد تک غم کی قسمی، غم پر کہ نقیض کی یہ رائے جس کا انکار انہوں نے ”نقشی فریادی“ کے ادیبوں میں کیا تھا، ان کے ہاں ایک گہایت گہایت دلی تہہ ملی اور ان کی شاعری میں ایک نئے سوز کی نشان دہی کرتی ہے۔ اس دلی تہہ ملی کے زیرِ اثر نقیض شاعر نے میں شاعری کے مقام پر مصعب اور اس کی دوسراری کے بارے میں جس جیسے پر پچھو، انہوں نے ”اسدِ مہا“ کے اقتباس میں غالب کے ایک مشہور شعر

قمر سے دیر، دیر کوئی نہ اسے اور جزو میں کل
کھیل لڑکوں کا ہوا دینا دینا نہ ہوا
کے استعارے سے مستحکم کرتے ہوئے ہیں

یہاں کیا ہے
”اگر غالب کے دہلے سے زندگی اور
سجودات کا نظام رواں دواں ہے تو ادیب خود بھی اس
دہلے کا ایک شعور ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے
ان گنت شعروں سے مل کر اس دہلے کے سرخ اس کے
یہ لڑائی جیت اور اس کی منزل کے قصے کی دوسراری
میں ادیب کے سرانِ جنتی ہے۔“
”میں کہنے کا شعور کا کام کھل مشاہدہ ہی نہیں“

گہا، مگر اس پر فرض ہے۔ گداؤں کے مضطرب
قمروں میں زندگی کے دھڑکا مشاہدہ اس کی جگہ ہی
ہے۔ اسے دوسروں کو دکھانا اس کی فنی دوسری ہے اس
کے یہاں کمال اور ان کے شوق کی مصالحت
اور لہو کی حسرت ہے اور یہ تینوں کام مستقل کاوش اور
جدوجہد کا نتیجہ ہیں۔“

اسی اقتباس میں آگے مل کر نقیض لکھتے ہیں
”جانت، انسانی کی اجتماعی جدوجہد کا اور ایک
اور اس جدوجہد میں سب تو خلیق حرکت زندگی کا کھانا
ہو نہیں تو کبھی کبھی کھانا ہے لیکن اس زندگی کا ایک جزو
اور یہ جدوجہد اسی جدوجہد کا ایک پہلو ہے۔“

یہ کھانا کھانا آخر رہا ہے اس لیے غالب نے
کے چھپو نہ کوئی نہ وہاں نہیں۔ اس کا کٹن ایک دلی
کوشش ہے اور مستقل کاوش اور کوشش میں کامرانی یا
ناکامی تو اپنی فوجی واستقامت ہے جسے کوشش میں
مصروف رہنا ہر طور ممکن ہے یہ ہر روز ممکن۔ کوشش
میں ہی حشر کیوں نہ ہو زندگی واقعی سے فرار اور
فرسادی ہو ناگہی ہے۔“

نقش کے اس بیان کے حلقہ کو کہنے سے
خوشتر میں آپ کو یاد آتا چاہوں گا کہ اس باب میں
ادب سے غم دوسرے بڑے شاعروں کا کیا ہے۔ ہا
ہے۔ تیرہ غالب کو جعفری زندہ کے احساس کے
بادرو اپنے شعور نے یہ جڑا جس کا کھانا اپنی لہجہ
خوشتر میں انہوں نے ادا کیا ہے۔ شاعری غالب کے

خود ایک مٹی آخری کا نام تھا اور وہ لکھتے تھے کہ ”آئینہ
زبان اس وقت مٹی سمون کا کرنا ہاں راست۔“ اس لحاظ
سے وہ شاعر نے میں شاعر کے ایک خاص مقام و
مرتبہ کے قائل تھے۔ غالب کے بعد ادب ہاں
حلقہ ملاتی اور سیاسی عامل کے تحت ایک مٹی اور آ
کہ جس میں ادب ہاں بڑے بڑے شاعر شاعری سے
کہو کہ غم کا طوطا ہے اور شعر و ادب اور غم کے
دوسرے مطالعہ کو کہہ کر جی ہی لکھتے گے۔ جگہ لے
قدیم اور کئی سے باوجود وہی کھانا کھانا
کے لیے ایک فنی علم نہیں ”مسیحی“ ”مسیحی“ ”مسیحی“ ”مسیحی“
اسی نظریے کے قائل تھے اور بھی یہی لکھتے تھے کہ

”ہم کام کہ کر رہی ہیں قومی
انہیں ذاتی غم نہیں ہے“
”شعر یہ کہ مٹی اور آواز قومی شاعر تھے اور شاعری
کا نہیں لے کر کبھی کبھی ان کے دل میں یہ
خیال ضرور تھا کہ کار جہاں کی دوسراری اپنی کرنے
میں شعر و ادب اور لہجہ سے دلچسپی ایک سہ راہی
حیثیت رکھتی ہے لہذا قومی کے لیے یہ کئی مضامین
نہیں۔ اس کے دوسرے نقیض کے بیان سے صاف ظاہر
ہے کہ غم کو کار جہاں کی دوسراری اپنی کرنے
میں مائل نہیں لکھتے بلکہ غم کے نزدیک وہ اس عمل میں
مرد و سوانحیات سے متعلق ہے چنانچہ نقیض کے شاعری کہ
کبھی دوسرا ہے کہ جی نہیں سمجھا اور خاں شاعر
ہوئے یہ کبھی عام ہوئے۔ شاعری میں ان کی نظریں

زندگی کی خام چوہہ جس میں شریک ہونے کا ایک اور چہرہ تھا۔ اور اس سے الگ ہونا ان کے لیے ایک صاحبِ حق سے نہیں بلکہ خود زندگی سے غلامی کے حروفِ تحریر اور بطورِ نمونہ شامی کی اہمیت کے چائلے تھے۔ اس کا انکسار انہوں نے بار بار کیا ہے۔ ظاہر سمجھو کہ اس طرح میں ان کا یہ جان سمجھو ہے کہ "خالص زمانائی اور خالص خواتین شامی کی تخلیق نہیں کرنی چاہیے اس کی اپنی مثال اپنی انانیت ہے۔"

شامی کے خاتم و مصعب اور اس کی اور زندگی کے متعلق فیض کا نظریہ ظہور میں اپنی جہتی کا منظر ہے اس کے محرکات کی نسبتاً تفصیلی توضیح ایک اور کی تحریر یعنی "فیض از فیض" (سبجہ و سنگ) میں ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

"34۔ میں ہم لوگ کالج سے فارغ ہونے اور 35۔ میں میں نے ایک استاد کو کالج میں اس طرز مت کر لی۔ یہاں سے میری اور میرے بہت سے ہم عصر لکھنے والوں کی مثال اور جذباتی زندگی کا ذخیرہ شروع ہوتا ہے۔ اس زمانہ کالج میں اپنے رفقاء صاحبزادوں، محلوں، مروجہ اداسی کی دھکم پول جہاں سے عاقبت ہوئی۔ پھر ترقی پسند تحریک کی مارا قتل پڑی اور وہ تحریکوں کا سلسلہ شروع ہوا اور یوں لگا کہ جیسے لکھنے میں ایک ایک نگہ دیکھ دیکھ کر جاتا رہتا تھا۔ دستان میں سب سے پہلا سبق جو ہم نے سیکھا تھا کہ اپنی اداست کو اپنی دنیا تک کر کے سوچنا اور دل تو عین ہی نہیں اس لیے کہ میں میری حال کردہ جوش کے لیے تجربات شامل ہوتے ہیں اور اگر یہ لکھی ہو بھی تو اپنی غیر سوچہ فصل ہے کہ ایک انسانی فرد کی ذات اپنی سب سمجھیں اور کہہ دوں "سرسوں اور ریشوں کے بار بار بہت ہی پہلی ہی بہت ہی صمد اور حقیر ہے۔ اس کی دامت اور پہلی کا چاند تو اپنی عالم موجودات سے اس کے ذاتی بار، جذباتی بار،

چہرہ خاص طور سے انسانی زندگی کے متحرک دکھانے کے دشتے۔ چنانچہ علم جہاں اور علم زندگی تو ایک ہی تجربے کے دو پہلو ہیں۔ اس سے احساس کی ابتدا "تفہیم فریادی" کے دوسرے حصے کی مکمل نظم سے ہوتی ہے اس نظم کا عنوان ہے۔

مجھ سے لکھی ہی محبت مری محبوب نہ "امک" وہ شعر کے بارے میں فیض کے اس لفظ نظر پر اس کے ماحول اور ماحول میں بہت گہرا حال ہوتی رہی ہے۔ شامی کا کام مطالعہ ہے اس میں شامی کو کام نہیں ہو سکا اور فیض اس کے حق میں غائب ہے۔ سہ بھی دانتے ہیں کہ اس کے ساتھ ہی انہوں نے پہلے بھی شامی کے فرائض میں شامل کیا ہے جہاں کا اپنا اضافہ ہے اور یہ اضافہ دراصل ترقی پسند نظریے وہ کہ خاص ہے۔ لکھنے والوں نے اور لکھنے والوں میں سب دستان مکمل ہانے" کے حوالہ افراد ہا ہے اور جس کی بددی میں انہوں نے اپنی زندگی اور شامی کو ایک سبب از شامی کے مصلحتی رہا ہوا کیا دیا تھا۔

یوں فیض نے فیض و شامی کی اور زندگی کی مبینہ چیزوں کا کلف بھی اٹھایا مگر اپنے آواز کی خاطر وہ انہوں نے اختیار کیا اس پر پہلے ہونے جو بلکہ اس کی پرکزی اسے نہایت مبرورہ متعلق سے رواشت کیا ہے۔ اس مسک کے بارے میں لکھی کتاب میں ان کے ہاں کسی قسم کے شک و شبہات یا کسی داخلی الجھن کا سراغ نہیں ملتا۔ یہاں احمد اعلیٰ کا شہادت ہے "فیض کے لکھنا احساس کا سرخوٹا ہونے ہونے بھی مختصر ہے" اس لیے کہ اس میں کوئی چھ اوام نہیں آتے۔ ایک زمانے تک وہ ایک روپ کی خود تحریک آزمائی کرتے ہوئے ایک روشن مستقبل کی "سکری" کشادہ تصور سے نواز چاہے۔ "ہاں آخر میں اس کے ہاں جو اس دوسری نظر آنے کی قہمی تو گر اور اپنی

چہرہ خاص اور بطورِ نمونہ شامی کا نتیجہ تھی نہ کہ اوائل پر لکھیں، احمد میں کسی کی کا۔ اس لکھنے اور احمد میں مطالعہ اور احساس کے علاوہ جہتی قوتوں کے انداز کا شعور کا لینڈا بھی شامل تھا۔ اسی کی بدولت ان کے پائے استحکام میں بھی غریب نہیں پائی۔ اس لحاظ سے دیکھتے تو فیض کی زندگی بڑے بڑے لوگ، عقل اور مروجہ نظم ہے جس میں کوئی پہلی نہیں۔ لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ فیض شامی ہونے کے علاوہ چھ مروجہ اور ان کے آدمی تھے انہوں نے اپنی زندگی میں جو کہ کیا کیا خاص متعلق کے تحت سوچا کہ کر کیا۔ اس لیے کہ وہ ایک دینی دور چاہے سال کے ساتھ ان کا ادراغ بھی رکھتے تھے اور ان کا نقد نظر ان کی عقل و فکر نے

ظہور کیا تھا مگر "سکر" شامی فیض کو لکھنے کے لیے بہت ضروری ہے کہ وہ اپنی اپنی طور پر لکھ دیا ہے کہ شامی نہیں سمجھتے کے شامی تھے۔ ہمارا شامی کی دنیا" خاص طور کی دنیا تھی۔ وہ جہاں کو انہوں کر کے جانتے اور لکھتے تھے۔ ان کی فکر میں ان کے لوگ پہلے میں بہت ہو گئے کے لیے چہرہ میں ہائی تھی۔ چنانچہ اپنے مسک پر ان کا لکھنے اور احمد میں جہاں ان کی ایک انکی مونا ہے جس سے کہ وہ سادہ جھلکتی ہوئی تو نظر آتی ہے مگر جو سب آپ پر آکر کوئی طوفاں نہیں اٹھاتی۔ یہ وہ اصل تحریک ہے کا جہاں استعمال اور اسی میں فیض کے طراز و کمال کا مدِ منظر ہے۔

مینیائی شامی ہونے ہی کی وجہ سے وہ اپنے مختصر ورا آواز کو ایک قصہ و ایک خوب کی شکل میں نہیں دیکھتے بلکہ ایک خالص انسانی محبوب کی شکل میں دیکھتے ہیں اور اس سے ہی طرما کے عشق کا تصور کرتے ہیں۔ وہ ایک مختصر جذبے کے شامی ہی ہے ان کی شامی میں تاثر کا اثر ہے۔ ان کے خط

دیوان کے غلو اور دائرے ایک واضح نقش جاتے ہیں اور اپنے جذبات کو گنگ اور غلو ملا نہیں ہونے دیتے۔ ان کے ہاں کوئی لفظی انحراف اور جینے کی گنج نہیں۔ ان کے جذبات کی بے ساختگی ہی ان کے شعر کی زبردستی کی ضمان ہے۔

فعلی نے اپنی نظم ”دعوت“ میں ایک ہک دعویٰ کیا ہے کہ

”دیکھ نہیں بھرا کوئی فرداں جنوں کا
تھا جس کوئی بھی آواز غم سے کی
والہ یہ ہے کہ اگر جنوں نے اپنی زندگی میں
جنوں کی فرداں دیکھیں جس بھرا کوئی شاعری میں بھی
فن کے خاصوں اور بحالیاتی قدموں سے بھی
زور لگائی نہیں کی بلکہ یہ ہے ان کا احترام کیا اور انہیں
غیر جاننا اور ان کے جلوہ حساس سادگی دیکھ کر
سے اپنی شاعری میں سوادہ کہ لوگ بھی زبان کی
شاعری کے عیب مضمون سے جتنی طور پر کوئی سرکار
نہیں دیکھتا اطمینان سے لاکر کرتے ہیں اس کی
دل مٹنے کے قائل ہیں۔ فعلی کی شاعری کی اس مختصر
خصوصیت ہی کی بنا پر مقرر ترقی پسند نقادوں کا ان سے
یہ شکایت رہی ہے کہ ان کے اسلوب و انداز میں بحال
کی بہتات اور بحال کا تصور ہے اصل بات یہ ہے
کہ فعلی کے قصوں میں بحال و حال کی بحث ہی
و حاصل ہے۔ ان کے گفتگوئی فن کی پہلی سے کس نظام
بھی کنڈن بن کر نکلتا ہے۔ یہ بھی کہ فعلی کے ہاں
بحال ہی بحال ہے مگر ان کے بحال پر بھی بحال کی
گہری چٹ پڑی ہوئی ہے۔ ان کا لہجہ سوائے ہند
و بدائی نغموں کے ”بحال پرست“ صفا مگر لہجہ نہیں اس
میں ایک وزن اور دھار کے ساتھ ساتھ ان کے ”شوق
کی صلابت“ اور ”کوئی حسرت“ ہر جگہ لپکتا ہے ہی
لیے تو ان کی شاعری میں ”ہر سوز و غم و انگیز“ غزل
نظم کی ہی کیفیت ہے ”خاک و آسمان“ ان کی گنج گنج

کرتی ہے۔

دعوت اور تیرہ کی طرح ان کی شاعری کے لیے
مخلص انکشافات کا نام نہیں ”تیرہ“ اور ان کی کوئی
اس میں بیرونی اہمیت حاصل ہے۔ فعلی نے اس
سانے کا غور و بار کیا ہے اور انہوں نے زیادہ لوگوں
تک اپنا حرف مطلب پہنچا دیا ہے۔ ختم ہوتا نہیں
نے ایک ایسی طرح غنیمت کی جو مضمون اور دل میں
ہونے کے ساتھ ساتھ جاتی پہنچاتی اور انہیں بھی قہمی۔
فعلی نے زور دے کر دوہرہ ہے مگر احساس کے غور
تھے مگر انہوں نے روایت سے اپنا رنگ استوار کیا بلکہ
اس کے ذوق حساس اور قدیم اسلوب بیان سے پیدا
فائدہ اٹھایا اور ان میں سے بعض کو اپنی بدعت ہی سے
اپنے کام میں ایک نئی زندگی بخشی دی۔ حلق و آواز
مضمون نہیں جنوں دعوتی فن کی داخلی و بیرونی سمجھ
گھٹان ”سیر ذات اور ہمارے“ بھی طعانت اور
استعارات بھاری ادبی روایت کا حصہ ہیں مگر فعلی
کے ہاں وہ سب روپ میں ظاہر ہوتی ہیں۔

فعلی نے اگرچہ اپنے زمانے کی راجح شخصیتوں
کے بارے میں اپنے رد عمل اور جزالت کا اظہار مکمل
کر دیا ہے اور واضح انداز میں بھی کیا ہے لیکن انکو
انہوں نے مزید طعانت و استعارات سے کام لیتے
ہوئے اپنے حرف و حق کے پیکر کو ایک خاص
اسلوب سے تراشا ہے۔ اسی انحراف ملامیت کی
بدعت وہ غلو کے نہایت مہربان مضمین اور
اچھے مہربان اور نقاشی کی چار کرتے ہیں ہم نے
ان کے کلام کے گروے کے ذہان پر بار بار دیکھا ہے کہ
فعلی کے ہاں پھر کثرت اور خوشی کس کی عنوان سے
آئے ہیں اور انہوں نے ہر بحر و مقام پر کیا جادو بگایا
ہے۔ یہ خصوصیت فعلی کا سچے سچے دوسرے شعراء
سے ممتاز کرتی ہے۔ فعلی کے لیے اس قسم کے پہلو دار
اور ادبی انداز فن کا ایک منہ پلہ ہے کہ جاسے

بچانے اور مزید طعانت و استعارات کے استعمال
سے ادبی سے جتنی قربت حاصل کرنے میں آسانی
رہتی ہے۔ فعلی کو کمال یہ ہے کہ وہ انکشاف و بیان کے
ان پرانے سانچوں میں اپنے بے ساختگی و مطالب کی
جان لال دیتے ہیں کہ ان میں حساس اور زندگی کے
حالات و کاموں کی بھرپور اوقات آتے سامنے کے
واقعہات و روایت کی آشیں مٹاتی دیکھتے ہیں۔

فعلی کے اس ایلیاتی انداز فن کا ایک اور پہلو
جس کا غنیمت اور ہر ذکر ہو چکا ہے یہ ہے کہ وہ اپنے
آواز کو ایک جسم و جان دیکھنے والے ”بحال اب“ و
رغبات کے حامل محبوب کی صورت میں دیکھتے ہیں۔
لفظ یہ ہے کہ اس قسم کی اہمیت کی مثال بھی اردو
شاعری کی ایک جاتی پہنچاتی روایت میں موجود ہے۔
اور بے صغی شعراء نے محبوب حقیقی کو اکثر محبوب
بازی کے رنگ میں دیکھا ہے اور اس رنگ میں اس کا
ذکر کیا ہے غزل کی شاعری میں صغی حقیقی اور صغی
بازی انہیں میں اس طرح مکمل مل گئے ہیں کہ انہیں
ایک دوسرے سے جدا کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ غازی
کی اپنی صلابت و جھم ہے کہ وہ ان کی کن کی تصویر
چند کرتا ہے مثلاً ”آج کے اس شعر کے بارے میں
آپ کیا کہیں گے“

غرب ہوا ہے کہ چمن سے گلے چٹھے ہیں
صاف پیچھے لگی نہیں سامنے آتے بھی نہیں
خسوف ہند حضرت کے لیے یہی انداز
محبوب حقیقی کی طرف ہے اور غزل ہند حضرت کے
لیے محبوب بازی کی طرف۔ فعلی نے اس روایت کی
جڑی کرتے ہوئے اپنی آواز کو محبوب بازی کا
روپ دے دیا ہے اور ہر بحر و مقام پر اسے چاہا ہے اور
جس طرح اس کی ہر بحر اپنے دل و جان بھرا ہے
ہیں اور ہم صرف مضمون کے بند ہی سے منسوب کر
سکتے ہیں ”خجہ“ ہے کہ ان کی ترقی پسند اور انقلابی

ٹامری بھی اور انویسٹمنگ بھی ہے جو ہمدانی غزل کی مشق ٹامری میں ہے۔ فیض نے انکتاب کی بات بھی محبوب کی بات ہمدانی ہے۔

ہاتھ وہ ہے جھیں ہو جانے کی حالت کھوے
اک غم غم مریا محبوب غم تو دیکھو
اور اس شعر کا اب دلچسپ مطالعہ کیجئے تو صرف اس شعر ہی میں نہیں فیض کے اس عام طرح کی ہول ہال کی زبان کا اب دلچسپ اور نکاح دہش ہے مگر اٹکل اور سکوت سے استغناء ہے اس سے اندازہ لگایا جاسکے گا۔ فیض ہمدانی غزل کی روایت سے کبھی گہری شاعرانہ

جو کہانیاں کہیں پہ گزرتی رہی، وہ بھی ایک عالم ہے جس کی کم نے بھی گھڑی ہری کی ہے اگر کچھ سے اس سر پہ بھی فیض کی شاعری کے بارے میں اپنا جھوٹی تاثیر جان کر نے لگا کر جانے تو میں عرض کروں گا کہ محبت کا جذبہ فیض کی شاعری کا محور ہے یا اس کے لیے کہ وہ مرکزی شخص ہے جس سے ان کے شعرا احساس کی تمام شعائیں بھتی ہیں۔ اس جذبہ کی ابتدائی صورت تو یہی ”دردانی خیال“ ہے جسے قاتل نے ”اک غم کے قصور“ سے منسوب کیا ہے مگر یہی جذبہ محبت وہب و صحت اور ہمدانی کی پاس ہے تو پھر ”اک



فیض و فیض ہمدانی کا ایک ڈیو

تھی اور انہوں نے اس حد تک اس سے سب فیض کیا تھا۔ یہ بھی ایک ایسی خصوصیت ہے جو انہیں جدا شعرا میں ممتاز کرتی ہے۔

فیض کی کہات مستور ہوتے ہیں ان کے تجربے بچہ اس برس کے کام میں مشغول ہے اس تمام مری میں وہ مسلسل محبت سے انکشاف کے بارے میں اپنے جائزات کا احساس انکشاف شعر کی زبان میں کرتے رہے۔ گوکہ وہ اپنے اس اداسے پرکھاتے تھے کہ ہم ہمدانی غزل و غم کرتے رہیں گے جو دل پہ گزرتی ہے غم کرتے رہیں گے

فیض کے قصور ”ایں کوکبں بلکہ چاند کا نکلت کو اور دینا میں دے دے انساؤں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیتا ہے۔ اس کا انکشاف فیض کی زبان سے ہوا ہے۔ دلیں پر دلیں کے بارانی قندار غار کے تمام حسن آقا کی جمال لب و زلف کے نام فیض کی شاعری اسی قسم کے جذبہ محبت سے جھلا پائی اور وہ بھی اظہار کرتی ہے۔ ان کی زبان میں ”ایں بلکہ انکتاب ہمدانی کی بنیاد بھی جذبہ محبت ہے۔ اگر کسی کو انسانوں سے کوئی لگاؤ نہیں ہے تو وہ انسانوں کی حالت جاننے کی فکر کریں گے۔ فیض شعرا انسان دوست

تھے اور گہری سچائی کا ایک ایسے پاس اور سچائی تصور ہے یقین رکھتے تھے جس کے ذریعے ان کے خیال میں انسانوں کے لیے ایک بھر نکاح زندگی کو ترجیح دیا جاسکتا ہے۔ مگر ان کی ترقی پسند و غزلوں کی انسانی وفاق ہی کی بجائے حلال تھی۔

تیسری صدی میں ترقی پسند غزل خیال سے عروا سحرتم یا زیادہ واضح انھوں میں کارل مارکس کے نظریات سے انکشاف دہی تحریک تھی۔ فیض کی سربراہی میں 1917ء کا دہی انکتاب اس تحریک کا کارنامہ تھا۔ اس انکتاب کے بعد سوانحی، سیاسی اور معاشرتی نظام کی نئی تھیلی، انگریز کی ایک عظیم انکتاب قہر کا سوویت یونین کی عقل میں دنیا کے سامنے آئی۔ 1920ء کی دہائی کے آخر میں، ماسکو سربراہ نے دنیا کو انکتاب کا پیغام کی تحریک میں ہلا دی۔ 1930ء کی دہائی کے ابتدائی برسوں میں جرمنی میں ملٹری فاسیسم اور ہجرانی میں سوشلزم کی طغیانیت نے سر اٹھایا۔ 1936ء میں نازیوں کے بعد لیکن میں جرمنی سر اٹھائی آمریت قائم ہوئی۔ ان تمام واقعات نے مارکس کے نظریات کو کبھی نہیں سمجھ کر طاقت اور سوانحی انسانیت کے قصور کو خاص اہمیت حاصل تھی اور وہ دنیا اور دنیا بھر کے غریب طبقوں میں ان کا پرچام عام ہوا۔ اس طرح آج سے دو سو سال پہلے انکتاب فرانس کے قصور سے مارکس کے نظریات خیال اور ادب و شعر کو جڑ کا تھا اس طرح ہجران سے گھبراہٹ 1917ء کے انکتاب دہی نے پہلے ہی انھیں بلکہ شعری دنیا کے غزل و خیال میں ایک نئی شکل پیدا کی۔ 1936ء کے قریب برطانیہ میں ادب و شعر میں ترقی پسند تحریک کی بدلتا شکل دی جی جس نے ایک نئی قسم کی حقیقت پسندی کو کم دل، عقلی اس طرح اس تحریک سے طاقت ہوئے اس کے بارے میں فیض ”فیض“ (موجودہ ملک) سے انھیں نقل کیا جاسکتا

فیض..... روح عصر کا ترجمان

رحمہ وکرم پر فخر، جتا بلکہ چائی کو محبت کے عالم
کا پہلا سے امتداد کرتے کیلئے ناگزیر جدوجہد کرتا
ہے۔

فیض کے ذرا ایک حقیق کا فعل ایک مہدی
پاسداری ہے، خاتمہ، مظلوم جنت کے درمیان
جاری درست نکلیں، فیض آزادی میں اور ترقی
کی قوتوں کے ایک خیال ہر کے طور پر شامل تھے
نکلیں اس کے ساتھ ایک فرانسیسی شاعر کے بقول "اے
مہدی کی جگہ، اور اس زمانہ کے گائے کیسے فرماؤ۔"
دنیا کے عظیم شعرا، ان کی شش فیض کا نام عظیم
20 ویں صدی کا شاعر **Heinrich Heine** کے چنانچہ

قریب ہے، جس نے کہا تھا کہ "شاعری ہر لمحہ
میرے محبوب کی طرح حزن سے میرے لئے ایک
خوشی تھی ہے۔ شہرت بھی ابھی میرے نزدیک اہم نہیں
رہی، اور میں نے خلا اور ہی یہ پہاڑی ہے کہ ایک
میرے شعرا کو گرا ہے، چنانچہ ایک شاعر نے فرمایا
جوت پر گور اس طرح دکھائی ہے کہ اس میں نور
نہانی کی آواز ہے، ایک کا دلیر چاہی تھا "اور اسے
اس مہدی اگر کوئی شاعر اس "کوہ" کا جھوٹ ہے تو
"فیض ہے۔

یہی ہیئت الحق رہی ہے علم سے عشق
نہ ان کی یاد تھی ہے نہ الٹی ہیئت کی
یہی ہیئت کھائے ہی ہم نے آگ میں بھول
نہ ان کی رسم تھی ہے نہ الٹی ہیئت کی

جرات نہیں کر سکا، انہوں کا ہر دم ہوا و ہوا، فیض
ہر طرف رہا کے سر بکھرتے ہمارے، ان کی شاعری
اپنے دور کے کرب و دکھ کی انکی جہتوں ہے جو ہے
مثال ہے۔ ان کی شاعری سمجھ کر اور ان کی فلسفہ
ہے۔

ان کی شاعری پر سن کی موجود ہے جو ایک
سدا بہار لطف فراہم کرتی ہے، فیض نہ صرف باہم
جان کے عظیم دہش پر غور کی دیکھتے تھے بلکہ ہر حال میں
زندگی کی مسرتوں سے مالا مال دکھائی دیتے تھے جو
انسان کا دل اور ترقی پر مہر چلن بھیجے، جھوٹا ہے
حق کا چھائی کرے، قوتوں میں، ان کا کرتے تھے کہ

مگر قریب ہے، دل سے کو نہ گھراے
فیض بدکس کے اس قول کے جانے تھے کہ
"تمام خون کا پھیرا، اور انسانی مشیت میں
ایک ایسے لہجے کی جگہ ہے جو سب کیلئے جتنی کافی علم
ہو۔ یعنی ایک انسان، دست معاشرہ اور انسان کیلئے
ان کا کار۔"

فیض کی کامر شاعری میں انسان کے انہوں
کی غمگینی کی جگہ دکھائی دیتی ہے جو ساری عظیم
وہی کیفیت کا طریقہ اختیار ہے۔

فیض جانتے تھے کہ وہ ہے مہدی میں انسان کا
مختار، عظیم جانی اصطلاحات میں جان کرتا ہے
اور یہ چائی کو محبت پر غالب کر اپنے کی قوت کے

اہل کے نام 12 جنوری 1954ء کو ایک
مکتوب میں لکھتے تھے ہیں "نکلیں کا قول ہے کہ سن
معدلتے ہے، اور معدلتے سن "نکلیں سن اسی صورت
ہی انہوں نے ان کا سامان پیدا کرتا ہے جب اس میں
تھک چکے ہو، یعنی جب یہ دیکھنے والے کے جذبات و
امور اسات اور گراں گراں کس دکھا کرے۔"

جب سن معدلتے کا قریب ہوتا، اصطلاحات و
اصطلاحات کے انہیں سب کا سامنے مت ہاتے ہیں، انہوں
سب سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں اور فیض کی اصطلاح
آخری شاعری کا کھڑا زمانوں پر پیدا ہوتا ہے۔

فیض خیال آ رہی ہے اس میں سے آگے جہ
ان کے مہدی کے سن کا کافی شاعر، ان کا کافی عظیم اناس
کی ترکیب کا ایک جھوٹا ہے۔ ان کا جھوٹ کے جتنی
جانتے کے جتنی شعروں میں ہوتا ہے۔ ان کی عظمت
جہاں ان کی اپنی زندگی کی کہانی ہے وہاں اور سے
معیشت و انسان کی سرگزشت ابھی ہے۔

فیض وہ عصر کے سانچے میں داخل کیے
تھے وہ دانش کی جھوٹ میں اور جہوں میں خود کریں
کھائے والے شوق مال جہاں کا جھیر اور شور تھے۔
اپنے حساس دل کی وحدت خیال کی جگہ پر ایک جا
پہلے تھے **Orpheus** کی طرح انھوں میں وہا
انعام و ناکہ اس کا جھیر میں جگہ میں خود کرے
میرتے جہاں پر طرف جہتے اور انسانی کا اور وہا
ہے، ان کی گلیاں ہوں کہ جہاں کی سرفراہ کر چلی



میں ہی ہمدانی کا شمار وہ ہے جس کے اچھی طرح
خیر و شر میں ہوتا ہے اس میں اور بھی کے ایسے عظیم
کائنات بھی دیکھنے میں آئے کہ جب نوع انسانی نے
اسے نہ گرا پھیلے، نہ اٹل کے مساوی کو توڑ پھولا۔ ایسے
دلی گیر کائنات بھی آئے کہ جب مطلقیت نے قہم
کتاب اور رہا کر اپنے جیوں سے جدا ہوا۔ جنگیں،
انقلابات اور انتفاضات "نوع انسانی کی خاطر لیری و
جواہروں کے کارہائے گہلاں انسانیت کے خلاف
لڑا۔ خیر و شر، انہیں ہم "پچھلے انسان کی زندگیوں اور
انسان خدا کی شے طرف سے مطلقیت کے مستعد اصحاب
نے برحق اظہار کیا۔

انہوں نے تاریخی کائنات کو اپنی گرفت میں لے
کر ان پر اپنی شاعری کا تاج باندھا جس سے ہمیشہ
رہا ہیست ہند کی اور اسے جنگی، لکائی، دیتی ہے جو کہ
پانچواں عالم کی آخری قلع پر ناقص تصویر انکسار کا
انکسار ہے۔

Laocon میں Lessing شعراء سے ان کا
کہنا ہے کہ "ہمارے لئے وہ افسانہ صحت اور مسرت
تخلیق کی جو صحت پیدا کرتا ہے کہ ہم خود جس کے خالق
ہیں۔" فیلک کے سوا کائنات شاعر ہے جس نے ہمارے
لئے وہ افسانہ صحت اور مسرت تخلیق کی ہے جو ہر ذاتی
صحت کا کرشمہ ہے۔

خیر جو انہوں نے شاعری کی طرف اس طرح کی
ہے کہ وہ خواہوں کی، خواہ اور حقیقت کی دنیا کے درمیان
مائلے کا کام دیتا ہے۔ فیلک نے نہ صرف خواہوں کی
دنیاء اور تخلیق دنیا کے درمیان دے دیے کہ گورادار کا ایک
انہوں نے داخلی کونال کے ساتھ ملایا اور اس کے
ساتھ "میں" لکھاتے ہوئے "کل" کی جھلک بھی
دکھائی۔

پچھلے اور تاریکیوں کے گہلاں تو میروں
میں فیلک کا وجود اور ان کی شاعری راتیں چھلنے کی اندر

ہے جو سوا ہمدانی کا ہے۔ "جب ان سے سوا ہمدانی
کے مذہب کی وضاحت کرنے کا کہا گیا تو بولے کہ
"میں کا مذہب وہی تھا جو میرا ہے" میرا نہیں نے یہ بھی
تایا کہ اس طرح اسطون کریم سوا ہمدانی تک پہنچے اور

ان سے ان کے مذہب کے بارے میں دریافت کیا
ان میں سے ایک نے ہمدانی سے یہ کہا "آپ کا تعلق
کرتا ہے ہے تو ہمدانی نے جواب دیا کہ "میں
72 آدمیوں سے" ان کے بچے بگوتہ پڑا لیکن ان
میں سے ایک نے کہا "میرا تو آپ مرتد اور کافر
شمرے۔" تو سوا ہمدانی نے برصورت جواب دیا کہ
"میں آپ ہی پر خوش ہیں تو میں اپنی لکھتوں میں۔"

فیلک ہمدانی کے بچے ہیں تاکہ ان کی زندگی
میں انہیں کیلنسٹ اور خدا قرار دے کر ان پر لعنت
جاست کی جاتی تھی لیکن آج سب ان کی عظمت کا اقرار
کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت پر جوتہ لکھ انہوں
نے لکھی اپنے ملک کے ساتھ دنیا کی خانچہ اور سختوں
اور مسکوں کے ساتھ

برداشت ہے اس دل میں بحر داغ عیاست
☆ ☆ ☆

ہے جو خلقت انوں کو اسے بولے اور تار و دوڑوں سے
مددیں کیا ہے۔ خیالات سران میں کرتے۔ خواب
میں بھٹانیں کرتے اور آواز میں بھی نیست و چوڑھیں
ہوتے۔

بازن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے
ہاں ایک کھنڈ تھا جس میں اس نے غنیمت کا انوکھا ہنس
پوچھیں اور گریز پادشاہ کے ہاں کے گچے جو کہ کئے
تھے۔ فیلک کی شخصیت میں کی شخصیات فیلکس ہمدانی
انہیں اس سے کہتا ہے ہیں کہ انہوں نے اپنے کیریز کا
آواز اور مسلم کیا۔ سوئی انہیں اپنی زندگی کا قرار
دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے "پاکستان جانتو، ہمدانی
اسراہیل کی عبادت کے ذریعے اس شے کا ایک نئی
جست مٹائی۔ لویا کیلنسٹ ان پر قرار کرتے ہیں کہ
انہوں نے اس وقت پر ہم بھٹا کیا جب ان کی اس عبادت
خدا اور خدا تھا کہ کھنڈ کی کائنات میں کتا فیلک ہمدانی
انہیں اپنی دنیا کا باشندہ قرار دیتے ہیں کیونکہ انہوں
نے انہیں فیلکس پر دیا ہے کہیں۔

فیلک سے جب ان کے مذہب کے بارے
میں پوچھا گیا تو ان کا جواب تھا کہ "میرا مذہب وہی

خوش منزل لوگ

بھر یہ بھٹا کر، بہت کمال کے لطیف و بلی رانگر تھے اس لئے صاحب کمال تھے تو میرا ہے نکلنے کی توجہ نہیں گا کیونکہ اس جیسے بلکہ میں سے بھر سترگروں بڑاں اپنے بڑا بلی رانگر اب بھی ہمارے درمیان موجود ہیں لیکن ہم ان کو نکلنے میں ہاں نہیں دیتے۔ یہ وہ اس کے سختی ہیں۔

یا بھر یہ کیا کہ نکلنے پر نہ ایک ایسا بلی رانگر ہے اور طرحوں اور کچھروں کے شمار تھے اس لئے ایک بہت بڑے شمار تھے اور لوگ اس وجہ سے اس سے محبت کرتے تھے کہ وہ غریبوں کے زمرہ میں اور بے فرائض کی فوائد تھے تو یہ بات بھی نہیں ہے۔ اس سے بہت بڑے سوشلسٹ اور ان سے بہت زیادہ ان کی گناہی تھا لیکن اس صدی میں ان کے اندر کدو سے ہو کر نہ لیکن ان کا نکلنے کا جذبہ نہ تھا۔

آپ نکلنے کی شاعری کا یا نکلنے کی شخصیت کا جتنا بھی تجویز کریں گے اور اپنی دانش کے زور پر اس کے لئے کی جاتی تھی جو نجات دیاں کریں گے وہ نکلنے کے نکلنے ہونے کی وجہ نہیں ہوں گی کیونکہ نکلنے کوئی عام انسان یا معمولی چیز نہیں ہے اور اس کو بلکہ نہ اس کا اس کو کام پر لوں سے اور پانچویں اول سے ہانپا نہیں کرتے۔

اصل میں بات یہ ہے کہ جب کسی خاص معاشرے میں کسی خاص حالت کے اندر ایک خاص خاصوں کے وقت نکلنے کی ضرورت طلب شخصیت اور نکلنے

نکلنے میں سانس یا ایک رو ہے جو ازل سے ہی طرح سے چلا آ رہا ہے اور اس حساب تک ہی طرح چلا جائے گا۔

نکلنے کے بارے میں صرف یہ کہنا کہ وہ ایک عظیم شاعر تھے اور اس کی شاعری نے لوگوں کے دل میں لے گئے تھے اور اس نے قول کی روایت کچھ بہ مکمل احاطہ کر کے اور اس نے قادی تر نہیں کر دے سجاد کے ساتھ استعمال کیا تھا اور اپنی زبان کی پارگیوں سے خوب آشنا تھا تو یہ نکلنے کو ایک ٹھکانے میں بند کرنا ہوا۔ کیونکہ یہ بات بلکہ یہ ساری باتیں تو اور شاعروں کے بارے میں بھی لگی جا سکتی ہیں بلکہ ان شاعروں کے بارے میں زیادہ بھر پور لگی جا سکتی ہیں مگر وہ ان ساری غریبوں اور اپنی ان جملہ صلاحیتوں کے باوجود نکلنے نہیں سکے اور اس مقام کے قریب بھی نہ نکل سکے جہاں سے نکلنے نے اپنی شاعری کا آغاز کیا تھا۔

بھر نکلنے کو ایک بہت ہی بڑا اصل میں سمجھنا خوش انداز شخص اور صاحب برداشت شخص کران کے اس کی سوجھا کرنا اور اس کی عظمت کو نکلنے اس کی برداشت کے ساتھ دیکھ کر نہ بھی کوئی ذہنی دہلی نہیں۔ نکلنے کے اپنے شعر میں اس کے اپنے گلوں میں بے شمار لوگ اس کے حوالہ اور اس کی عظمت اور اس کی برداشت کے تھے۔ اس بات بھی تھی اور اب بھی ہیں لیکن وہ نکلنے نہ سکے نہ بھی تو نکلنے کے۔ یا

نکلنے صاحب کی بات کرتے ہوئے یا ان کا ذکر سننے وقت یا ان کی اپنی باتیں چنتے وقت اس حقیقت کا اعتراف ضرور کرنا چاہئے کہ نکلنے کا اہم تجربہ اور ان کی طاقت بجز لے پا گئی اور وہ تمام باتوں کو ان کی صف میں شامل ہو گئے۔ مادہ فکر میں ان کی بات یہ ہے کہ فیصلہ تو بعد میں ہونے میں اور صاحب کتاب کے لئے تو وہ بڑا اکاون طور ہے اور اس کے لئے تو ابھی بڑی طویل مدت چلی ہے لیکن ان انسانوں کی دہائی میں کچھ قریب صاحب اپنے بھی ہوتے ہیں جن کی مانتے کے بارے میں اب کچھ پہلے ہی سے فیصلہ کر دیتے ہیں کہ اپنے ناک کی نگاہ میں یہ شخص عقل مند اور اس کی طاقت بجز قرار دینی کی اور یہ خاصوں میں سے غمخوار اس میں ایک آواز کی کی اور اب کچھ ہو سکتی ہے لیکن کھڑکی میں فریق نہیں ہوتا۔

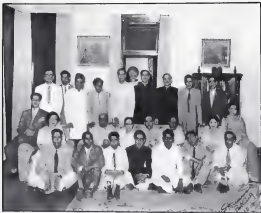
ان کی طاقت کے بارے میں لوگوں نے ابھی سے فیصلہ نہ کیا ہے اور ان میں ہر ایک نے یہ مقام ان ماہرین کا ہوتا ہے جن کی کائنات خدا کی سے لے کر کائنات کی شای تک پہنچی ہوئی ہے اور دوسری قسم ان لوگوں کی ہوتی ہے جن سے عقلی خدا کی ہر سے خوش ہو جاتی ہے۔ خوشی داتی ہے اور ہر ان کی سوجھا کر اور بھر سوجھا کر میں خوشی ہی رہتی ہے۔ ایسے لوگوں کی طاقت اور ان میں ہی ملے ہو جاتی ہے اور مخلوق پر ملے ہوئی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا ہے اور لوگ مخلوق پر ایسا کیوں کھنٹے لگتے ہیں اس کا بعد بھی ابھی تک معلوم

فکلیں کوئی معمولی چیز تو نہیں یہ مطالعے، رہائی کا ایک
 جہاز کا منظر ہے۔ ایسے فکلیں کے سامنے خاموشی اور
 ایسے فکلیں کے ساتھ خواب ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کی
 انچاد سے فکلیں، بلکہ اس مطالعے خاص کی وجہ سے جو
 اس کے لئے مخصوص ہو چکی ہے۔ اس وقت فکلیں کی
 ضروری اس کی شخصیت یا اس کی انسان دوستی کا تجزیہ
 کرنے کی کم از کم سیر کی کوئی خواہش نہیں۔ میری آرزو
 تو سب انکی حاقبت دلوں کی اصلاح میں چلنے کی ہے اور
 میں کہتا ہوں کہ فکلیں بھی اس جہد کی انکی حاقبت
 پائے دلوں میں سے ایک ہیں۔

☆☆☆

میں سے ایک راہی کے دانے کے راہ کی فکلیں کر
 نکلیں۔
 جس کی حاقبت اسی سے اٹھ کر کوئی گی اور جس
 کی انکی حاقبت کے لئے لوگوں کی محنت اور محنت کی
 فکلیں فراہم کر رہی گی تو ہم ایسے کم سے لوگ اس کی
 شخصیت پر کیا دہائی ادا کر سکتے ہیں۔ ہم تو زیادہ سے
 زیادہ اسے ایک فکا کہہ کر اس کے لئے حواس غلہ
 جان کر سکتے ہیں یا اس کو ایک اچھا انسان ایک اچھا
 دوست ایک اچھا باپ یا ایک اچھا میرا کہہ کر اٹھا دے۔
 راہی کا جو "اچھائی" کے کلمے پر ادا کر سکتا دہش
 ہو سکتے ہیں۔ بلکہ پہلے محسوس کر سکتے ہیں۔ لیکن

جیسا شعیر انسان مر جائے اور لوگ اس کو ایک فکلیں
 (Phenomenon) کہنے لگیں تو پھر فکلیں کا تجزیہ
 جہز کر خالق فکلیں کا مطالعہ کرنا چاہیے جو کہ سے کہہ
 اور کیا سے کیا اور کی لوگوں سے جانتا ہے اور پھر اس کو
 بغیر کی محنت یا کوشش کے لوگوں کے دلوں پر عکس مان
 دیتا ہے۔ اور دلوں کے سنگھاس پر پڑھنے دانے کو طوط
 مطالعہ کرتا ہے اور بغیر حساب مطالعہ کرتا ہے۔ اور پھر جس کو
 وہ عزت مطالعہ کرتا ہے تو اس کے خلاف تنگدو
 ایڈیٹر ملے۔ پڑھنا اپنے غار ملے فکلیں۔ راقہہ کا کلم
 ہے شاد تقریریں۔ پھر لے جاتے ہیں۔ جاتے۔
 جلسہ انکیاں اور سچے چلتی ہیں اس کی عزت کے ٹرانس



ایک سو فکلیں، سب سے پہلے انکی حاقبت

فیض کی شعری جہات، تعین قدر کا مسئلہ

اس موضوع کی کہیں آکر شعری دراپست کی اور داخلہ پا کر اس کے نتیجے میں تحقیق صرف اتنی غور و غماز کر دی گئی تھیں کہ فیض کا تہذیب و ہم ماثلی بدل جانے کے بعد صرف الفاظ بدل کر اشداعت سے ادبی کام لے لیا۔ مطالعہ فیض کے وقت یہاں تک کہ ان کی سبکی سامنے آتا ہے کہ انسانیت اور نئی طرح انسان کی بھائی کے ذمے بہت سے کاموں لے گا نہ چاہے عشق و محبت کی خواہش نہ ان میں محبت کے اندر خالی کی طرف اور جہاد سال کے لیے بہت سے لوگوں نے علم کے ہیں اور یہ باتیں اس عہد کے ادبی فکری مطالعہ میں داخل نہیں اس لیے کہ نہ ان کے اثرات اس وقت کے بیشتر شعراء کے پس منظر میں ہاتھ ہیں بلکہ فیض ان میں شامل ہوتے ہوئے بھی ان سے الگ کیوں نظر آتے ہیں۔

فیض لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ فطرت کی جو جلی اور غریبی اس میں ہے کہ انہوں نے مدعا بہت اور کمال کتب کا ایک ایک کر دیا ہے۔ اس بہت کو شاید نگاہ وہاں ہی اہمیت دی گئی ہے اس لیے اس پہلو پر توجہ کی ضرورت ہے۔ لیکن کیا اصطلاحی معنوں میں فیض کا تنگی شاعر ہیں وہاں کے یہاں کا کہنا ہے کہ کیا روایت اور روایت میں شاعر نے الفاظ کا استعمال کسی شاعری کا تنگی کا کیا ہے؟ کا کہنا ایک حجاج اور اس سے زیادہ ایک نئی غلطی ہے۔ یہ حجاج اور نئی غلطی کی عہد اور کلام کرتا ہے کہ فیض کا کلام

مطالعہ فیض کے مسئلے میں عام طور پر دو باتوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اولیٰ ان کی مدعا بہت لیکن خیالی طور پر مدعا خیالی شاعر ہیں، ”لفظ صحت“ ”نور“ ”فرقان“ ”عشرت وچ“ اور ”عشق شیدا و قدس“ کو اپنے نرم و دھم کے میں دی خواہشوں سے فطرت کرتے ہیں اور اس طرح وہ ان میں دل پہا ایک گہرا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح ان کی انتخاب پسندی اور مقصدیت کا ذکر کیا جاتا ہے۔ قصص ان کی کمالی اور شہرت کا ذکر حاضر قرار دیا گیا ہے۔ یہ دونوں باتیں جنہیں مختلف انداز میں فیض کی سب سے بڑی خصوصیت اور جہاد خصوصیت کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے۔ دراصل اس عہد کا شعراء و شاعری میں جس سے فیض کا فطرت ہے۔ فیض کی شاعری کے ابتدائی زمانے کو اگر دیکھیں تو اس پر مدعا بہت کا تھکا پھرتا ہے گا۔ اس سے الگ کہ اور کی غالب مکتب شاعری غزل کا حراج ہی دہائی ہے جس کے اثر سے ان کا آسان نہیں۔ لیکن وہ ہے کہ اس عہد کے بیشتر شاعر خواہ وہ بدھ میں گتے ہی یا انسانی شاعر کیوں نہ قرار پائے ہوں پہلے دہائی شاعری کی حیثیت سے انہیں اس بہت سے فوجی سے ایک عہد و لہجہ عہد برآورد ہوتا ہے کہ اس زمانے کے انسانی اور باقی شعراء کے کہ لہجے کے دہائی ہونے کا راز ان کی ہے۔

فیض کی شاعری جہاد فکری ساہ کیوں نہ ہو اس کے اندر اتنی اہم چیزیں اور ادبی جہتیں چھپا دی ہیں کہ ان کے فیض قدر کا مسئلہ آسان نہیں بناتا اور نگاہ میں نظر آتا ہے کہ فیض کا کلام ایسے قاری کے ذہن میں کی سہل چھوڑ جاتا ہے جو اپنی فانی تفکیر کے لیے صحت و آہنگ کے علاوہ بھی کچھ دیکھنے کی خواہش کرتا ہے۔ اور یہ عہد کی تھکا پھار مدعا ہے کہ کسی شاعر کے کلام میں مدعا بہت کا انتخاب پسندی یا اس کی غزل کوئی اور نظر کوئی کی صحت اور خصوصیات کے فطرتی نظر یا دیگر جلی کی صحت اور اس بات کو صحت کے ذہن شاعر کے کلام کی اہمیت کو فطرتی کیا جاتا ہے۔ فیض کے فطرتی نے بھی ان کی شاعری کے مختلف پہلوؤں کا تجزیہ کیا ہے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ مطالعے کے یہ طریقے غلط ہیں۔ مطالعے کے ان پہلوؤں کی اپنی ایک فہرست ہے اور ان کے ذریعے شاعر کی شخصیت اور کلام کے بعض دلچسپ پہلو سامنے آتے ہیں لیکن ان سے بھی قدر اہم کر سامنے نہیں آتی۔ اس کے علاوہ اس طرح کے تجزیہ وسط دور کے شاعر کو سمجھنے کے لیے تو کافی ہو سکتے ہیں لیکن اگر کوئی عہد سہل شخصیت ہے تو یہ مطالعہ فکری میں اور اضافہ کرتے ہیں۔ فیض کی طرح کی ایک عہد سہل شخصیت ہیں جن کے کلام کی قدروں کا ہمیں آسان نہیں۔ ان کی تہذیب اور کی عہد سے ہر بار ہی احساس ہوتا ہے کہ ابھی کہنے کو کچھ باقی رہ گیا

کھا لیکن حقیقت اعتبار کر لیا۔ اصطلاح کا استعمال واقعی
استعمال ہے۔ اس پر اصطلاحی معانی کا اطلاق نہیں
ہوتا۔ اس روشنی میں اگر کلام حق کو سمجھیں تو ان کے
یہاں کلاسیکیت کا فلسفہ کائناتی تفسیر کے اثرات
انفکات کی شکل میں ضرور نظر آئیں گے لیکن ان کا
استعمال کلاسیکی معنی اور مفہوم کے بجائے نگاہوں
مستحق ادا ہے۔ یہاں پر ہر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ
فیصل کے یہاں اگر کلاسیکیت نہیں ہے تو ان کے کلام
میں گہرائی و گیرائی کے سرچشمے کیا ہیں اور ان کی جد
اختیار کیا ہے؟

یہ سوالات فیصل کے مطالعہ اور تفہیم قدر کے
موضوع پر بھی کسی سہولت پیدا کرتے ہیں مثلاً بڑے
شاعر کی غرضوں کی بنیاد کیا ہے؟ کیا دنیاویاتی قدریں
نفسانی ہوں؟ انی الاضواء اور فطرت انشعوری جیسے کیا ان
روایت باور و روایت جذباتیت اختیار کی تو تفسیر زندگی
کے بارے میں ایک غصوں والا یا
commitment اسے برا شمار کرتا ہے یا اسی
طرح نگاہوں کی پیروی میں دیکھتے ہیں۔ شاعر کی دنیا کی
تصور اس میں سے ایک ڈاکی جو اس سے جدا ہو سکتا
ہے۔ وہ اصل کئی بڑے شاعر کے یہاں بھی جہالت
ہوں کی مطالعہ میں استغنیٰ کو ان کی پہلو سامنے
آنکھیں کے غالب تہرہ اور آفاق کی تعمیر و تعمیر سے آج
تک زندگی کشادہ ہے کہ ان کا ہر کلام اس میں
لے کر ہر ماہر ان کے کلام نے ایک نیا رنگ دکھایا ہے
طرح فیصل کو بھی جتنی بار چھاننا ہے ان کی شاعری کا
کوئی زندگی کی پہلو سامنے آتا ہے۔

فیصل کی سب سے بڑی خصوصیت ان کے کلام
میں الفاظ کا لفظی استعمال ہے۔ الفاظ کا کلام کو بے "لیان"
محمولات "گزیرات اور مشابہات کو غصہ و
ہی اسے باعزم انداز میں پیش کر دینا ایک بات ہے۔
ہر جہد میں شعراء اپنے جذبات اور محمولات کو پیش

کرتے رہے ہیں۔ ایک عام شاعر ہونے کو اس کے معنی
اور لغت کی حدود میں گم کرتا ہے۔ اسے یہ خیال رکھنا
پڑتا ہے کہ ہر لفظ زبان اور محاورے کے خلاف نہ ہو
لیکن ایک عمدہ شاعر اس سے کہ یہاں الفاظ کے
دائروے سے نکل کر ایک دستاویز بن جاتا ہے۔ اس
کے یہاں الفاظ اور استعارات کے اس میں اس کے لفظی
استعمال سے چھین ہوتے ہیں مرزا کی آواز کے کہ ہے۔

زبان در دل آسان کی قوی لمبیہ
لفظ اور بعد رنگ شیشہ دارا
وہ کی زبان کا آسان نہ سمجھتے ہرے ٹھٹھے کے
نوت ہانے سے اس میں جھگڑاں رنگ پیدا ہو گئے
ہیں۔ اور میں تہرہ اور غالب کے شعراء نے خیال کی
دست اور اصرار و سمجھتے کی بہترین مثالیں ہیں۔
اسی طرح فیصل کے یہاں الفاظ کے لفظی استعمال نے
شعر میں بیوت کے ٹھٹھے کی طرح اٹھتے رنگ ہر
ادبے ہیں اور نہ جانے کتنے جتنیں پیدا کر دی ہیں کہ
عام الفاظ سے قریب پایا شعروا فیصلی معنی تہہ داری
کی وجہ سے لفظ کا حال بن جاتا ہے۔

غم جہاں ہو رہا یا ہو کہ وہ جہد
سلوک جس سے کیا ہم نے عاشقہ کو کیا
ہر صفا ہے گئے ہیں کان یہاں
دل سنبھالے رہو زبان کی طرح

جیسے ہم بزم ہیں ہر یہ طرح اور سے ہم
رات ملتے وہ اپنے اور دیاور سے ہم
سرخوشی میں چٹکی دل شاد و دل طراں گودے
کونے قافل سے بھی کوہِ دلدار سے ہم
جہاں ہے ہمیں آں کو ہر جہد رہا ہے
سر جہاں ہے لہذا، سر غریب خدا ہے

لفظ مختلف معنوی تہوں کے ساتھ لفظیاتی اور
جذباتی تہوں میں رکھا ہے اس کے علاوہ الفاظ کا
ادبیاتی اس کے کل استعمال سے اس کی اثر آخری کا
تفہیم کرتا ہے لیکن الفاظ کے لفظی استعمال کی خصوصیت
یہ ہے کہ مختلف لفظیاتی اور جذباتی کلیتوں میں ایک
نئی رنگ کے ساتھ ڈالنے "بار بار اور ہر لفظیاتی اور
سے نکل کر بھی اپنی relevance دیتی رکھتا ہے اور
یہی غرضی شاعر کا تہہ و تہہ کرتی ہے۔ فیصل نے جو
غرضی بھی رقم کیے ہوں ان کے لیے میں جہاد کا استعمال کیا
ان کی معنی و دست اور تہہ داری سے کوئی لفظ نہیں کر
سکتا خواہ وہ اس طرح کے علاوہ شعری کون نہ ہوں۔

یہ غرضی ہم نے رقم کیا یہ جہاں وہ قوی یاد کے
کوئی اور صفا وصال کا کئی شام ہر کی دہلی

اب کے میں دستور ہم میں کیا کیا اب اجہاں ہوتے
جو قافل تھے متحول ہوتے بوسیدہ تھے اب میدان ہوتے

وہ قافلے لائے ہیں ہمارے کہاں سے خوف خدا کیا
وہ چلی ہیں روز قیامت کہ خیالِ داناہ خدا کیا
جو غمناں خدا کو گھر چاہے جو اٹھے تو ہاتھ لہو ہوتے
وہ نکلا آہ سر کی وہ دھار وسیع دعا کیا

جس بھی کو گھول میں لے لے ہر ہے مطلق
یہ میرا گریہاں ہے کہ ہر کا غم ہے
فیصل کی تراکیب و تجزیات کو لڑنے کے جانے
باہم عام رہا ہے اور ہر جہد تراکیب و تجزیات اور
ملاحظوں کو استعمال کرتے ہیں۔ ان میں بیشتر وہ
تراکیب و تجزیات ہیں جو استعمال کی یکسانیت کی وجہ
سے اپنا "کلف" ہوا اور اہمیت کو بھی نہیں اور جنہیں

لے لے اور دینی کی ترویج کی۔ اس طبقے میں فیض کا سب سے بڑا contribution ہے کہ انہوں نے غزال کی مروجہ شعریات کو توڑا اور اپنی نظم نے کے باوجود اسے روایات کی سطح سے نکال کر زندگی کی تازگی اور صحت اور انکس سے آٹا کیا جس کی انہی کے اس contribution کی اہمیت کا پورا اندازہ کرنا مشکل ہے اس لیے کہ جو شعرا اپنے عہد کے مروجہ اصولوں کو توڑنا یا اس سے ہلکتا کرتا ہے اس کی کج قدر کا تعین خود اس کے عہد میں مشکل ہوتا ہے۔ اس پورے کی کچلیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غزلیں آتی ہیں اور بے لگے کو شے روشنی آتیا ہوتے جاتے ہیں۔

فیض کی شاعری کی ایک خصوصی جہت زندگی کو زیادہ خوبصورت اور دلکش دینا کوئی انسان اور نہ صرف نئی نوجوانوں کو خوش رنگ اور غم سے بے نیاز دیکھنے کی خواہش ہے۔ یہ خواہش فیض کے یہاں اس قدر شدید ہے کہ شاید اس کے تمام ہیروئن پر حاوی ہے۔ یہی ان کی محبت ہے "یہی ان کا عشق ہے" یہی ان کی زندگی اور یہی ان کا درد ہے۔ فیض کی کوئی نظم اور یا کوئی غزل انسانی جذبہ اور انسانیت کا ایک وسیع تصور پر ہلکا کارفرما نظر آتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کا نظریہ یا commitment ان کے اندر جان اور ان کے جہالتی یا شادمانی کا نام میں مدارج نہیں ہوتا۔ وہ سب کچھ خود انکھائی جاگ انکھائی بدعہرہ استغناء دل پر دینے والا نہیں نہ وہی طرح نرم اور اثر انگیز لفظوں میں غم کو دہتے ہیں جو ہولوں میں اثر جاتا ہے۔ ان کے یہاں ہر جگہ زندگی کی ایک نئی ادھک سے جذبہ اور امید کی نئی کرن نظر آتی ہے۔ یہاں پر ان کی محبت کی لہروں کے غماز دینے جاسکتے ہیں۔ خاص طور پر "ایک لڑکے کے بارے میں بات کے لیے" "سردادی جی" "سوچنے والا" "دل میں ساغر امن"۔

"غم کی کوئی کرن ہے" "صفا کا سرخ" "انجیر، بکس اس طبقے میں ان کی ناقص فراموشی نظم "مسطبی" کے لیے لوری" ہے جس میں وہ کہتے ہیں

مست دے ہے
مست دے کا بھی
جی ای کی آنگہ کی ہے۔

مست دے ہے
بکھری پہلے
جیسے تانے
اپنے غم سے صحت کی ہے
اور اس طرح غم کو ختم کیا ہے

مست دے ہے
ای الہامی دہان
چاند اور سورج
روئے کا قیام بھی تو کھو گیا ہے
تو کس نے کاوش کیا
مست دے انکھ بھی بول کر
تھمت کیجھ لیت آئیں گے۔

فیض کی یہاں یا مہر مہمانی انہیں چاہہ کر اتحاد ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی جگہ شعری جہالتی قدر اس کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ وہ نظریاتی غمیں اور افسانہ بھی اسی نرمی اور کھلاوت سے لکھتے ہیں کہ ان سے نظریاتی شکاف نہ لگنے دے گی ان کی تحریف کے بغیر نہیں دے سکتے۔

فیض کی شعری جہالت کا اس بات کے بغیر باطل ہے کہ انہوں نے غم اور غزال کو کیفیت و اثر آفرینی اور زبان و استعداد کی حد تک قریب اپنے کی کوشش کی یا غم میں غزال کی روحانی اور کائناتی پیدا کی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کے یہاں غم اور غزال کا فرق نہیں ہے لیکن اس فرق کے باوجود ان کی جتنی لکھوں میں وہی بدل اور ایک آنگہ ہے جو ان

کی غزلیں کی خصوصیت ہے۔ یہ بات بعض شعریات کو شاید یہ انداز آئے یا وہ اس میں غزال کی کسی طرح کی برتری محسوس کریں اس لیے کہ بعض لوگوں کے خیال میں غم پر غزال کے آنگہ کا لڑائی مستحق بات نہیں ہے۔ جس کی غم اور غزال شاید ایک حد واسطہ اور صحت رکھتا ہوں اور یہ حد کامل جتنی کی لکھوں میں موجود ہے لیکن لکھوں نے اسے دوسری طرح دیتا ہے جس کی وضاحت میں دوسری سے کرنا چاہتا ہوں۔

اول یہ کہ فیض نے غزال کی تخلیقیت اور روایت کو اثر آفرینی اور دلوں میں اثر جانے کا وسیلہ بنایا ہے۔ اس کے یہاں، روانی الفاظ و تراکیب کے استعمال کا مقصد یہاں عشق و محبت نہیں ہے بلکہ وہ صرف ایک پودہ ہے جو شعری ایک دہان میں اضافہ کرتا ہے۔ دوسرے شعرا کی طرح وہ نہ شاعرانہ بھی استعمال کر سکتے تھے لیکن جتنی جڑ کی چاہتے وہ ہر پادڑ بھا کرنا چاہتے تھے اور کسی خصوصیت دہانے "سائے یا تجربہ کا وقت اور مقام کی حد سے بلند رکھنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے شاعرانہ زندگی کے بجائے رگ لگی سے کام لیا اور یہ فیض کا بہت بڑا حصہ ہے۔

دوسرے فیض کے یہاں ایک خصوصی شعری جذبہ ہے یہ شعری جذبہ ہر عہد ساز خاص کے یہاں ملتا ہے۔ ہر عہد ساز اور انقلاب کی عظمت میں ان کے شعری جذبہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ فیض کی بھی اپنی شعری جذبہ ہے کہ ان کے لکھوں میں ہر جگہ انہیں ہی نہیں بلکہ ان کی طرح موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کام میں انہیں کوئی کھر دہان "کسی طرح کی جاگ" تو اپنی خصوصیت نظر نہیں آتی اور یہی وجہ ہے کہ انہیں انکھوں پر ان کی نظم کی زبان اور غزال کی زبان میں فرق ہائی نہیں دیا ہے مثلاً یہ غزل ملاحظہ ہوں۔

عشقم غم جانی شہرہ کاٹی نہیں
تجست عشق پوشیدہ کاٹی نہیں



آج
آلیم داہرہ

آج کل کا مسٹر صاحب کا دل ہے
آج کل کا دل ہے
آج کل کا دل ہے

فائدہ مند
مستند لکھنؤ

(انہما کا یہ لکھنؤ ہے)

برصغیر - فائدہ مند لکھنؤ

آج کل کا دل ہے
آج کل کا دل ہے
آج کل کا دل ہے

ان کا دل ہے
ان کا دل ہے
ان کا دل ہے

ان کا دل ہے
ان کا دل ہے
ان کا دل ہے

ان کا دل ہے
ان کا دل ہے
ان کا دل ہے

ان کا دل ہے
ان کا دل ہے
ان کا دل ہے

ان کا دل ہے
ان کا دل ہے
ان کا دل ہے

ان کا دل ہے
ان کا دل ہے
ان کا دل ہے

☆☆☆

ان کا دل ہے
ان کا دل ہے
ان کا دل ہے

ان کا دل ہے
ان کا دل ہے
ان کا دل ہے

غالب اور فیض

مردم ہونے کی حوائج نقل مکانی سے کی دوسری پائی شاعری میں تجلی آفرینی کی مدد سے مزید نقل مکانی کی صورت پر چمکی کہ غالب کی ایک جگہ تک کہ وہاں شہنشاہ جگ کی حویلی کا لے گیاں کی حویلی انجیم ہو صحنِ زن کی حویلی۔ غالب ایک خانہ بدوش کی طرح طرہ پناہ اور پائسز اٹھانے ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہو رہا۔ محفل اس لئے کہ شہنشاہی اور ایک جگہ رہے ہونے اس سے آگاہ تھا۔ آخری مکان کی تمام چاہ سے سوز پر قادر غالب وہاں بھی نہ رہا۔ صحت کی پاک گی میں چھوڑ دیا گیا۔

غالب مکان میں نہیں مگر کی جگہ اعلیٰ سے بھی جگہ تھا۔ اس کے لئے مگر ایک بدای خاں سے زیادہ اہمیت نہ رکھتا تھا۔ زما خاں افغان میں سوائے کا گھر کہ لکھے۔ چلی کو بڑی اور دلف کے بچوں کو چھوڑ دیا کہ کر چھوڑا غالب کی اس خاص روشنی کا قیلا ہے۔ سڑک کے دہا چاہے وہ ہسپتالی طور پر حالت خراب ہو اگلی طور پر خوالی کو ہیٹھ سوج چا ہے کہ ایک ہی ہالے میں دو چوڑی طرح حرکت ہو سکتا ہے۔ غالب لطیفی طور پر حرکت تھا اس لئے خود غصہ سے اپنے اس کی رفتار کو دم نہ دے نہ بھٹکا تو احتجاج کرتا مگر بیاداری طور ایک آشنائے کی طرح ہے اور آشنائے میں چھوڑ دیا تو وہاں آگاہی بھانے کا مگر غالب مگر کی چھوڑا کہ اپنے اصحاب پر ایک پرچہ گرداں تھا۔ قدرت نے اس سے طبیعت کے اس

کندوں کی طرح بھٹا اور تک ہم سڑک دہائی دیتی چلا۔

غالب غالب کی زندگی میں نقل مکانی اور شاعری میں آوارہ خرابی کافی ظہور اس میں ہے اور یہی اس میں منتقل کی حالت اور کام کے ساتھ سے ہوتا ہے۔ غالب کا قصہ یہ ہے کہ اس کی آوارہ خرابی طور اس کی طبیعت کی بہتر آری کا شائبہ بھی اور طبیعت کی بہتر آری میں اس کے آبی طوں کی گری اور اہل کا بھی ہوا تھا۔ دراصل غالب کی طبیعت کی پائے میں ناخنیں بھی تھیں اور چمک چمک جاتی تھیں۔ چمک جانے کی یہ صورت ان کردہ کہاں (لکھی سڑکوں) سے بھی ظاہر ہے جو غالب نے لکھا نام پر اور میر جگر کے شیلے میں کہ اور ان ناکردہ کہاں سے بھی جس کی حسرت اس کے دل میں ہم آفرینہ دی۔ سڑک کے شیلے میں بھی وہ غالب کے حصول سے زیادہ سڑک سے لطف کشید کرنے کی طرف مائل تھا

غالب کہ اس طرح میں مجھے ساتھ لے بھی جا کا خواب خوار کدوں کا قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ غالب بیاداری طور پر ایک سیاح تھا اور بدھت حالت سڑک میں نہا سے مرغوب تھا مگر ان دنوں قدر سڑکی وہاں بھی میر جگر جی آج کل حاصل میں صورت غالب اپنی اقدار سے اس قابل تھا کہ اپنے ذاتی اقدار اور حسرت آراہی کی تسکین کا اتمام کر سکتا تھا اس لئے ایک تو آوارہ خرابی سے

ظاہر غالب اور منتقل میں بعد اظہار ہے۔ اس بات کا اولین احساس وہاں کے محفل کے فرق سے ہوتا ہے۔ شعور کا استحباب اگر شخصیت کی رسوائی کا موجب ہے تو محفل کا چھوڑا بھی شخصیت کی چھوڑی کا باعث ہے مثلاً غالب کا لفظ غالب کی آواز کم سے کم شخصیت کے انکسار کی کاشش ہواں ہے چنانچہ غالب کی زندگی کے متعدد واقعات (خصوصاً ملازمت کے شیلے میں) انہیں بے جانے کا واقعہ اس کی آواز بندی ہی کو سامنے لائے ہیں۔ دوسری طرف منتقل کی زندگی ایک ایسے محفل کی داستان ہے جو دوسروں سے جدا ہونے کا معمولی اہمیت کا مظاہرہ کرنے کی چھانے بہت بہت اور گھر مکان کے مسلک پر کار بند رہا ہوں گاہ ہے جسے فیل پیچہ منتقل کی شخصیت کا ایک مستقل میدان تھا۔ مادی معاملات میں تو یہ وہی تھوڑے چھوڑے ثابت نہوا مگر شاعری کے میدان میں اس نے تمام کو افسردہ اور غم کے بچوں سے کہاوت پائے کی جو وہ بھائی میں اسے فیل کے اسباب ہی میں شمار کرتا ہوں۔ اس سچے کے ساتھ اگر یہ بکت بھی شک کر دیا جائے کہ غالب کا بیکہ وادی نظام سے ہم آہنگ اور خصوص کی روایت کے جامع خواب کی منتقلی شاعری نظام کے ہم خواہر ہوتی ہے دوست کے قائل تھے وہاں کا فرق نظروں کے سامنے خرابی آہا ہے۔ مگر غالب اور منتقل میں فرق کا معاملہ نہیں بھیجے تھے۔ اس سے آگے وہاں کی مشترک مناسبت دیا کے

میان کا انکسار ہوں یا کچھ ہے اور اس کے پاس
راستہ ہو گا۔

نئی آواز دہرائی آزاد روی کے ایک مسلک
کی صورت اس کے کام سے اگلی حیرت ہے۔ غالب
کے کام کا مطالعہ کریں تو ایک بے قرار دریا اپنے
زخماں کی سطحوں سے سر بھڑائی ہوئی صاف دکھائی
دیتی ہے تاکہ آزاد ہو سکے۔ چنانچہ غالب کے کام میں
تقصیر اور استہدائے تخلیق کے لیلیٰ چیزوں کی
موجودگی اس کی آواز دہرائی تھی تو سچ ہے۔ تصویر
کسی شے یا کیفیت کو عین پیش کرنے کی جگہ بہت
اسے تھکن سے چھٹی کرتی اور یہی گویا ایک شے سے
پھر کر گئی دوسری شے پر ایسا کرنے کے بعد وہاں
اپنی اصل جگہ پر آجاتی ہے۔ اس میں دو کاموں یعنی
عبار اور طبع پر (تجربہ) چھٹی جھوٹے
metaphier اور metaphied (کہا ہے) کے

طابق کا مظاہرہ کرتا ہے اس بات پر دل ہے کہ غرض
یا فکرا کسی ایک کنارے سے بندھا ہوا نہیں ہے بلکہ
وہاں کھلا ہوا ہے اور مابقی کچھ کو بھانپ گیا ہے۔ مراد
ہے کہ تصویر میں وہ ایک ایک کڑی بن جاتا ہے جس
میں باہر کی اشیاء مخصوص ہوتی ہیں جو وہ طبع پر غور
کا جزو ہیں یہی کہ الفا کے بند ہونے سے نجات
پانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ غالب کے ہاں تصویر
اور استہدائے تخلیق کی فراوانی ہے جس کا مطلب یہ ہے
کہ غالب الفا کے بند ہونے سے آزاد ہونے پر
قادر ہے۔ دیکھیں اگلی شے میں تصویر اور استہدائے
استعمال ایک متحرک انداز بیان کا قیاس ہے۔
ظاہر کیا، مزاج ہائی ہیں جو آزاد روی کو بوند کرتی
ہیں۔ غالب کے اپنے زمانے میں ”ذوق“ فقرہ
دوسرے بڑے پورے شعرا کی شہرہ ہے تھے۔ ان کے
کلام کی سادگی مطالعہ اور سماعت کی بات کو سامنے کی
زبان میں جان کرنے کی روش اور زبان پر ان کی

حیرت انگیز قدرت کی قیادت ہے لیکن اس میں تصویر
استہدائے تخلیق اور طبعی غلبہ غالب کے ہاں موجود
ہے۔ یہ وہی کہ غنایاں طبع پر ان سب شعراء کے مقابلے
میں غالب نہیں زیادہ متحرک ہے۔ یہ قرار شخصیت کا
دیکھو۔

غالب کے اشعار کی بدست میں تصویر اور
استہدائے تخلیق چھٹی چیزوں نے بھی ایک اہم
کردار ادا کیا ہے۔ بعض مواقع پر غالب آپ دلی کی
دلیا سے اپنے فکرا کو ایک مینا بنائی جہاں فکرا کہتا ہے
جو شاعرہ دلی کی انکی سے اگلی باپ کا بھی تحمل نہ ہو
سکے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں **signifier** چارہ شے
signified سے توڑ دیتا ہے یعنی الفا اپنے کو یہ کہ
قوت سے آزاد ہوتا ہے اور نظم کے نکرے کی طرح
دیکھنے کے لٹل کوچ کرانے کا ذہب بندھتا ہے اور
پھر اپنی کائنات سے ہم نشین ہو جاتا ہے۔

یہ کیفیت یہ کہ جبکہ وہ مقدس مقام ہے جہاں
شاعر اور شاعر کی اس لکھا میں سامنے لے جاتا ہے جو
معمول سے غور کو بھی برداشت نہیں کرتی اس سے یہ
بات بھی کہ غالب کا الفا کے چاروں کے پھیلائے
ہوئے خود و شب سے کہیں وہاں تھا کہ نہ ہر
جب کوئی خط مابقی اسے چھتا تھا اس کے غلوں
کے آگے چھتا چھتا جاتا ہے۔ دیکھیں یہ آزاد
ہے کہ غالب کی آواز دہرائی یا آزاد روی دلی باہر کی کسی
محل کے لئے نہیں تھی۔ حوالہ اس کے احوال میں
پیدا ہو گئی اسے ایک پڑوسی یا عظیم قریہ کا عالم کہہ سکتے
ہیں کا حصول اتنا اہم نہیں تھا جتنا کہ اس تک رسائی
پانے کی ہوا کشی جسے سلسلہ عشق کا نام دیا جاتا ہے۔

آواز دہرائی کا جذبہ اس بات کا تقاضا ہے کہ
اس کے راستے میں کوئی بند نہ بندھا جائے کیونکہ
بقول غالب جب طبع رکتی ہے تو اور بھی وہاں ہوتی
ہے۔ رسائی سے تو انکار نہیں لیکن ہر واقعہ یہ ہے کہ

غالب کائنات کے لٹل کا فکرا سچا بھڑا اور اسے جو
دہائے باطن کا گوارا نہیں ہوا جس نے اس کی فکری
بدست ماکہ کی یا کم سے کم جس پر اسے بدست یا مجبور
پال کا کہیں ہوا۔ غالب کے ذریعہ رسائی یا طبع یا
آواز دہرائی کھلا ہوا نہیں بند ہو کر پھینکے یا ہم نہیں تھا
بلکہ کھلا ہوا سے چھٹک جاتے یا ٹھٹھکا جاتے۔ رسائی
کھلا نہیں یعنی **social grooves** سے ہمیشہ متفرق
ہو لیکن کھلا نہیں یعنی **elches** سے ہمیشہ ہاں رہا۔
یہ بات اس کے اشعار کے مخصوص حوالے سے کر
اس کی زندگی کے پھرتے پھرتے وہاں تک پہنچی
ہوتی ہے جہاں اس نے غرض کی کوٹا ہے اور فکری آزاد
کیوں ہی غرض کی فراموشی دیا۔

اوم نہیں کہ فکری ہم غرضی کریں
ماں کا رگ بزرگ ہمیں ہم سڑے
دہائے ہم ہوں کہ ساتھ مرنا بھی اسے پند
نہیں تھا۔ جب دل میں راتوں لاد کا تو غالب کو
دوسروں کے مطالعے میں گھسی کا کہیں زیادہ احساس
ہوا۔ اپنے پاتھ سے یہ کہ زیادہ حواثات کے علاوہ
اس نے غرضی حواثات کے مطالعے میں بھی آزاد روی
کا مسلک اختیار کر کے رکھا تھا یہ مشاہدہ

ہم کو معلوم ہے جس کی حقیقت لیکن
دل کے غلوں کہنے کو غالب نے خیال اچھا ہے
کیا شک ہم سب رنگوں کا جہاں ہے
جس میں کہ ایک چند سو آہاں ہے

ہے کہاں فنا کا دھوا قدم یا دپ
ہم نے دشت اٹھان کو ایک ٹھٹھکا یا پایا
ان اشعار سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ
غالب کے پاس آزاد روی کا تصور کسی قدر رکھا وہ قدر کا
تصور کہ غرضی آزاد ہی اسے لہو دینے کے درج

فرما اسماں سے ربانی دھنیں نکل چکی۔ آسمان کو چھو
 نور صرف دی گھنٹی کی سکا ہے نہ ایک جگہ تمام سے
 دھواور موجودی عقلی کو کچر دھواور۔ دوسرا شعر غائب
 کے ہاں کا کافی شعور کا بھی غماز ہے۔ بنیادی طور پر
 کا کافی شعور جسوی معنی میں ابھرنے والے ذوق کا
 دوسرا نام ہے۔ حیرت ہے کہ انیسویں صدی کا باہمی
 ہونے کے باوجود غائب کے ہاں ایک ہیما زاد پہلو
 ابھرا آتا تھا جسے اس ذوق کا جوش و دھڑکا دیا جا سکتا ہے
 چنانچہ جب غائب کشاکش کے دوسرے قدم کا ذکر کرتا ہے
 تو قادی پر سوچتے پر غور ہو جاتا ہے کہ وہاں نے تو
 ازماں کی قدروں میں ہری کا کشاکش کا اضافہ کر دیا تھا مگر
 غائب کہہ دیا کہ وہاں ہے کہ اس نے ایک قدم تو شست
 امکان پر رکھا ہے اور دوسرے قدم کے لئے اسے کوئی
 جگہ نہیں مل رہی۔

غائب کے تجزیہ میں تو نہیں البتہ غائب کی ہے
 فراویطیت کا نامک ہونے کے باعث عقل بھی ایک
 مستقل نوعیت کی آواز ملتی کی زد میں رہے۔ اس کی
 داستان حیات کے اس پہلو کا بطور خاص ذکر کرنے کی
 ضرورت اس لئے نہیں کہ یہ ایک باہل سا منحنی کی بات
 ہے کہ کیسے ان کا ایک قدم لندن میں ہوتا تھا دوسرا کوئٹہ
 شیراہر سے اور چوتھا اندھمان میں ہوتا تھا۔ وہاں
 میں وہ اپنے ملک میں بھی ایک مضبوط گئے کی طرح
 محکم جاتے تھے۔ آخر میں تو زیادہ عرصہ دیارِ پیر میں
 رہنے لگے۔ چنانچہ یہ سیکڑا نیز شرواں ہو گئی کہ انھیں
 ملک بدر کر دیا گیا ہے لیکن جب انھوں نے وہاں
 پاکستان پانچا کا سلسلہ شروع کیا تو معلوم ہوا کہ ان کی
 یہ اس باہر کی کسی بھڑکی سے کہ انھیں نہیں تھا کہ ان کی
 بے قراری کا نتیجہ تھا۔ یوں انھیں تو غائب اور عقل
 کے ہاں ایک گہری ممانعت کا فی الفور احساس ہوتا
 ہے۔ مگر کا معاملہ یہ کام عقل کے سوانح نگار کا ہے
 کہ مگر کے وہاں پر انہی مگر کی چیزوں اور انھیں

کے بارے میں عقل کے رد میں پر روشنی ڈالے مگر میرا
 اہوار ہے کہ عقل صاحب کی عقل اور اس کی ساری
 حشرک شخصیت مگر کے معاملات میں ہری طرح
 ثابت ہے۔ "تھا" نہیں۔ دراصل انھوں نے مگر کی اسلامی اگر
 نظر آتی رہی ہے تو اس میں جیسے ان کی نصف بجز کا
 زیادہ باوجود رہا۔

آوارہ خرابی اور آوارہ روی کی پر روشنی عقل
 کے کام میں آزادی کے حصول کی بے پناہ آواز دے
 چلا ہوئی تو "سچ آزادی" ایسی نظم تخلیق ہوئی جس میں
 ان کا یہ موقف تھا کہ آزادی کی سحر انگ اور انھیں ہوئی
 اصلاً عقل کے لئے آزادی کی یہ سحر انگ ہے چرچا ہوئی
 تھا جو ان کے اندر گہیں موجود تھا۔ ہم عقل کے پاس
 اور ہستی مسلک کی روشنی میں اسے خدا و مخلوق مفاکر
 سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں مگر عقل اس کی شناخت نہیں
 جانتے۔ غائب کی آزادی کی طرح عقل کی آزادی بھی
 ایک تجربے یا پھر طے ہے جس کا حصول انجام نہیں جتا
 کہ حصول کے لئے شاعری تک اور عقل تک جب لکھتے
 ہیں کہ

اس طرح ہے کہ میں یہ کہ کوئی ساحر ہے
 جس نے آفاق پہ پہلایا ہے یوں سحر کا نام
 دامن دھت سے چوست ہے یوں دامن تمام
 اب بھی تمام لکھے گی نہ اندھرا ہو گا
 اب بھی رات اٹھنے کی نہ سہرا ہو گا
 آسمان اس لئے ہے کہ یہ جادوئے
 چپ کی ذخیرہ کے جنت کا دامن پھیلے
 دے کوئی سکھ دہائی کوئی چاک بولے
 کوئی جت جاتے کوئی سائل کو گھٹ کھولے
 تو دراصل اندھیرے جاتے کے اس پر اسرار
 عالم کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس سے ان کے
 ہاں آزادی کا یہی سحر ہے حقائق مگر کے کوئی واضح
 خدا نال نہیں تھے مگر عقل کی اس طرح سے جاسے کا ایوار

"غائب" کے "عقل" کا فرق اس سے ملتا ہے۔
 غائب اور عقل کے ہاں ایک اور فرق حشرک
 ان کا یہی شعور ہے۔ غائب کے ذراے میں ابھی
 جہودیت نے پہنچے نہیں گئے تھے اور انقلابات
 کی بھی عقل اپنی جگہ اس سب کے باوجود غائب اپنے
 سحر میں کی بہت باطن کی کاروں کے بجز باطن
 تھے۔ اس کے خطوط میں عقل کے جرنے کی جہودستان
 جان ہوئی ہے وہ ایک جہ سے جہ کے جرنے کی کہانی
 ہے۔ عقل اپنے ذراے کی خواہش پہلو کی انگشت و
 رینگت انھوں اور فیروں کے جہ و اعتبار ویز وہاں
 اور غلک سالیوں کے لئے ایک علامت کی صورت
 اختیار کر چکی تھی اور غائب کی حیثیت اس نکل آنک کی سی
 تھی جو اس کے گھر پہ کھڑا ہے اور حیر ہونے کے
 سحر کا ایک جہود کھتی پٹی چارہ تھی۔ عقل میں رنگے
 گئے داخل اور کے وہاں جو چہاں مانع ہو گیا
 (انھیں عقل کے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہوا)
 زان بندی ہوئی ہوئی کرانے کے لیے شریعت کے اندر شریعت
 داخل ہونا ناگہان ہوا اور یہ گناہ فرما کر جس سے عقل
 سے گھبراہٹ ہو گئی اس سے عقل کی پھر اس میں طرح
 پرانی غریباں اور دوسرے اور مکان لہنے تاکر لگی اور
 کشادہ مزاج نہیں تھیں۔ یہ سب جگہ غائب کے لئے
 وہاں دماغ سے تم نہ تھا۔ غائب اس سب کا ایک ہے
 اس خاطر تھا۔ اس کے دل میں اس سب کے خلاف
 ایک طوفان رہا تھا مگر وہ ایک طرف مگر زبان پر نہ
 نکلا تھا مگر بھی اپنے خطوط میں اور اپنے کلام کے
 ذریعے اس نے اشاروں کشاں میں اس صورت
 حال کے خلاف اپنے داخل کا اظہار کیا۔ آج کے
 سیاسی شعور کے حوالے سے تو ہم اس داخل کو سیاسی
 برائیتیں کہہ سکتے مگر اس شعور، یہ سیاسی شعور ہے جیسے ملی
 انصافیت کی "ہیٹ لینڈ" جو کشت و کلاہ کی اس
 لہر کی عکاس ہے جس کے کراہت میں سیاسی دہر

نے بھی ایک اہم حصہ لیا تھا۔ جو حالِ غالب کا معاملہ اس کے کلام میں ابھرنے والے ان الفاظ اور ترکیب سے بطور خاص متحرک ہے جو بعد ازاں اور حم کے سیاسی مدوجہ کو گرفت میں لینے کے لئے ہونے کا زبانی تھیں۔ اس اور پہلے سے دیکھیں تو بعض باتیں ہیں لگتا ہے جیسے ساری جہد غزلِ غالب کے لئے جہت اور احتجاج سے خارج ہے اور اس میں میر، بزمِ "سلا" جنوں، قلم، فقر، غریب و فقیروں اور غلامانہ کے سچے عاشقِ مفاہیم اور اداسیتِ غالب سے آنے ہیں مثلاً "فعل کا کام لے لیتے جو کمر سے سیاہی شعور کے لئے بہت شہور ہے یہ ایک کج تربیت ہوئی ہے کہ فعلِ غالب سے کہہ دو حائر و حیران اس بات سے قطع نظر کہ ان کے وہ مجموعوں یعنی "فعلِ لڑائی" اور "دستِ دستگ" کے ہم تک غالب سے مستند ہیں اپنے محدود افکار میں بھی فحش نے غالب سے استفادہ کیا ہے مثلاً فعلِ صاحبِ ایک مصرع ہے

اور بھی دیکھ میں زمانے میں بہت کے سوا
اور غالب کا مصرع ہے

جیسے سے سوا بھی ہم پہ جہت سے ہم ہونے
اسی طرح فحش کہتے ہیں

حیران کون و قہم بھی گئی تو کیا ظلم ہے
کہ خونِ دل میں ڈوبی ہیں انگلیاں میں نے

اور غالب کا شعر ہے

اور دل کھوں کب تک چاہوں اس کو دکھاناں
انگلیاں تھک اپنی حائر خرچہاں اپنا

حقیقت یہ ہے کہ غالب کے کلام میں ایک عیا
دہن کا فرما نظر آتا ہے جو بیسویں صدی کے متحرک

دہن کا فانی وہ ہے۔ غالب سیاہی و جزری کے
بظاہر تھے بلکہ حافی معاملات کے وسط میں بھی

خامسے بظہور تھے اور فکری اشارے تو وہ بیسویں
صدی سے ایک جانی دیکھ ہم آہنگ بھی تھے۔ گویا

جس فکری اور سیاسی موسم میں فحش نے ساری عمر ساری
اس سے ملنے پہلے فکری اور سیاسی موسم سے غالب بھی
اپنے زمانے میں حیران ہوا ہے۔

کچھ بھی صورت حال ان دونوں کے شعری
اسلوب کے وسط میں بھی نظر آتی ہے۔ دونوں کے

ابتدائی کلام میں قادی اللہ اور ترکیب کی لڑائی
ہے۔ اس فرق کے ساتھ کہ غالب کے پاس قادی

قادی اللہ تھا کہ پہلی طرح قلبِ عامل کر لیا جس سے
بعض لوگوں نے شعری عافیت "جھلک" اسلوب کے

بارگراں تھے وہ جب کہ فحش نے قادی اللہ کو
بالعموم دی عافیت سے اس طرح بہت حاصل کیا کہ

دل کی آواز ہی گئی۔ بعد کے کلام میں حوٹوں نے
قادی اللہ سمجھ کر یا انکار کیا کہ یہ جانی دیکھ نہ کر کے

کلی مفتح کو اپنایا۔ اس فرق کے ساتھ کہ غالب کے
پاس مادہ کوئی میں سوانی کے سچے افکار ابھرتے پہلے

آنے اور ان کا کلام شعریات اور عافیت کی آخری
مدوں کو چھوٹے میں کا صواب اور جب کہ فحش کے

پاس فحش کرب کے حیران ہونے کے باعث مادہ کوئی
کے پس کے شعر کو آخری سطح تک پہنچ کر دی اور فحش

صاحبِ شعری افکار نے عزم ہو کر غمزدادی کی بنا پر
اترتے پہلے آنے۔ تاہم دونوں کے پاس اسلوبِ شعر

کے وسط میں جس طرح کی تبدیلی آئی وہ ان کے
شعری حیران کی مماثلت ہی کو ظاہر کرتی ہے۔ ان

دونوں کے حیرانے میں تھری سادہ کوئی شروع سے
آخر تک قائم رہی اور رات کے پاس قادی سے شغف

کا جو اعلا ارتقا میں ابھرا تھا وہ معمولی تبدیلیوں کے
ساتھ دمِ ترک ہو گیا۔

غزلِ کلام سے پہلے میں ایک اور دلچسپ
مماثلت کی طرف بھی اشارہ کر دیا چاہتا ہوں۔ وہ ہے

کہ غالب اور فحش دونوں قیود و بند کے آگے سے
گمزدہ تھے اور دونوں کو قادی بادی کے انعام میں سزا

لی۔ اس فرق کے ساتھ کہ غالب پر قادی بادی
کا اثر تھا جب کہ فحش سیاسی نوعیت کی قادی بادی کے

موجب ہوئے۔ جو بادی کی نوعیت کے فرق کے
باعث ان دونوں کے پاس متضاد کافری بھی موجب

ہوا۔ وہ ہیں کہ غالب کو قادی بادی پر بے غولی کے
احساس نے بھی ڈالا اور اس میں زمانے کا ساتھ

کرنے کی سکت قادی بادی کو فحش کو دیکھ کے ہاتھ نے
پر ہوا خط کوہ چنے اور وہ ہر طرح جی کی ایک گرم و

گداز لہذا میں شعریات کے ساتھ افکار کو پار کر کے
نثر نگار میں کے دیکھو دیکھو اثرات بھی موجب ہوئے

پانچویں فحش کادی کے وسط میں غالب ہمیں کے
دل میں پہلے ہی بہت سی فراخیں اور دماغ میں بے گلی

تھیں اس سلسلے کی تاب نہ لاکر ایک مثال دیا پہنچے
کی طرح کچھ کچھ اس کو پار کر لیا تھا اور کچھ آئینہ سار

میں مزید تر ہو گیا اور میں فحش افکار سے آخری دم تک
فعال رہا جب کہ فحش کا آئینہ دل جو ان کی سچ کے

واقعات اور حالات سے خارج ہو چکا تھا قیود و بند کے
واقعہ سے کچھ حیران ہوا مگر نگار میں اس کے بعد

زمانے کی طرف سے ملنے والی بہت اور عافیت نے
ان کے آئینہ دل کی کرفوں کو اس غمزدادی سے جوڑ

دیا کہ فحش میں داخلی نکست اور نکست ہی سے غمزدہ ہو
گئے جو فحش فحش کے لئے بہت ضروری ہے۔ قیود و بند

کے واقعہ کے بعد غالب اندر سے نوٹ بہت کیا تھا
اور اس کی مدد کا نظم ہوسکتی ہیں تھا کہ فحش قیود و بند

کے واقعہ کے بعد اندر سے نوٹ کے اور ان کا نظم سنیں
ہو گیا لہذا زندگی کے آخری میں سال میں ان کے پاس

فحش کادی کا گرفت بدتر سا نہیں ہیں ہوا چاہتا
جب کہ غالب فحش اختیار سے ہم دیکھیں کچھ پہلی

طرح زمانہ رہا۔

دیکھے ہیں ہم نے حوصلے



جنتی کا شعر ہے۔

اک قسمت گزار لی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پرستار کے
بہرہ دیکھا ہے۔

ز دانی پہ شیش تازی د جانچو
ہاں لہو دی تو فرشتے دھو کریں
جنتی کا شعر ہے۔

جنتی کی بحث مصداق میں ہیں جنتی ذکر
جنتی تو قریب دکان چاں ہے ساتی
غائب کہتا ہے۔

ہر کامپے کے کئی در شب آہد کئی
ان کے تو مسد علیحہ جنتی جہنم جانی

ہاتھ ہے کہ شامیں غائب سے دھواہو کر
سوچتا ہے۔ اس کی جنتی شاعرانہ اس کے احساس کی
دہائی اس کی لڑکا دھو کر کرتی ہے۔ اس کی عداوت
طبیعت مدحوں کو قبول نہیں کرتی۔ وہ عداوت عجب کی
خفت گیری کا ناکل نہیں۔

فرانس کے مشہور ادیب میزولائی کی طرح جنتی
کو ام چنگا شعر کا ایک اچھا دشمن جنتی شاعر کہ
کچھ ہیں جہاں جنتی عداوت کے حوالے سے ایک جنگجو
کی طرح لڑتا رہا۔ اس نے انسانیت کی ان
اقدار کے لیے نہایت اعلیٰ بصیرت جانی تھی اور اس
بصیرت کو عام کرنے کے لیے اس نے وہ الفاظ اور
تراکیب اختیار کیں وہ ساری کی ساری فزول کی

اس مرد میں امریکہ (میں میں ہم نہیں رہے
یہاں کے بچے ہمارے کی گھٹ میں یہ بات نہیں آ سکتی
کہ فزول کا ایک شعر اپنے اندر کتنی تاثیر رکھتا ہے اور اس
پر کام ایک شعر سے کتنا سوگیا پاتے ہیں۔ شعر تو خود
کتنی سے بچا لیتا ہے۔ شعر ادا اور ہر کہ ساتی داریا
ہے جس سے میں کئی ایک نہیں کر سکتا۔

طوفان قسمت ہیں وہ لوگ نہ شعر کا لائق دیکھنے
ہیں اور اس ساتی کی صورت میں وہ کھٹ اور حوصلے
پاتے ہیں۔ مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایک عمدہ
شعر سے طبیعت کی گہرے سے گہرے جاتی ہے۔

شعر اداری Frustration اور
catharsis کی خشک کر دیتا ہے۔

انگ میر دل جنتی شاعر کا لہو ہوتا ہے
تب ٹھہراتی ہے اک مسدہ تر کی صورت
تخلیقی کرنا خداوندی صفت ہے۔ یہ خداوند
صفت ہر شاعر ادیب کو اداں ہوتی ہے تو اسے
کئی قصداً طاقتوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اور میں
وہ دنوں کے درمیان انسان کو تخلیق کرتے ہی میں لگی
تھی۔ اس طرح تخلیقی عمل کے درمیان شاعر کی مخالف
طاقتوں سے دوسرا چارہ چارہ ہے۔ یہ جنگ جہاد کی
جہاد رہتی ہے۔ جب تم یہ ہے کہ شاعر جس دھڑے
میں سوچتا ہو جس تر جہاد کا کر رہا ہے وہاں جنتی کم
جنتی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے کہ جنتی عمل کے سبھی
تلاشے ہیں۔

تھیں۔ اپنی بات کہی تو شعر کے لیے سے اور شعری
کہ ترانہ میں خطا ہوا۔ اتفاق دیکھتے ہوئے۔ تراکیب
چنگا سنا۔ جنت ہے مثال۔ ساری میں ایک بات
کہ جنت اور اس رنگ سے کہ فزول حاصل مشاعرہ
نہ جاتی

"مقام جنتی کئی ماہ میں جا ہی تھی
نہ کوئے پار سے لگے تو سونے دار چٹا"
کوئے پار ہو یا شعر محبوب۔ دونوں کا دستور
صرف جہاد ہوتا ہے۔ جہاد کا کھمبہ ہوتا ہے۔ کوئے
پار سے لگا کھمبہ اور مصداق کہنا ہو سکتا ہے۔ اپنا
مقام جہاد رخ داخل ہو جانے اور شاعر کی جہاد میں جہاد
جانے کوئے پار دھوئے دار معمولی تراکیب ہیں مگر
آپ نے جنت دیکھی اور مضمون کیا لہذا جہاد جنتی کی

نہ رہا جتنا ہی پہنچا وہ یہ دہائی یہ یاد کر کے کیا
 جنہیں جرم بخش یہ ہزاروں یاد کردار چلے گئے
 تھیں کاکال یہ تھا کہ غزل کے پردے میں
 سیاہی بات کہہ جاتے مگر غزل کے الفاظ "تراکیہ"
 صاف بھلی اور سارے کے سارے تیر گئی تھیں
 دہلے گئے۔

کہا جاتا ہے ملک میں جمہوریت نہ ہو تو ملک
 مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ سچ ہے۔ جمہوریت کی موجودگی
 میں ایسا شاعر قہر کہہ لیتا ہے کہ اسے سزا قتل سے
 بہت سارے دانشور حاصل ہیں جس طور کی بھی سخت
 کیوں ہو اور دشمن کے علم اور کمال کی فہم کے پردے
 میں راجہ راجب کہتا ہوا مشکل ماہوں سے گزر
 جاتا ہے مگر ان ماہوں میں سے نہ انہیں گل پہنچا۔

گلن میں رنگ بھرے بارو ہمارے چلے
 چلے گئے آؤ کر گلشن کا کاروبار چلے
 ان کا گل شعر ہے۔ مگر گلشن سے مراد اپنا ملک
 ہے جس کا کاروبار شاعر کے مسائل کی فراہمی کے
 سبب نہیں چل رہا۔ کیونکہ وہ یاد کر رہا ہے۔ اب چلے
 بھی آؤ کہ ہمارا کاروبار چلے۔ بارو ہمارے مراد بارو
 مثال ہے۔

تو کہ چکریہ غزل لکھتی تھی کہ کسی نے میں یہ طعنے
 ہمارا کیا۔ بہر حال شاعر اپنا طعن یہ بیان تو کر سکا۔ شعر
 میں بات میں آئے جاتے گئے جا سکتے ہیں۔ نہ آنے
 جاتے "خیلے حوالے" تو انہیں بہت ملے۔

ان ماہانے انہوں کے انھوں تھیں پر بار بار
 لازم بھی لگا کہ وہ دہائی پرست نہیں اسے دہائی سے
 محبت تھیں۔ اس نے 1965ء کی جنگ میں بڑے نہیں
 کہا۔ INSPIRE میں "ہوائی" کی تکرار کوئی
 پابندی تو نہیں۔ یہ کہتے ہوئے یہ لوگ بھول جاتے ہیں
 کہ شاعر پابندی میں نہیں بکڑے جاسکتے مگر وہ
 یہ کہ تھیں کے دفتر شاعر کو کھد دہائی سے شکار ہیں۔

دوار ہر تری جھٹلیں انہوں پہ سلام
 مرے دہائی ترے دہائی ہر تری ٹہر
 ہم نکل تھیں تیرا بھی گھر ہر مرد خیمہ سج دہائی
 یادوں سے مٹا رہی ہے انھوں سے جلد جاتی ہے

شرعاً فرقہ، شرعاً لب مٹھتے کریں
 غربت کو سے شہر کسی سے تری مٹھتے کریں

ہر منزل غربت پہ گلن ہوتا ہے مگر کا
 بولتا ہے ہر گام بہت دہائی نے

چلا ہے اسی رنگ سے لپٹائے دہائی کو
 قہر ہے اسی طور سے دل اس کی گئی میں

اور قافے ہی صلیت کے، انہر خاندانہ ہر دہائی سے
 لہاں شہنشاہ کمال شہنشاہ سیرۂ کبر دہائی سے پہلے

کیا خیال ہے آپ کا۔ کیا ان شعرا میں تھیں کا
 اپنا تجربہ نہیں دہائی۔

مرے دل مرے سفر
 ہوا میر سے غم صاف
 کہ دہائی ہر دہائی ہم تم
 دہائی گئی گئی صدائیں
 کہی زنگ مگر مگر کا
 کہ شرافت کوئی پائیں
 کشا یاد ہمارے کا

یہ شعر میں کی مثال سب دہائی چاہتا ہوں شہنشاہ
 اسی وقت کہا جاسکتا ہے جب تک میں جمہوریت
 نہ ہو سکتی ہو۔

دہائی میں تری گلیوں کے اسے دہائی کے جہاں
 چلی ہے دم کہ کوئی نہ سنا تھا کے چلے
 دہائی کا شعر ہے۔

ہم تھے ہوئے زمانے کے
 کام لیا تھا دیا ٹوٹے
 دہائی کو کون دیکھ دلا تھا

اسے خدا جو دیا دیا ٹوٹے
 اسی مضمون میں تھیں نے ہر شعر کا اس میں
 جانب کی ہیں۔ مگر وقت گزرتا گیا دہائی دہائی اور
 محبوب گئی۔

کبھی کہہ ہے تیرا دیا ہوا
 کبھی راجہ کبھی کبھیں

کبھی سمجھیں کبھی دہائی
 کبھی دہائی کبھی قہر میں

آپ نے دیکھا دہائی کی کی تھیں دہائی
 صدائیں میں شاعر کو دہائی کے کرنے کی آزادی
 چاہتا ہے اور اس کی تھیں میں انہوں نے آپ کا اعتبار
 دہائی کے ساتھ کرتا ہے جو اسے خیال کو بگاڑتا اور
 فکر کو طاع صلیت سے مراد کرتی ہے۔ ان کے
 کلام میں جو اسلامی تصویریں ابھرتی ہیں وہ اپنا
 دہائی انھوں کے صلی راجب سے پائی ہیں۔ ان کی
 شاعر میں کی دہائی کی تھیں دہائی۔

دہائی دہائی دہائی شاعر میں کا ہم تھیں
 تھا۔ دہائی دہائی بہت نکلا اور بہت سرفروشی چاہتا ہے
 اور دہائی دہائی کے خیلے ہوائی اور بہت ہی دہائی
 بھلا دہائی دہائی میں لکھا جاتا ہے۔ اس کی غزل کی
 شیریں اور لطافت اور تک میں ہیں گزرتے کیے
 ہوائی ہے کہیں یا اس کا حق تھا دہائی دہائی تھا۔
 شعر کے دہائی میں گزرتا دہائی سے گزرتا میں لکھ
 تھا۔ دہائی کی حاصل ہوتا ہے انھوں نے جو شعر میں لکھا

یہ داروغہ داروغہ ایسا، یہ شب گزردہ سر
 وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سر تو نہیں
 اس قلم کو بہت اچھا لگتا "بہت شرمیہ گھر اس
 کے ہونٹوں پر وہی ایک قسم کا مہم، بچہ وہ لوگ تھے جن
 کو اپنے شعروں میں فطرت میں خطاب کرتے
 ہوئی ہے صحت و صحت کے لٹکے جس شب
 وہ شب ضرور سر کو اسے یاد گزری ہے
 کبھی کبھی شاعر پر ایسی ہمدرد کیفیت لگتی تو
 طاری ہوتی ہے کہ وہ اپنے چہرے کے دیوانہ لڑکی کے
 قلم مضمون کا اسے حرم کا دیکھ رہا ہے۔ اس
 کیفیت میں شاعر کی مسک کا وہ دہائی ہو یا صوفی
 جس طرح ہی ہو یا صوفی۔ ایک ایک جگہ اب اس نے
 کسمپاشی سے کہ اس کی کاپی الیہ وہاں کو کرانے
 لگی ہے شب کا شعر ہے۔
 دل بھر غلوں کو اسے صحت کو جانے ہے
 چہرہ کا مضمون کھو وہاں کیے ہوئے
 کو اسے ایک ہی اور صحت کا مضمون شیخ
 سحرانی سے ہیں یا غلوں۔

اور اسے ایک ہی مارا گزردہ وہ
 کہ تو کبھی پندری تیر کی نقار
 فطرت اور صحت کا شاعر کیلئے کہنے صحت
 کی طرف کس انداز سے جاتا ہے۔ مگر کوئے صحت کو
 تو فطرت اپنی شادی کے شادی ہی نہیں سمجھتا۔ اس کی
 جو فطرت انوں تو بازار صحت کی فطرت ہے۔ اس کا

ایک "تو صبر بازاری قسم" والا ہے۔ کہتا ہے

شیرم نم، پہا پہا شہر پہا کافی فطرت
 جہت مطلق پہنچا، کافی فطرت
 آج بازار میں پانچواں پہا
 دست پہاں پہا دست و دھن پہا
 خاک بر سر پہا فطرت پہاں پہا

وہ نکلتا ہے سب شہر جاہیں پہا
 حاکم شہر لگی، شیع عام بھی
 میں فطرت کے اس قدر ذاتی اور ضرورتاً فطرتی
 شعر پر جس میں ایک خاصہ حقیقت یہ ہے حاکمی کا
 طور پر شعور ذاتی فطرت کرنا چاہا ہوں گا۔

ہوں میں چلتی ہی گزری یاد گزری ہے

اگرچہ دل پہ خرابی ہزار گزری ہے

اس مقام پر یہ بات کہی یاد ضروری معلوم
 ہوتی ہے کہ پاکستان کی صورت میں فطرت کی فطرتی صحت
 رہی۔ تاکہ لوگ اس صحت سے کہ وہ بھی
 INTELLECTUAL کہنا نہیں۔ فطرت کا کہ

شہر میں حال بات۔ گویا ایک طرح سے
 INDIRECT خاصہ فطرت کا کہ اس فطرتی

ہیں صحت کو یاد نہ ہو گی آدمی کے کام کے۔ اور
 پرانے کے مہمانوں کو فطرت کے مہمانوں کے کہ

صحت کی یاد کہ فطرت کے لیے ہیں صحت سرور پہا

بعض فطرتی طرح کے بھی ہوئے وہ دوسرے فطرت

کے لیے اس کی فطرتی فطرت میں ہیں ایک کہ

دیکھ کر اس فطرتی فطرت سے صحت جانتا ہے اور اس
 فطرتی فطرتی فطرتی فطرتی فطرتی فطرتی

اصطلاحات کی جو ہے فطرتی فطرتی فطرتی فطرتی

جہت ہے۔ اس کو ہیں جانتے ہیں وہ دوسرے کہ فطرتی
 جانتا وہ دوسری فطرتی سے ہیں جانتے ہیں ایک مہمان

جہت ہے۔ دل کا پہلا وہاں جانتا وہ دوسری فطرتی

جہت کے لیے اس کو سمجھنا وہاں کی فطرتی فطرتی

وہی زبان میں فطرتی ہوئے کی اپنے فطرتی ہے۔ ہر
 فطرتی فطرتی فطرتی فطرتی فطرتی

وہاں وہاں کے صحت کو کہ فطرتی فطرتی

فطرتی فطرتی فطرتی فطرتی فطرتی

جانتے ہیں آدمی ایک جہت فطرتی فطرتی

اب صحتی فطرتی ہے۔ ہر فطرتی فطرتی

رہے ہیں جس کو اب جانتے ہے فطرتی فطرتی

ہوں کہ فطرتی فطرتی سے صحت کا فطرتی فطرتی

وہاں وہاں کے ایک صحتی فطرتی فطرتی

ہوں وہاں کا صحتی فطرتی فطرتی

جانتے صحتی فطرتی فطرتی فطرتی

بہت جہت فطرتی ہے۔ فطرتی فطرتی

کے صحتی فطرتی فطرتی فطرتی

دل سے بہت صحتی فطرتی فطرتی

یہ فطرتی فطرتی فطرتی فطرتی

فطرتی فطرتی فطرتی فطرتی

صحتی فطرتی فطرتی فطرتی

وہاں وہاں کے فطرتی فطرتی

فطرتی فطرتی فطرتی فطرتی

ہم صحتی فطرتی سے مخصوص کہ دل و صحت کام لیتے ہو
 جو صحتی فطرتی سے ہم نے ہمراہ صحتی فطرتی سے
 صحتی فطرتی سے صحتی فطرتی سے صحتی فطرتی سے
 صحتی فطرتی سے صحتی فطرتی سے صحتی فطرتی سے

ذکر فیض احمد فیض

فیض احمد فیض کا زمانہ اردو شاعری کے موضوعاتی دور کا زمانہ تھا۔ اور اس میں نظم کا اسلوب رام راستہ طرز کا ہم تھا۔ موضوع کے اعتبار سے نظم کے لحاظ پر کوئی تقسیم زمانہ ہوا تھا۔ تاہم 1990 کے بعد نظم اسلوبیاتی طور پر تجرباتی طرز اختیار سے متاثر ہوئی۔ موضوع کا اسلوب معاشرہ طرز حکومت کو آباو اپنی نگاہ منکور انسان کا جواز اور صورتحال بھی تاہم اسلوب کے طور پر نظم نے الگ الگ جگہ اختیار کئے جن کو تفصیلی تبیین خالصتہً انتہائی تیز اور دیگر شعرائی کہلوں میں پیچھا چا سکتا ہے۔

یہ ایک عجیب زمانہ تھا جس کی بچان اور ادب کے اہل فکر کے لئے ضروری ہو چکی ہے کیونکہ جب تک حالی سیاست میں پورا ہے کہ گو قصہ سے وہ چادر ہی حالات کا جائزہ زیادہ تر جیلانی اور مستقیم راہ اور ادب و شاعری کو سیاست کے حوالے سے دیکھنے کی روش زیادہ لپٹا لپٹا دی۔ 1990ء کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے عید اللہ ملک نے فرما دیا کہ محض کا خاص طور پر ذکر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ اس سفر سے کے دور ان سفر کی پہلے کے کہ بیوں نے آئندہ سے ڈیڑی صدائے میں بزرگ میں مشفقہ دیکھائی کا غرض میں ان رہائشوں کے خلاف حوالہ آرائی کے لئے سامنے جا کر حکومت دہلی بھی جہاں سلطنت کا سرکارانہ امر رہا تھا انجمن میں جہاں فرار کے خلاف سولہ بدست سے جہاں قلمی لڑائی میں سلطان رنگ کے بعد اسطور

جاسی عروج پر تھے آئنی میں سونگی لہو چلازم کے پردے میں تھم اردن جاوہ جلال کو ایک مصری صورتہ بچے کا خود کشند تھا صرف دس ہجرت ملک تھا جہاں انسان آواز تھا اور مستحق کے اچھے خوش کی صورت گری کا مستحق تھا۔

اس زمانے میں شرقی روپ کا ایک بنا تھا بھی معرض وجود میں آ رہا تھا۔ آئندہ شکر بھی لپٹا زور سہلت جاتی کے لڑنے سے سچا رنگ ظاہر ہونے کو تھے۔ آخر لپٹا کا ذہنی قیاد پر محسوس تھیں کہ ڈر ہے آؤں فری روپنگ اور پیل آؤں لپٹا میں جھیم کر دیا گیا تھا۔ طریقہ سہاوی اور تھلی خوابوں کا ایک سلسلہ تھا جواز جہاں کی سرخوشی کا سبب بن رہا تھا۔ اقبال کا غلبہ ان آبادگی اس سرخوشی کا ایک اسلوب تھا جس میں نظر تھا۔ جس کی چاپ برصغیر میں سنائی دے گی تھی۔ یہ زمانہ فیض احمد فیض کے لڑکپن اور جوانی کا زمانہ بھی تھا اور ایم اے لکھنا کا سفر کے زمانے کا زمانہ بھی جن سے فیض لکھی طور پر متاثر ہوئے تھے ایک ہفتہ جو قاضی ذکر ہے کہ جواز میں اس حالی مکتوبات میں گزرتا تھا اس کی خصوصیت بدل جاتی تھی۔ وہ دانشور کا رہا تھا کہ جاتا تھا اور ادب و شاعری اس کے نزدیک کاہل آئے کے طور پر بدست کار آتے تھے۔ خواب کی اولیت بھر ایک قلمی اور شاعری (ادب) کی اہمیت کا قلمی ہوتی تھی۔ شاید اسی لئے میں نے اپنی کئی قلمی میں فیض کو شاعر کے بجائے دانشور کہا ہے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ صدر میں کے قائم کردہ اس سے (سہلت جاتی) (آستوری لپٹا زور) جہاں حالی مکتوبات میں سیاست زمانہ ہوئی وہیں انہوں کے ذہنی خواب سے آباد ہوئے اور وہ خواب کے سفر میں گئے۔ فیض بھی خواب ہی کا ایک سلسلہ تھا۔ اور یہ بات اہم ہے کہ اسے نئے طور پر زور دیتے داتے ہوئے بھی اسے کیونکہ "روز اور اور بھی خالی کاس کا لبرل فرد کہا گیا ہے۔ اور اس کی سے کئی کو نشان کیا گیا ہے کیونکہ جگہ جگہ اس زمانے میں زمانہ ہوئی تھی اسے قلمی لڑائی میں بہت کم دیکھا گیا تھا۔ بہت کم ادیب خواب کے مسائل جتنے ہیں۔ عوام واقعات کے واقعہ نگاری کی ادیب فائدہ مند کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے فیض اپنے معاصرین سے الگ اور مختلف ہے۔

اس حالی دنیائے سرخوشی کے لڑاڑ موضوعاتی نظم نے واقعہاتی صورت اختیار کی تھی آرائی کا وہ زمانہ اعتبار سے لکھتی ہوئی تفصیلی تبیین جتنے دے اور فطرت خدایہ کی رہاں اختیار کی۔ واقعہاتی قلمی دور اپنے کو چھ غرض میں بدلا۔ تاہم موضوعاتی نظم جتنے سے کی واقعہاتی صورت ہی میں گزرتی رہی۔ اور تاہم اس نے واقعے کے تفصیلی ہی کا نظر اور اور اور علم قلم کو کرتے رہے جس کو ہم سب جانتے ہیں۔ احمد تقی کا قلمی علم مرکز لڑائی احادیث کا خصوصیت کرتی رہی اور اسے طرز اس سے کے تحت اس کے تھلی اور دہلی داتے

کی نگہداشت کا شعری۔ یہ صورتِ فطرت اور نظم کا کسی کو ایک لنگہ بنانا میں منجم کرتی ہے۔ جسے اس نے اپنی طرزِ نظم "کامیاب دیا" میں ہی لے لیا۔ فطرت کو نظم کے ہزاروں کی شکل میں شامل کیا ہے کیونکہ اس کا شعر خواب کے مسافروں میں طائر اور مچھلی ڈالنے میں انسانی دل کی سماجی کا طائر و مچھلی تھا۔ دل و صورت کی سماجی فطرت کا عالمی انسانی استعارہ ہے۔ وہ صورت کی فطرت کی صورت کی خاصیت کرتا ہے۔

شعری لہجہ کے لہجوں پر کیفیتِ ریاضی گزرنے کا رعب و رعب اثر ہوا تھا اس گزرنے نے احمد سے قلم اور فکر کو تسلسل کا اس گزرنے کی تعمیر خواب میں سرخوشی و حال کر دیا تھا۔ اس کیفیت کو اس زمانے میں صرف فطرت نے قبول کرتے ہوئے (ایک شاعر کے طور پر) اپنا دیا۔ دنیا کے دیگر لہجوں نے زمانے کی آپ وہاں کے مطابق اپنی آراء دیکھ کر فطرت کے خواب کو اپنے فطرتی دے کے طور پر اپنا نہ رکھا۔ یہ دیکھ کر فطرت کو لگے میں وہ دنیا ہے۔ اور پھر فطرت کی لہجہ جانی ہی میں اصلی کی ایک

قدیم دیا جائے پانچ سو سالہ کو دور سے سماج کو خود میں آئے۔ افریقہ، مشرق وسطیٰ اور برصغیر پر جولانی ایشیا کے سماج کو لگے کا سواں ہے۔ فطرت نے اس دیا کے لئے خواب کو سماجیت رکھا اور خواب کے مسافر کے طور پر ان میں گزر گیا۔ ان کے خواب کو نظم کیا اور ان کے دلوں کے لئے خواب کی پائیز کی وہ نظم رکھے گی کی اس میں سوتھ پر ایک عجیبہ و غریب سوال بھی ہے

آپ پوچھیں گے کہ جو باتیں میں کہہ رہا ہوں کیا فطرت نے ان کا کہنا ذکر کیا ہے؟

میرا جواب یہ ہے کہ آپ دیکھیں کیا یہ باتیں اس کے تمام ہزاروں کی وضاحت کرتی ہیں۔ اگر کیا ہے تو ان باتوں کی فطرت کے حوالے سے جان کیا جا سکتا ہے۔ فطرت اپنے عہد کی لچل سا چالوئی کا پاسدار

ہے

فطرت نے اپنے ہارے میں بیٹھ کر کہا کہ وہ شاعر ہے۔ اور شاعر کوئی ہے اس کا اس نے بہت کم جواب دیا ہے۔ شاعر اس لئے کہ شاعر اور ان تمام اور لکھوں کے خواب کو فراموش ہونے لگے۔ دنیا، خوابوں کا سماجیت رکھنا شاعر کا فرض ہے۔ ان کی تعمیر کے راستے میں جانیں دشواریوں کو دور کرنا اس سیاست کا کام ہے۔ اور اسے اسے ادب ہے جس کی فطرت مزید دیتی ہے کہ وہ خواب دیکھے پھر اسے سیاست کا ریل اختیار کرتے رہے ہیں۔ اس لئے فطرت اس سے ایک رہا اور ان کی نگہداشت کا دور و طویل کا پاسدار۔

فطرت کی شعری کا ایک لہجہ استعارہ "رعب" کا ہے۔ 1945ء میں اہل گوند لکھا ہے اور کے عہد اس رعب پر فطرت کے فطرت نے رعب کو ایک لہجہ میں دیا ہے۔ اور وہ اس استعارہ کے شعری شاعر سے منسوب کرتے تھے۔ یہ ان اس کو یہی رعب کا عہد بھی دیا گیا۔ فطرت کا آواز بھی ہے۔ اور فطرت کو ان اس کی فطرت کے حوالے سے دیکھا جائے (معلوم حکام اس کو اس کی صورت کی دیا) کے عہد کی فطرت پر راجھی اس فطرت کا ایک ہی قول تھا۔ تمام آزادی کے بعد ظاہر ہونے والی دنیا میں جو لوگ اقتدار کے فساد ہونے اور رعب کو لے اور فطرت نے ان کی یاد دہانی کے لئے کہا۔

"ہم چہ طغی کر ہیں اسماں لم اھلے کے" لکھا یاد دہانی اس لئے بھی ضروری تھی کہ وہ فطرت جس سے ان کا بھی فطرت کا خواب ہی کی مسافر تھے۔ اور خواب کی تعمیر پر فطرت تھی۔ تمام فطرت کا یہ استعارہ جاتی انشاء کے لئے مخصوص تھا۔ فطرت نے فطرت کے باہر شعری دنیا میں اس استعارہ کے کوئی لکھا نہیں کیا۔

کہا ہے کہ فطرت کی شعری میں کوئی نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ فطرت نے کوئی سے کہا

گزشتہ پالی کی ہے اور یہ امر کچھ مشکل تھا۔ خواب کے مسافروں کی دشواریوں سے شعری کی شعری کی کوئی حاصل کرتی ہے اس پر فطرت کی کیا خواب کو سماجیت رکھنے والے شاعر ہیں اس پر فطرت کی کوئی حاصل نہیں کرتے۔ یہاں کرتے ہوئے وہ خوابوں سے بے دہانی کرتے ہیں۔ شاعر ہی کے فطرت نے برصغیر کی سیاست کو اپنے موضوع نہیں بنایا اس نے خواب کی سماجی ہی کو قائم رکھتے ہوئے دل کو زندہ رکھنے کی سعی کی کہ اسے اور فطرت کے کہیں دل ہی پائی نہ رہے۔

برہنہ شاعر خواب کا سفر ہے فطرتی دنیا کے استعارہ کو قبول کرتا ہے اور ہی دنیا کی فطرت کے زمانے میں بہت کم ظہور میں آتی ہے۔ اس ضمن میں ایک دفعہ میں نے فطرت سے پوچھا کہ انتخاب کب آئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ انتخاب کب نہیں ہیں؟ ان کی آزادی کی جاتی ہے اور خواب کے عہد کوئی بھی آزادی اور ان کی پالی اس تمام پر نہیں پائی ایک کی کوئی بات یہ فطرتی لکھا ہوا ہے۔ وہ میں نے ان سے پوچھا کہ 1949ء کے بعد دیا کا سب سے بڑا واقعہ کون سا ہے؟ ان کا جواب تھا "انتخاب" یہاں۔ فطرت کی رائے تھی کہ جب خواب کی قوم کی سوچ کا آواز دینا ہے تو اس سے انتخاب کے آواز نے دیکھیں بیٹھتے ہیں۔ اور ان کے لکھنے کی امید پیدا ہوتی ہے۔ انتخاب "فطرتی ہوتے ہیں جو یہی نہیں ہوتے۔ اس لئے انتخاب فراموش کے بعد ایک ہی واقعہ ہم سے جو نام فطرت کے انتخاب یہاں کا ہے۔ کیونکہ اس کے چھپے خواب ہے انہوں کی سوچ ہے" تاریخ کے بعد ایک مشکل ہے جسے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ فطرت کی یہ رائے اس لئے خیال انگیز ہے کہ انتخاب فراموش کے بعد اس کے لئے زمانہ کوئی دیا کا زمانہ بنایا ہے۔ اور جو خواب کو ہم میں اور ان کے

نئے شاعر..... فیض احمد فیض

بھلا کون قسم کی ہوتی ہے وہی ہے اور نکلے ہوئے ہماروں پر ابھی جان پائی ہے اور وہ خوب ملتا ہے۔ مجھ کا شعر جذبہ ایک دم کم ہو جاتا ہے اور خاک میں گھڑے ہوئے اور غلوں میں گھلائے ہوئے ہسون کے خیال سے وہ کاپ جاتا ہے اور گھڑی دیر کے لئے دوسری کی گھٹی داخل بھول جاتا ہے اور ڈالے کے انکار وہ کاپیت پر ترجیح دیتے لگتا ہے اور ڈالے کی راحت کو اس کی راحت سے زیادہ پسند کرنے لگتا ہے۔ کاپ کے پھلے اور غم کے بدلے میں "دیا کے غم" ناقواں کے ذوالوں پر چھپنے ہوئے صلابت کو ہر قوسے ہوئے چاروں طرف مٹا دے ہیں اس کی نظروں کے سامنے آجاتے ہیں۔ شاہزادوں پر غریبوں کا ہیبتنا ہوا لباس کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے۔ جسم کی دایں پکاڑ والی کے سونے پر سرور دہر کی گھسی ہوئی اور پائی نساک سیماء اور دوقتی جھاتی دیکھ کر وہ کاپ اٹھاتا ہے اور ہر پانچوں دہائی کا شعر ادا کرتے ہوئے مضمون لڑیوں کو کمر لگی اور عبادت پر آواز مارنے کی کوشش کرتا ہے۔

بے فکرے امن دولت والے
ہو آؤ کیوں غزل ریتے ہیں
ان کا سحر آئیں میں آئیں
ہو بھی آؤ ہم جیسے ہی
اور اس دلیل و غوار کوئی ہی صحت کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ صحت غم سے لپکتا کا کل ڈال دیتا ہے۔

وہ زندگی سے گر چس خیر آتا ہے۔ وہ دنیا کے ہر اور سے اور ہر چیز کو بہت کے لطف کا وعدہ کرتا ہے اور دنیا کی ہر چیز پر عشق و محبت کے سینکڑوں انشائوں کو ترجیح دیتا ہے۔ اس اور میں اس کی بھوپ گھس خیلنے ہے جس کا شعور اس کے لئے ہلکی آگزی اور لڑ خیرا ہے۔ اس اور میں اس کی خاموشی اور تر رواج خاموشی ہے۔ لیکن اس رواج خاموشی میں بھی اس کی اغراض و بہت انگلی ہے۔ وہ مجھ سے کوشش شعرا کا باز قول کہے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ان تمام تاثرات و احساسات پر اس کا اپنا اغراضی تاثر غالب معلوم ہوتا ہے۔ اور خاموشی طور پر ایک جہاں غرضات خود خود اگل آتا ہے۔ اسی روش میں دیکھ کر میں فی رواج آباد کرتا ہے۔ اور اس کی رواج کو حقیقی رواج میں تحلیل کر دیتا ہے۔ پہلے وہ میں آؤی خدا معین و خیال سے سوری چن اب بھی سرور خفاں اچھا ہے کہ آج کی رات اور ایک دیکھ پر ابھی گھسیں ہیں۔

حقیقی کی خاموشی کا ہر اور اور ہے جس میں وہ زندگی کا کمالی مشاہدہ و تجربہ کہے ہوئے معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ رواجیت جو پہلے وہ میں لایا تھا ہر طرح ہوتی ہے۔ دوسرے اور میں قریب اور دہشتی میں پہلی پہلی معلوم ہوتی ہے۔ عشق اس اور میں بھی اس کی ذرا اور ہاتھ ہے۔ لیکن محبوب کے گھلا جتے پر سر رکھنے سے اس کی نظروں کثرت صوبوں کے

دوستی قتل کا شعری سرلیٹ بہت گھڑا ہے لیکن جتنا کہ وہ دہائی جب اس قدر خاموش اور دہائی ہے کہ بہت سے ہم صبر شعراء کا خیمہ شعری سرلیٹ اس کے سامنے تنگ اور کم تر معلوم ہونے لگتا ہے۔ حقیقی کی اس بھولتی اور استغناء ناپس وادب کہ ہے اور دوسروں کے یہاں تا ہے اور وادب کہ بھی ہے اور دوسروں کے یہاں نہیں ملتا۔

حقیقی کی خاموشی کو ہم اور اس میں ختم کر سکتے ہیں۔ بہت اور وہ ہے جس میں اس نے زندگی نہیں اور حقیقی شعراء کہے۔ اس اور کو ہم "روانی اور" کہہ سکتے ہیں۔ اس اور میں حقیقی نے زیادہ تر گھٹی دہائیں دن گزارے۔ عشق کی گاہا کی آغوش کی ذرا گھڑا کی طرح آہوں کی یہ پٹی اور کام نگاہوں سے اور چار ہزار حسیہ کے پہلے ہونے مسعود و شہابی اور میں آنکھوں کے سہارے زندگی کے دن گزارے۔ اس اور کی خاموشی میں ہر دہائی اس کا نوعیت زیادہ انگلی ہے وادب غم اٹھانے کی کاپ گھسی رکھنے والے سرور صلابت ملا جلت ہوتا ہے خاطر بے تاب کا خیر خیر سے باہر ہو جاتا ہے غم خواب سے لبریز اس میں آنکھیں مسند زراعی پر پٹان آگزی اور لڑ خیرا اور چھپا گداور جسم سرخ ہواڑوں پر جسم کی لمبا کی صحن محبوب میں پٹاں پٹریاں غم خواب بیا خیر زراعی حرکت کی عبادت اور گھسی دہائی اس کے لئے بھائی دنیا سے زیادہ قابل اہمیت اور دہائی ہاں۔ اس اور میں

م لے گا، بگ کڑی ہے
سر بھٹکے، لٹن ہے گا
خون میں تم بھی بہ جائی گے
م نہ رہی تم بھی نہ رہے گا

یہ اور اس کی شاعری کا بہترین دور ہے۔ تمام مشہور شخصیات پر اس کی شہرت کا زیادہ اثر دیا ہے۔ اس کی اور کئی بڑی ادارہ جی۔ جی سے نکلی کی صحت بھری محبوب نہانگ، سوچا، ترقیب سے چند روز اور بھری چائے، کچھ اور مونیہ، غنی وغیرہ اس کی بھرپور تصویریں بنی ہیں۔

فعلی کی شاعری کی سب سے اہم اور نمایاں خصوصیات اس کے خیالات کی سنجیدگی، شخصیت کا حوازن ہیں۔ ادنیٰ ضرورت اور شعری احتیاج ہے۔ وہ واقعہ سے شدت کے ساتھ ضرورتاً ہوتا ہے اور اسے دل کی گواہیوں میں گویاں حاضر و محسوس کرتا ہے۔ اس واقعہ سے اس کے مابین ضرورتاً کچھ اور بھی متعلق ہوتے ہیں لیکن جب اسے شعرا کا ہمارا پرانا ہوتا ہے اس شدت جذبہ میں کچھ اس ترانہ استہجاء کے لیے میں دیا ہوا ہیں پیدا ہو جاتا ہے اور وہ جھنجھلاہٹ اور دھڑکن سے مالا مال اور گریبان کے تار میں محسوس ہوتی نہیں رہتا۔ اس کی شاعری میں کچھ پیدا ہوتا ہے۔ وہ ہر حقیقت کو پارک پر ہواں سے بھاگتا ہے اس وقت اس کی توجہ پر عمل ضرور ہوتے ہی لگن ہواں پر مصوری کی بھی دکھائی دیتی ہے۔ وہ زندگی کے قصے، حقائق پر شاعری کا ایسا آئینہ ہے کہ وہ اس سے واقف کی شخصیت ایک حد تک کم ہو جاتی ہے۔ لیکن شعریہ، کشش اور جاذبیت میں ڈاک اضافہ ہو جاتا ہے اور اس کے اعتبار رنگین تصویر کی طرح نال اور نال کے جزوہ نما میں دھڑکن سے دھڑکنے لگتے ہیں۔ فعلی اپنے شاعرانہ اسانات کا دم اور ہلکا کر کے شعر کا لطف ہمارے

پہنچا ہے اس لیے اس کی شاعری کی آواز ہم سر ملی اور اپنی اپنی ہوتی ہے۔ وہ قاری کے ذہن کو کچھ اس کی طرح چھٹکا ہے لیکن سوائے کچھ نہ جتا۔ ڈھنڈے والے پر ایک قسم کی بیدار نیم کوئی شاعری دیتی ہے۔ وہ قاری کو شاعرانہ رنگین اور حقیقت کی جھلک بھلی بھلیوں میں گم کر کے بکھوڑ دیتا ہے۔ پرانہ گرد ہے اس کی شاعری پر اور راست جذبات سے انکلی نہیں کرتی بلکہ آہستہ آہستہ دل و دماغ میں بچا کر کرتی ہے۔ وہ قاری کے ذہن کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے اور خاص طور پر زور دیتی ہے۔ اس کی شاعری ایک ایسے پور کی طرح ہے کہ وہ بات کی صحت افزہ ہوتا ہے اس میں اور وہ اپنے پیٹھے ہلے ٹوٹا کر کچھ کو ایک گوشہ کا ٹکڑا دل کر مکان میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کی دماغ اس کی شاعری میں لگیں اور کہ قاری کی دماغ میں صراحت کہ جاتی ہے یہی اس کی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے وہی نقطہ نظر سے کہتا ہے اور جو کچھ محسوس کرتا ہے وہی نقطہ نظر پر ہی ہوتا ہے۔ خود فعلی، فعلی کی وہ خصوصیت ہے کہ جو اسے ترقی پسند شاعری میں ایک ممتاز درجہ داتی ہے۔ اپنی اپنی کے باعث بہت سے ترقی پسند شعراء اپنا شعری سرمایہ تحقیق و تکرر کے بلکہ فعلی اپنے پستی سے گرد کر کے روچ کر استعمال میں سونپنے کا مدعی ہے۔

فعلی کی خاص مرکزی خیال کا شاعر نہیں۔ وہ کسی پیغام یا فلسفہ کا پیغام میں بہرہ نہیں دہرا۔ اس کا خیال یا احساس انفرادی احساس میں شیرازہ و کرم شعری مناسبت کا ہمارا پرانا ہے۔ اس کی شخصیت سوانحی کے خاکے میں دھم خور آتی ہے۔ اس کی شاعری اس کی شخصیت ہے اور اس کی شخصیت سادہ سادہ کا خاکہ، بچا ہوا ہے کہ کم اسے زندگی کا خاص کچھ پرانہ ہیں اور اس فردیت کو کچھ کے لیے ہاں بھول جاتے ہیں جو اس کے دماغ کی

فعلیوں میں خصوصاً درد و غم کی فہم میں نہیں نہیں پائی جاتی ہے۔ جس خیال اور احساس کو وہ ایک مرتبہ شعر کے لطف پہلوں سے دکھاتا ہے وہی خیال کے ہاں کھلا ہوا، بڑا، دھڑکنے والی، اس کے گوشہ خیال کی ترقی کر دیتا ہے۔ فعلی کمال وقت کا شاعر نہیں وہ سادہ کو انسانیہ کی جھلکی اور جواز بھری پر پہنچا جاتا ہے۔ اسے تمام غم کے بڑے حصے اور دھڑکنے والی قیلول اور بھلاہٹ طعنت سے نشان کو کھاتے والا چاہتا ہے کہ اس کی سحر سے طبع میں رسوں سے سحر بہہ رہے ہیں۔

غیم پر قہر ہے جذبات پر زلزلہ ہیں
طر محسوس ہے گفتار پر تصویریں ہیں
اپنی صحت ہے کہ ہم ہر گھنٹی جتنا جانتے ہیں
فعلی صحت ہے کہ ہواں سے صاحب کو دیکھا ہے
اور اس صاحب کے ذرا بھول کی ہے سو روپ اور غم
کی ہواں بچا کر دکھ کرنا چاہتا ہے کہ کچھ
اپنے اجداد کی میراث میں منظور ہیں ہم
مگر

اور کچھ ہم حق سہ ہیں، جو پ لیں، وہ نہیں
چند روز اور مری جان کا نقشہ چند روز
جس نے اس کی تکرار فعلی نے اپنی عظیم، غم
کچھ سے نکلی کی صحت بھری محبوب نہانگ، غم کی
ہے ہر محبوب کے صحت کی دکھائی اور فعلی کی راستہ پر
دھنڈے کے دکھانے کا ڈھنگ ہے کہ اسے حتیٰ کہ ہواں میں
نہا کر کیا ہے۔

اب بھی دھنڈے ہے خاص کر کیا کیے
اور بھی دکھ ہیں زمانے میں صحت کے سا
راگین اور بھی ہیں، وصل کی راستہ کے سا
جھ سے نکلی کی صحت بھری محبوب نہانگ
اور چھوٹاتے کے لیے محبوب کے بچے ہواں
بھلی صحت اور گھر دیکھنے، غم کو ہاں بھول گیا ہے۔

اور تاریکی کاغذ ہے۔ اس طرح فیض بھی اشراقی شاعر ہے۔ یہ جان کرتی ہندو شاعری میں یا شعری بہت عام ہے۔ جلی جواز نہی کی شاعری کا مجموعہ ہندو شاعری کی نوع کی شاعری ہے۔

ایسا بھی لڑتے آتے ہیں ایسا بھی تڑتے آتے گا مقفودہ کا یہ جاننے کے جو علم و دم کے غور ہیں انھیں چاہئے کہ ان کو تڑتوں کے پور ہیں حوروں سے کی ہے صبریں سے ہوا یا ان میں جاری بہت ہونے کی ہے نصیحت، شائستگی، مہربانی داری ایسا بھی تڑتے آتے ہیں ایسا بھی تڑتے آتے گا اور فیض حوروں کی حمایت میں کرتا ہے۔

تا قیاموں کے تڑتوں پہ پھٹتے ہیں انتخاب ہارتے ہوئے تڑتے آتے ہوئے آتے ہیں جب بھی بکنا ہے ہزاروں حوروں کا گوشت شہزادوں پہ فریب کا کلو بہتا ہے یا کوئی تو خدا کو خدا صاحب لے گا مستان کو لوٹنے کے لئے کہتا ہے۔

آگ کی جھڑپوں سے آگ کے جتنی ہے نہ چھ اپنے دل پہ لگے تڑتے ہی نہیں دیتا ہے دہوں شاعر مہربانی داری کی طاقت اور حوروں کی موافقت کے لئے آواز بکھرتے ہیں مگر دہوں کا لہجہ دہوں کا اسلوب دہوں کا طریقہ انھارا کس قدر مختلف ہے۔ آج کل انتخاب کے اصل مسئلہ یہی ہیں کہ حوروں کی موافقت کی جائے سن کے لئے اپنی تمام شاعری کو وقف کر دیا جائے۔ ضروری نہیں کہ وہ خیالات کلی ہمارے ہیں۔ محرم کی اندیشہ کی شاعری میں بھی بہت ہے مگر احم کی جھلکیں صوفیہ ہیں۔ جس سے اس کی شاعری میں وزن اور الفاظ صحت پیدا ہو گئی ہے۔ وہ بہت مستور ماحم کا اشراقی شاعر ہے اور اس لئے انھیں بھی۔ جی سرور، غفری کی شاعری تو محض اشراقیت ہے۔ وہ

اشراقیت کے علاوہ کئی دوسرے موضوع پر سوچنا چاہا اور مصلحت وقت کے مطابق شعور بھی نہیں کرنا۔ اب بکواس کی شاعری کا وہاں مشق ہندو دہوں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ دیکھئے اس کے بعد وہ کوسر دہوں ہوتا ہے اس کی نظم "مورہ لڑائیاں" کا مطالعہ ہم فیض کی نظم "تخت" سے کر سکتے ہیں۔ چنگیز بدست سے آباد ہونے کے بعد انسان اچھا یا سوچتے ہیں نہیں بھل جاتا اس لئے اچھا پسندی اور قبول و شہریت کی کمی کا احساس ہمیں جی سرور، غفری کی شاعری میں اسلئے ہونے لگا ہے۔

مذہب ہر مذہب ہے، بدعت ہر بدعت ہے، خدا ہر خدا ہے، ہر حال وہ اشراقی شاعری میں ایک کامیاب شاعر ہے۔ اس کی شاعری کا رنگ بکلیا ہوا دیتی ہے۔ فیض حوروں کی ضرورت حمایت کرتا ہے نہ موضوع وقت کی تبدیلی سے ضرور بدل جائے گا مگر فیض کی شاعری میں وہ وہی جھلکیں ہیں جو اسے ہندو دہوں کی شاعری کو کچھ بڑھ کر قرار دیکھیں گی۔ ہندو اشراقی شاعری کو بھی ایسے مانگیر لہجہ میں بیان کرتا ہے کہ اس کی شاعری اشراقی دھندلی ہوتے ہوئے بھی بڑی سوز و گداز ہوتی ہے۔ ساتھ ساتھ وہی بھی کامیاب انھیں اشراقی شاعر ہے جس میں اس کے جان میں بھی بعض ایسی کرشمیں صوفیہ ہیں جو اس کی شاعری میں جان والی کر اس کو چھوڑتی ہیں۔ وہ "تاج گل" کو بزم شادی تصور کر کے انھیں محبوب کو اس سے گرج کر سنے کی کھین کرتا ہے۔ اس لئے "تاج گل" ہر اصل میں "سفر اللہ" خیال کیا جاتا ہے اور جہاں رحمت کی تہ ہے اور سختی کو فراموش کر کے اس حشر سے کاپ جاتا ہے اور پتی بکوب سے کھینک اور ملنے لگا کرتا ہے۔ میری محبوب! میں پیدا، فقیر، دعا تو لے مصلحت کے نکالوں تو کو دیکھا ہوتا

مرد شہوں کے حشر سے بھٹکے دلی اپنے تاریک نکالوں کو تو دیکھتا ان گنت لوگوں نے دنیا میں بہت کی ہے کون کہتا ہے کہ صادق نہ تھے جذبہ ان کے لیکن ان کے لئے فقیر کا سامان نہیں کیونکہ وہ لوگ بھی اپنی ہی طرح مطلق تھے یہ عداوت و حشر یہ نصیب یہ عداوت مطلق انھیں شہنشاہوں کی خدمت کے ستون ہیں اور کے پاس ہیں کہنہ پاس جذبہ ہیں شہزادے سے ہندو دہوں کا خون میری محبوب! انھیں بھی تو بہت ہو گی جن کی صفائی لے جتنی ہے انھیں شکل جمل یہ بھی دار، یہ جتنا کا کاردار، یہ عمل یہ عقل و دہا، یہ غراب، یہ طاق ایک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر ہم فریبوں کی محبت کا اڑا لے غافل میری محبوب! لیکن اور مار کر بھ سے اس علم میں ساتھ لیکھ سے بہت نزدیک ہو گیا ہے اور اس جتنی موضوع میں اس نے وہ دہائی جھلکیں اور مانگیر شاعری سونپی ہے کہ علم کی شاعری پر ایک ذرا ہوا ہوا نہیں ہی گئی ہے۔ لیکن کی مجموعی شاعری کو ہم ان لوگوں کے سامنے نمونے کے طور پر پیش کر سکتے ہیں کہ جو اس بہت پر زور دیتے ہیں کہ شاعری صوفیہ رہنے کے بعد شاعری نہیں ہو سکتی۔ اصل میں شاعری بہت صوفیہ ہے جو دہائی انداز کو کافی انداز دے۔ اسے خود تم کا کی کی شاعری کا ایک حصہ اشراقی دھندلی کے ذریعے میں جاریا کیا جاسکتا ہے۔ اور نیم کا کی کی شاعری کی عظمت کا راز اس کا قبول اور شہریت ہے۔ قبول اور شہریت ہی ہے کہ جو دہائی باگیاں میں چاہو مگر کہ انھیں دانی دیتی ہے۔ جو تڑتے جان میں صاف کے لئے اندر سدا سدا سدا

مکمل و مستحکم ہو گئے اور ہمارے کاغذ پر حتیٰ کہ ہر
اس نثری میں وہ سماجی اور ادبی خیرات ہے کہ اس کی
شاعری جانے دل پر اثر کرنے کے واسطے ہرگز کم
ہے۔ ہمارے انکابی شاعری میں جو نئے نئے شاعر
ہوئے ان کے قریب ہیں۔ اس کی شاعری میں جذبات کا
بروز و حال اور ہر عصر میں وہاں نظر آتا ہے۔ ہمارے
اپنے دور کی شاعری کا گنج گاہ ہے۔ اس کا بیان تو
ایک دیکھ بھلی ہی کے سکول کا شمار ہے۔ اور ہم
راست اور واسطے بھلی کی شاعری سے حشر ہے لیکن
اس کا شمار اس کی علمی صلاحیت و افراطیت و ادبی
ہائے کے باعث ہی شاعری میں اس کے لئے ایک
دانش جگہ پیدا ہو گئی ہے۔ جو نئے نئے نثری اور ادبی
انتخاب لانے کی کوشش کی۔ مگر اس کی انکابی شاعری
تعلیمی انتہا پسندی ہے جس میں غلوں کا فقدان و کمزور
محسوس ہونے لگا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اب وہاں کو
توجہ و محنت کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ مگر ساتھ ساتھ
سب سے ضروری وجہ یہ کہتا ہے کہ وہاں کو ہرگز
سے غفلت کر کے انکابی ہدایتی ہلکے طرف رجوع
کرے۔ جو نئی شاعری نہیں۔ اور انکابی ضرور ہے۔
اس کے خلاف اب بھی انکابی ہیں مگر جہاں تک سنی
میں انکابی شاعری کا تعلق ہے وہ جو حق سے بے گناہ
جو حق میں ہیں تو خلاف ہر ہے کہ اس نے اپنی سنی
انکابی شاعری سے ایک ہیئت بنا کر اور انتخاب پسند
لو جہاں ضرور کا پیدا کر لیا۔ مگر جذبات غور کوئی
زیر سمجھ انکابی کا شمار پیدا کرے گا۔ اب وہ اس
کی شاعری میں واضح قسم کا زوال آچکا ہے اور ہمارے
گھر کی شاعری میں اس کے کتاب کے بعد آیا تھا۔
انکابی شاعری پیدا کرنے سے نئی انتخاب کے سنی
کھینا ضروری ہیں۔ اور نہ انتخاب بے مقصد ہو چکا
ہے۔ مگر ہم بھی جانتے ہیں کہ اب سے بہت زیادہ
قابل تھا۔ اور ہم اس کی نگاہوں میں انکابی شاعری کو

فہمیں ہلا گئے۔ وہ اسلوبِ سرکاری کا ایک
اکائی فراموش ہوا ہے۔

[illegible]

جدید شاعری کا چارہاؤ "انگریزی اور انگریزی
 زندگی سے مل کر گایا ہے۔ ایک طرف تو جدید
 شاعر خود سے منقطع کرتا ہے اور دوسری طرف شیوہ
 ہندی کے بیاں اعلیٰ "شعبی کیفیت" شاعری کی
 فخر حاصل اور ان کی کلی کیوں کی ایجاد اس سے متاثر ہوتا
 ہے، اس طرح شاعرانہ عناصر کے نام بدل دیتا ہے
 اس کی تصدیق اور ہر دلی۔ شاعری اور اعلیٰ دہوں
 شاعری، راجہ ہو جاتی ہیں۔ شاعری کی شاعری ایسے ہی
 ہر دلی اور اعلیٰ اعلیٰ کے احزاب سے بنی ہے۔ شاعری
 ہر دلی اور اعلیٰ شاعر کے ہر شاعر کی کلمات پر
 چمکتا ہے۔ اس کے کلام میں دھات کا احساس
 لگتی نہیں ہے۔

بغیر کی اکثر اطمینان خود کو کی کی سٹیشن ہیں۔
 اس صنف میں مٹا فروغ دے دیا گیا ہے۔ طرح
 طرح کے قصبات، دیہات اس کے اعلان میں آئے
 اور ہاتے ہوئے ہیں۔ سٹی میں کوئی دوسرا شخص ماحولت
 کوئی کرتا۔ اس کا واحد حاضر با جمیع حاضر کوئی نہ کوئی
 اغلب ضرور ہے ہے۔ چاروں طرف کی کہ وہ وہاں

[illegible]

تعلیق کی انگوٹھیں صاف اور راجح ہیں۔ اس
کی شاعری میں ہر قسم کے لوگوں کے لئے جگہ ہے۔
موجودہ ہے ان لوگوں کے لئے بھی جو شعر کو اچھے
شعربے کے لئے پڑھتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے
بھی جو شعر کو کمالی شکل تک پہنچانے کے لئے لکھتے
لوگوں کے لئے بھی جو شاعری میں "شعربے" کے ساتھ
اچھا ہی شعر برقی پسند کرے اور قلمباز کر دے، یگانہ
کرے ہیں۔ تعلیق ایک ایسا علم ہے کہ وہ وقت کے
سمیاد کے مطابق ہوگا نہ کہ ضرور نکلتا ہے۔ یہاں کہیے
کہ ہر شخص اپنے سمیاد میں کے مطابق "اس" کی
شاعری سے اپنے لئے جگہ نہ کہو حاشی کر لیتا

-

جنس خواہ اعلیٰ سے ادب میں اس قدر عام ہو گئی ہے کہ کوئی شاعر یا کوئی فرسانہ نگار اس سے محروم نہیں۔
 فیض کی یہی جنس خواہ اعلیٰ میں ملتی ہے کہ یہ سب کچھ
 اعتدالی اور شعریت کے لطیف پہلوئیں ایسے ملنا
 ہوتا ہے کہ درحقیقت ہند کچھ اس سے محروم ہوتے
 ہیں۔ جنس خواہ اعلیٰ اور عشق شعور انسان کی کڑھ کے
 لئے بہت ضروری چیز ہے۔ فیض کی جنس خواہ اعلیٰ میں ایک
 ایسی گام گشتی اور سرسبز ہستی پوشیدہ ہے کہ نہ شاعر
 ایک گود لہری لگی کی تک ضرور محسوس کرتا ہے۔
 جنس خواہ اعلیٰ کے چند مصرعے یہ ہیں۔

گلی ہوئی جاتی ہے اسروہ لگتی ہوئی قسم
 اچل مے لگے کی ہنسی ہنسنے پہاڑ سے

اور مطلقاً گاہوں کی کئی جگہ کی۔
اور ان باتوں سے کہ ہوں گے پڑے
اور نہ بات۔

آج بحر میں دل آرام کی وہی دھج ہو گی
وہی غریبہ سی آنکھیں، وہی کاہل کی کبیر
رنگ و رخسار پہ ہلکا سا دھارے کا غبار
مندی ہاتھ پہ مندی ہی ستا کی تصویر
اپنے لگا کر کی 'اشعار کی دنیا ہے بھی

جہاں مضمون ہے بھی شلو مٹی ہے بھی
جہاں بھی رہا کی طرح اہل کے گھر افسوس کی
باتوں اور دوسرے شکوے دکھان میں ضائع نہیں
کرا جاتا، بلکہ یہ کہ اس قسم کو اگر بھرتی ہے تو وہ
کہلاتا ہے۔

آج کی رات ساڑھ نو بج رہی
کیونکہ "آج کی رات" ساڑھ نو بج رہی
ہے۔

فیض کی غرضی شاعری انگریزی بھی ہے اور فارسی
بھی۔ مگر فیض کی غرضی شاعری سے زیادہ ان باتوں پر
میراثی اور شاعری کی شاعری کا اثر پڑا ہے۔

فیض نے غزوہ اس کی ایک نئی تکنیک اس
شاعری میں جس میں وہ کی ترجمانی کے لئے سوزنا ہے۔
ان کے مضمون کی لئے میں جو تکنیک یا زمرہ
(Tone) ہے اور ان کی ضرورت مادی (Phrasing)
میں جو ہر جگہ اور سوزنا ہے، ان کے اسلوب میں
ایک خاص خاص طرز کی خصوصیت پیدا کر دیتا ہے۔ فیض
نے ایک تالیف سے شاعری قائم کر دیا انہوں نے جس
امیرت طرز اور احساسات اور فکارتانہ کا ایک نئی
سے حقیقت وادارت کا دوسرے اہم حلقہ مسائل سے
مضائق کر کے پیش کیا، یہاں وہ کی شاعری شاعری میں ایک
پاکش کی جی جی۔ نئی اور قابل قدر۔ حقیقتی شاعری میں

غرضی شاعری کو ایک ایسا فن طریقہ ہے کہ ان کی
خاص حصے سے شاعری اور شاعری تمام فنون شاعری
فیض میں کے یہاں سے اسلوب کو سمجھنے کا

مادی ہے۔ اور اہل میں۔ جس کو کم نے مادی دور
کے نام سے موسوم کیا ہے "تہذیب غرضی" مادی
ہیں۔ دنیا کی ہر شے سے بے نیاز وہ اسلوب کے پتے پر
سرا کہ اس کے دل کی خاموشی میں ہر چیز کو
سننے کا بھی غمراہ ہے۔ یہ جن باتوں کے اس دور کی
فکروں کے ہر ہر صدمہ سے حرا ہے۔ دوسرے دور

میں اسلوب اور میں اشق ایک دوسرے میں خیراتی
طریقہ پر اپنے غیر مشترک گئے ہیں کہ دونوں کو ایک
دوسرے سے جدا کرنا دشوار اور ناممکن نظر آتا ہے۔
فیض نے میں اسلوب کو ایک دوسرے میں ایسا سوا
دیا ہے کہ اسلوب میں میں اسلوب میں اسلوب کا پہلو
نظر آنے لگا ہے۔ اور یہ فکری اور شاعری میں اہل
لی ہے۔

فیض کی اندازہ نہیں تھا سے غف کر وہ
"آخری خلا" کہتا ہے جس میں وہ صحت کی تباہی کرتا
ہے۔ اس بار میں اسلوب میں سے غف کر وہ اشق
آخری خلا کہتا کرتا ہے۔ ضروری نہیں کہ وہ خلا آخری
خلا ہو لیکن فیض کی اصطلاح میں آخری خلا وہ خلا ہے
جس میں خلا آخری خوب سے غف کر اسلوب کی
فرائض خیر کرتا ہے اور فیض کا "آخری خلا" شاید یہ کہ
ایسا ہی آخری صدمہ ہے۔

وہ دلت مری جان بیت اور نہیں ہے
جب سے کہ جان کی سب بے دست کی راہیں
اور حد سے گذر جانے کا انداز لہائی
تک جان کی تری ہوئی ہاکم کا بھی ا
بھی جان کی تری سے مرے اسلوب میں آج
بھی جانے کی تری سے مری ہے کار جوانی
(آخری خلا)

فیض کی مادی شاعری میں اہل بھی۔ مادی
کہتا ہے جس سے تہذیب اور شاعری میں ایک
اضافہ ہو جاتا ہے۔ "سوزنا" مادی اہل کے
لگا ہے ایک قابل قدر نظم ہے۔ اس نظم کا عنوان کر
پڑے میں سوزنا لکھا ہے۔

نیم شب ہوا غریبہ سی
کھل کر بہت ہو رہی ہے
کچھ اچھا ہے غرضی
وہ غمراہ مادی ہے

آج رات کھٹ جاتی ہے
پارہ سہ قوی ی قوی ہے
زندگی جو خوب ہے گویا
مندی دنیا سراب ہے گویا
وہی ہے گئے راتوں
جوانی کی جھلکی ہوئی آواز
انکھوں میں وہ گاہوں سے
کہ وہی ہے صدمہ شوق چار
ساز دل کے لہو تاروں سے
بھن رہا ہے غمراہ آگیں
آواز، خواب، تیرا دے صبح

اس نظم کی شاعری کا طرز و طبع کا ماحول
کے لئے بحر جاتا ہے۔ یہی اس کی مادی شاعری کی
جان ہے۔ اس کی مادی شاعری کا ایک ایک صدمہ
مادی شاعری میں ہے۔ جس میں اس طرز و طبع کا
ہے۔ اس کی شاعری کے لئے ہم جذبات کی رائے کے نیچے
حکام میں ہیں۔ مادی شاعری میں۔ اس کی مادی
شاعری کے لیے ہم یہ لکھتا ہے کہ شاعری اور شاعر
کے ہاں کی دھڑکیں ایک ہو جاتی ہیں۔ فیض کی
قدر ہے کہ وہ جو شاعری کے لئے کہی ہوئی ہو
کسی حوالہ سے ضرور واسطہ چلتا ہے۔ اسی لئے فیض
کی شاعری میں اہل کے ہم چہرہ میں اہل

یہاں گرتی ہیں۔

جو حصر میں سے علم کی تکمیل ہیں باری
انہی تک مری قہاریں میں نسبی ہیں
طویل رانگیں انہی تک طویل ہیں باری
لو اس آنکھیں بھی انتظار کرتی ہیں
گدردے ہیں شب و روز تم نہیں آئیں
(انتظار)

"ایک دیکھو یہ" اور "دیکھو" اس کی مشتق
معلوم میں غیر معمولی قہر کے قائل ہیں۔ ان معلوم
میں یقین نے اپنی محبوب کی سلف و حشر کے مرقم سے
انہی جملہ تصور میں جاتی ہیں کہ ماری کے دل میں
ایک سوک سی اٹھتی ہے اور ایک تھیلی محبوب اس کی
نظر میں کے سامنے آجاتی ہے اور وہ کہہ اٹھتا ہے کاش
مجھے بھی انہی ہی محبوب سبب ہوتی کہ "دیکھو"
کہیں پائنتی کے واس میں ایک اپنے گن کی طرح جو
دانت بہا رہیں، یہ مصروف انتظار رہتی۔
یقین کی شعری محبوب کی چند انہی اور میں
فعل و کلام کا حوالہ۔

جور مجھے جو پائے ہاں خاک نہیں
ہر اک نگاہ غبار شباب سے رہیں
شباب، جس سے جھلک چہ بھیاں جس
وقار جس کی رفاقت میں شہنشاہ حسین
اوائے لغزش پاؤں قیامتیں قرباں
عالمی زناں چہ سر کی مہاجنیں قرباں
وہ آنکھ جس کے ہاتھ چہ خالق اترائے
زبان شعر کو تحریف کرتے شرم آئے
وہ ہونٹ نہیں سے من کے برابر، لہر لہاں
بہشت، کوزہ و قیسم و طویل بدش
مگر وہ جسم، قیامت چہ کج کے باز کسے
دولت تو جسے سرور کسی لہار کسے
غرض وہ میں، حجاب و حجب، نام نہیں

وہ میں، جس کا قصور ہر کام نہیں
یہ رنگ بے نقاب آہلی کے لئے عشق سا ہو گیا
بے لور اسی رنگ میں جاتی تے حدود کا سیلاب نہیں
اور افسوس کہ انہی میں جتنی چوکی (ٹاپا) کا شعور ہو
ہر جاتی ہے گی حشر ہے اس لئے اس رنگ کا اس کے
کام میں آجاتا اگر ہے۔ مقررہ کر تھیں کی حشر
طعنی کا سیلاب طعنی ہے اور اس کا سیلابی کارور
نفسانی طریق پر شعر کے لطیف ہمارے میں پر طعناں
جذبات کی تکمیل میں پائنتی ہے۔

"میرے علم" روایتی دور کی آخری علم میں
یقین کے چہ بولے جادے ہیں اور اس کے نیابت
سے سانچوں میں اٹھتے اور سے انداز جان میں
ہلے مستوم ہوتے ہیں تو دوسرے دور کی شاعری
میں لاپاں رہ گئے ہیں۔
یقین کی حشری شاعری کے حلقہ آخر میں ایک
بات اور کہیں ہے کہ وہ اکثر ماضی و مستقبل سے بے فکر
صرف حال کا دلدادہ نظر آتا ہے۔ وہ چچہ کو کوئی کہتا
ہے اس لئے جو لوگوں میں گدرا جائے اچھا ہے۔ وہ
ماضی کو کوئی مانا چاہتا ہے نہ گزشتہ سرفروں کے
اور اول سے جوئے اور غرور سے آزاد ہونے کے
لئے ریلے جوئے مصومہ روایتی اور میں آنکھوں کا
حلقہ نظر آتا ہے کہ

میرے ماضی و مستقبل سراسر گم ہو جائیں
تا کہ نہاد جس سے وہ عمارت اٹھائیں مگر نہ
آئے اور ماضی طور پہاں نام میں مٹو ہو سکے اور ان
قدیم یاد کی مٹاوت سے جس میں نکالک و مصائب
کے کھلے ہو گئے ہیں۔ کہہ سکتی اختیار کر کے
کہیں ایک بار مگر انہی میں فرق ہے اس
وہ چاہتا ہے کہ بھول نہ سکے وہ کہہ رہے۔
ہمارا شباب صرف، گزرتی ہے اس لئے ضروری ہے۔

آ کہ بکھول کی سن جا لیں ہم
آ صحت کے گیت کا لیں ہم
وہ مستوم ہمارے ماضی کی صداں جا لیں ہمارے
انہی صحت کے گیت کا لیں۔ اس لئے قہاریں کی
شام کوہ کر کے اور صدا کے جات کو گونہ دیتے کے
لئے ضروری ہے کہ

آ کہ قصور سا بھار کر لیں ہم
زندگی زور نگار کر لیں ہم
اور لیں اس کے کہ ماضی دیکھو اور حشر و طعنت
کھینچنے ایک عرب اس ایک عرب

مری جاں جاں جاں اچھا میں وہاں پھیر دے بھوک
اور میرا یہ موصوف
اب نہ ڈھرا افسانہ ہلے اہم
اپنی قسمت پہ سوگوار نہ ہو
مگر فرما اور دے دل سے
مر رہو چہ دیکھو نہ ہو
میرے علم کی حکایتیں مت پڑو
ہو بھیں سب حکایتیں مت پڑو
آٹھ کی رات ساں وہ نہ چھوڑ
وہ ذرا سے ہنستے کہ جو بھولیں سرفروں اور یہ
آرزوئیں کے بعد میرا یہ ہے قصور و طعنت میں خالی
کہ انہی چاہتا "لیکن اس کو دوسرے کاموں کے لئے
بانت کرنا چاہتا ہے اس موصوف یقین اور حشر ایک
داخل لڑنے کے ساتھ ایک دوسرے کے بہت قریب ہو
جاسکتے ہیں۔

جہاں شاعری کا ایک میدان یہ بھی ہے کہ وہ
مباری و بدلے ہو مگر ماضی خوبوں کا کم لہار ہو گئی ہے۔
وہ شاعر مجبور ماضی کا ترجمان ہو گئی ہے اس لئے اس
کی زبان ساں اور طعنی و بہانے سے بھر اوتی ہے۔
اکثر اشعار کل مطلع کی دانش کے کہہ رہے ہیں۔
یقین کی شاعری کی یہ اہم خصوصیت ہے جو

اسے دوسرے ترقی پزیر شعراء سے ممتاز کرتی ہے۔
 اس میں راقعہ کا خلف غازی اور علی کے علاوہ بہادر علیا
 چاہا جاتا ہے۔ جو ترقی پزیر بھی اور ملی و فارسی کے علاوہ کا
 استعمال کرتے ہیں۔ لیکن فطرت و روایات کہتے ہیں کہ سیدھے
 سادے الفاظ کا استعمال ہے اور اس سادگی میں اس کا
 دردناک تجربہ تاثر و تاحول و شجرت اور تخیل و جذبات کو
 دیتا ہے کہ وہ ان و حوالت جو فارسی الفاظ کا حصہ ہے
 اس کی شاعری میں پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ سچ فطرت کے
 جوہر کا اصل اور فنکارانہ قوتوں کا واضح طور پر ظاہر کرتی
 ہے۔ لیکن نظم کوئی قصیدے کی طرح سب میں یہ سادگی
 پر کاربند نہ کی۔ اس کی زبان جمہور کی زبان ہے لیکن
 اس میں شعری الفاظ و روایات و بدعیاں موجود ہیں۔
 فطرت کی تجسیمات راقعہ کی طرح غیر ماورائے فطرت
 ہوتی کہ جن پر ہم ہر گز چڑھتے ہیں بلکہ ایسے سوانح پر
 ہمیں یہ حسوں آتا ہے کہ وہ ان شعری شعور اور خود
 نظم سے نکل گئی ہے جس کا احساس شاعر کو خود شعور
 ہوا۔ اس کی تمام تجسیمات تصنیفی تخلیق سے اثر پذیر
 ہوتی ہیں اس کی تجسیمات کو ہم "ذریعہ" سمجھیں "کام
 دے سکتے ہیں۔

تخلیق محنت "فانی دات" ہم دیکھ سکتے ہیں اور
 بزم انجم کی سرور سمانی کو دیکھ کر یہ کہہ دینا کسی قدر
 حیران کن ہے۔

زندگی جو خواب ہے گہرا
 ساری دنیا سراب ہے گہرا
 رات کے جلتے کوئی ہوائی باد کے آجانے کو
 ہواں کیا کہہ کر۔

دات ہیں دل میں تری کوئی ہوئی یادانی
 جیسے دے اسے میں چپکے سے بھرا آجانے
 جیسے حیراؤں میں ہولے سے چپے باد نسیم
 جیسے بھرا کر ہے جو قرار آجانے
 کسی قدر اچھا اور نفا ہے عظم ہونے کے

اشعار و تجسیمات "ہوائی ایک دوسرے کے سمون
 آسان ہیں۔

ایک لمحہ ہے۔
 زندگی کیا کسی طلسم کی قبا ہے جس میں
 ہر گھڑی درد کے چاند لگے ہوتے ہیں
 فطرت نے زندگی کو طلسم کی قبا سے سمجھ دی
 ہے۔ طلسم کی قبا کا نام سننے کی لطف چاند ہمارے
 ذہن میں گھرنے لگتے ہیں اور ہر دوسرے مصرعہ میں
 بچوں کا ذکر کر کے درد کے ساتھ قصوں کو دینے
 سے ہم سمون میں گر کر ترقی و تخیل و تخیل ہوتا ہے۔ کیا
 ہے۔ فطرت کی شاعری میں تجسیمات "فانی و خدائی"
 تصنیفی حاصل کے تجربے سمون ہیں اور اشعوری طور
 پر اس کے نظم سے نکل جاتی ہیں۔

"ہم لوگ" کی تصویر داخلی کیفیت کی شکل
 ترکان ہے۔

دل کے اہل میں نے گل شدہ مضمون کی نگار
 نور خورشید سے ہونے والے ہونے
 صحن محبوب کے چال قصور کی طرح
 اپنی تاریکی کو گھٹتے ہوئے۔ لہجے ہونے
 جہ کی کول کے اہل کی گل شدہ مضمون کی
 نگار میں صحن محبوب کے "سیاہ قصور" کی طرح سمجھتے
 ہونے لہجے ہونے کہنا کسی قدر دردناک ہے
 اہل وادی اس سے غریب لطف اور دیکھتے ہیں۔

"سیاہ لہجہ کے نام" نظم میں "بدوستانی
 سیاہ لہجہ کی کہ مانگی اور چوکی کا اظہار مضمون
 سمجھ کے باعث کسی قدر دہشت گرد کیا ہے۔

جس طرح تپا سمندر سے ہو سرگرم خیز
 جس طرح تجزی کہار پہ بھلا کرے
 سمجھ سے بدوستانی کے سیاہ لہجہ کا حضور
 ہمارے ذہن میں فطرت کے لگائے اور قہار ہوا سہا
 سال سے ہے آسمان چاند لہجہ اپنی تم مانگی اور ہے

بہشتی کے ساتھ ہمارے سماج کے سخی و غریبوں پر فطرت
 آجاتا ہے۔

فطرت کی ایک نظم ہے "خداوند"
 ایک امر و شہادہ ہے اور
 اور فطرت پر نظر کرنے ہونے
 سزا دہی ہے اپنے چنے کے
 سرگسٹ صحن کو چلانے ہونے
 جس طرح کوئی فردا صحت
 اپنے دیوان کسے میں کو خیال
 اصل محبوب کے قصور میں
 سو سو ہیں حضور حضور فطرت

ایک امر و شہادہ کہ ایک ایسی فطرت صحت
 سے سمجھ دینا "خداوند" محبوب کے قصور میں کو خیال
 ہے اور جس کے حضور حال کو نام "ہم چہ چہ ہونے"
 کہہ دیتا ہے۔ اس کی فطرت چوڑا ہے اور
 ہے۔ یہ "سمجھ کرک" کی بہتری مثال ہے۔ فطرت
 تجسیمات کہ ان میں جو کسی کو کرکٹ ڈالنے کا پہلا
 اور ہر سے ڈالنے کا پہلا اور کوئی بھی مرتبہ ۲۵
 چاہتا ہے۔ یہ فطرت کا مقررہ مطلب ہے۔

ایک اور خصوصیت فطرت کی شاعری میں لہجہ
 طور پر دہائی جاتی ہے۔ جو کہ ہم سمجھتے ترقی پزیر شعراء
 میں کم فطرت ہے اور وہ یہ ہے کہ فطرت کے بہت سے
 مصرعے اور اشعار اپنے اندر ضرب اہل بننے کی
 صلاحیت رکھتے ہیں۔ بہت سے قوی ضرب اہل بن
 چکے ہیں اور بہت سے اشعار ان سے اب وقت
 اپنا تخیل وادائی سے متاثر ہو کر شعری صورت کے سرسبز
 شاداب و رنگت کاٹ ڈالنے کا ان کی زبانوں پر
 چہ کر کہ وہ اب میں نے ان فطرت اور دہم کا سبب
 ہونے کے۔ اور شاعری میں ترقی وادائی کا تہہ اور
 اقبال کو یہ شرف حاصل ہے۔ اقبال کے بعد اگر کسی
 شاعر کے اشعار اور مصرعوں میں ضرب اہل ہونے کی

اچھے بے خواب کہلاؤں کو مشتعل کرلو

اب یہاں کوئی کہیں کوئی نہیں آئے گا

فیض کی نظم ”سے“ اور ادب میں ایک نیا

اختلاف ہے۔ اور میں بہت کم نظمیں لکھی ہیں جو اس

لوبیت اور مصنف میں ملتی ہیں اور جو وہ اپنی خوش

اسطولی سے لکھی نہیں لکھی۔ ”سے“ نظم سیاسی نقطہ کی

مثال ہے۔ جس میں صحنوں و صفائی کے قرآنے

کھڑے پڑے ہیں۔ سب سے زیادہ جگہ صفائی زندگی کے

اختلاف و کدو، تھکد، دشمن، قابل، رہاں، انہی و

ذلت اور اسباب کشی کو اس نظم میں اسے ٹھہرا دیا

تو درجہ پنج نظام میں سولہ ہے کہ نظم ایک مجرور میں مصوم

ہوئے گی ہے۔ شدت کا ذخیرہ سادگی و وضاحت و صفائی

اس نظم کے پہلے مصرعہ سے آخری مصرعہ تک ملتے

ہیں۔ اس نظر کو کہ کبھی فیض کی شکار کی اور جی

چلتی ہے اور اسے گنگ مصلوں میں سمیٹ کر شاعر کو پڑتا

ہے۔ مجبور کی خاموشی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں

الفاظ سادہ اور ان کا انتخاب اہل کار ہوں۔ خیالات

میں ابہام اور پیچیدگی نہ ہو۔ جو کہہ کہا جائے اس میں

تاثر و اثر ہو اور جس وقت وہ چاہی جائے تو گہری کا

ذہن دل و دماغ اس کی طرف جھکے ہو۔ حاشاں ہو

جائے۔ اس قسم کی خاموشی پیدا کا اثر نکلتی ہے۔

اس قسم کی وہ چار نظمیں اگر قریبی پند ادب میں

اور کہیں جائیں تو اور ادب میں مجبور کی خاموشی مکمل

کلی جائیگی ہے۔ یہ نظم ایک نئی حوالہ کی طرف بھری

کرتی ہے۔ اس نظم میں قافیہ و ایتھام اور لہجہ کی

مصنوعیت خاص طور سے ذکر کے قابل ہے۔ فیض کی

پانچ نظمیں اور چار نثریہ ٹکڑے مثلاً اور گرجا بانی خاموشی میں

سہما ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں اور تاخیر اس کی

خاموشی میں ہر جگہ خراج و سزا ہو جاتی ہے۔ ہ

فیض کے ان کی نمایاں خصوصیت اس کا طبع

ہے اور یہی چیز اس کا کوثر قریبی پند شعرا میں ایک ممتاز

ہو جانے میں مددگار و معاون ثابت ہوئی ہے۔ وہ

جو کہہ کہتا ہے اپنے دل کی گرجا میں جس قسم میں اس کے

اور سو کر کہتا ہے۔ اگر خاموشی میں طبع اور آواز نہ

ہو تو وہ جیسے پتہ بیگناہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ مشہور جی

فنی اس رنگ کا یہ کہتا کہ ”ہر جی ادب کا پتہ بیگناہ

سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ مصنف کا آواز اور اس کا طبع

ہے۔“ فیض کی خاموشی پر منطقی ہوتا ہے۔ ”فیض

فرہادی“ میں اکثر نظمیں ایسی خوبصورت کی ہیں جن سے

طبع میں طرح پر نشتر کی طرح اپنا ٹھکانا بناتا ہے اور

یہی چیز اسے قریبی پند خاموشی کے آس پاس پر ایک بند

مجرور کی جیسے خود کو طبع اور صفائی میں دھار کرتی ہے۔

فیض کا اسلوب بیان پند وہ ہے۔ اس کا طرز

کھنڈ اور طریق بیان بالکل مشرق ہے اس کا طرز و انداز

دوہ دیکھ کے تصادم سے پیدا ہوا ہے۔ وہ ایک باقی

شاعر ہے لیکن باقی شاعروں مصلوں میں نہیں گہرا

انتخاب و عیاد کے لئے پند کرتا ہے۔ باقی ان صفی

میں لیکن اس لئے خیرا کیوں کی گہرست میں اپنا کام

دے دیا ہے۔ باقی ان صفی میں نہیں کہ اس نے پیدا کیا

قریبی پند کو ایک کسر ہے۔ لگندہ مال ان صفی میں ہے

کہ اس نے نہت کہ جن کا توں برقرار کہہ کر موشی و

مولد میں جھکتے کی۔ اس کی خاموشی جھکتے دہلیز و

جانی میں حق نظر آتی ہے لیکن اس منگناے میں اس

قد و دست اور پچھا ہے کہ بدلی بدلی پتہ پناہاں میں

کے متلا یہ پتہ آئیں۔ وہ کہیں کہیں رشتہ میں کسی

نیدلی کرتا ہے لیکن صفائی حقیر کو کافی کہتا ہے پند کہیں

مصرعوں میں توڑا ایت بد و دل جاڑا کہتا ہے۔ ہ

چلیا درست ہے۔ زمانہ بہت آگے جا چکا ہے۔

تو ان اور تھکد ب کافی سے زیادہ قریبی کر چکا ہے۔

کہا کوں آخر کائنات اور مختلف قسم کی ایجادات و

حقیقات و عمرانی طور میں آ رہی ہیں۔ اب سے پہلے

شاعروں کے لئے سادگی کی قحی جس کی وجہ سے تخلیق

فرسوں کی جیسے ہر جگہ پناہاں ہو گئی قحی لیکن ہر سادگی اب

سے سے خیالات و سادہ سے بدلی جا رہی ہے۔ ہر

دیکھنے خاموشی کے لئے سوال کیا جاتا ہے۔ شعور کے

لئے سواری اس قدر کلمات ہو گئی ہے کہ اگر ادب میں

کا بیگناہ کرنے سے اکثر کام رہتے ہیں اور اس طرح

و ادب و قحی سے گہرا غور ہونے لگا ہے۔ لیکن اگر

انتخاب سواد پر کہہ باقی سکون اور غور کا کام رکھ جائے

تو سواد و ادب و قحی کے ساتھ شعور میں دھلتے لگتا

ہے۔ فیض کی خاموشی ایسی بدلی سکون اور غور کا خیر

ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ ادب و قحی کی پابندی اور

خیر میں اس کے یہاں غور سے اکثر کام ہے۔ وہ

و ادب و قحی کی کائنات سے اٹھتا ہے۔ ان کے تاثر و

جاد سے آگاہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے کام میں

موشی و باقی ہو گئی ہے اور اس موشی کے حسب

اس کی خاموشی ایسی کے خلاف ہو جاتی ہے۔ اس

کے انداز و انداز میں اس نے الفاظ اور حزم قریب

سے عبارت بناتے ہیں۔

قریبی پند شعرا کا ایک بیان یہ ہے کہ الفاظ

کے سلی بدل کر ان کو دوسرے سلی میں لیا جاتا

استعمال کر لیتے ہیں اور اس طرح اکثر مصرعے سمجھ

سے سلی ہو جاتے ہیں۔ قواعد کی پابندی زبان کے

انداز میں ہو چکی ہے۔ لیکن جب وہ کسی سر

بریں جیسے اصل ٹکڑے کا صاف سخن ہو جاتی ہے تو پھر

انتخاب کا کوئی ٹکڑا اور بری نظم ہوتی ہیں اور کائنات

پر بارگاہی ہیں۔ قریبی پند شعرا کو ادب کا پند ہیں کا

مفرد ہے لیکن الفاظ مختلف سلی میں استعمال کرتے

ہیں اور اس طرح ایک بار پھر زبان کے انداز اور

میں جادہاں دے دے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے خراج

قحی کی صورت سے چاہتے ہیں۔ اگر الفاظ اپنے سلی

روز و رات سے تو اس بات کی دے دے یہ کائنات اور

طریق بہت مصرعات اور کلام و چاب اور دست ہو

کی حالت دیکھنے پر فطرت کا نام مطلوب ہے۔
چارہ ساز کے صفت کھل نہ ہونے پر غالب کا
مشہور شعر ہے۔

درد صفت کھل دیا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا
فطرت کا ہے۔

صفت چارہ ساز کون کرے
درد جب پاں لواز ہو جائے

کو غالب و فطرت کے شعراء وادیب کا فانی میں

مختلف ہیں لیکن مضمون کے لحاظ سے ایک دوسرے
سے بہت قریب ہیں۔ غالب اپنے اچھا نہ ہونے پر

فخر ہے اس لئے کہ اسے درد اور چارہ ساز کا صفت کھل
نہ ہونا چار فطرت درد کی جہاں لازیاد فخر ہے کیونکہ

درد کا قیام ہونا ہی جہاں فطرت کا باعث ہوتا ہے۔
غالب کا شعر ایک لڑکی کی خود لازیاد کی مثال ہے جو

ماہی اور سمجھری کے بعد پھرتی ہے اور فطرت کا شعر
زندگی سے بے نیاز ہو کر ہر قسم کی فطرت سے بے خبر

ہو جانے کا آئینہ دار ہے۔ ہر کی انتہائی جہاں فطرت
میں جاتی ہے اور اس کے بعد ایک والہاد ہے چاروی

بیاد ہو جاتی ہے۔ اس شعر کے مصوم چہرہ قابل فخر
ہیں۔

ایک شعر ہے۔

فریب آلود کی سہل انگاری نہیں جاتی
م اپنے دل کی ہر کی کو تڑی آواز پا کچھ

محبوب کی آواز کا انتقاد ہے۔ زیادہ گورکھ کی
ہر شے فراموش ہو چکی ہے۔ صرف اسی دانگھ پر فخر

ہے جس سے محبوب کے آنے کی توقع ہے مگر اس طرح
کے فریب خود خفا نہ آ رہے ہیں۔ فخر لازیاد اور

کے لئے دل بیکل ہوتا ہے لیکن عیب کا ہی مسلسل
برقرار رہتی ہے تو اضطراب اور زیادہ ہو جاتا ہے اور

ہر کی کی طرح عجز و ہرجا کے چہرہ ہونے کا سبب

تو محبوب کے آنے کا خیال تو کبھی قریب آلود
دیکھنے کو اس کی ہر کی کو کھوپ کی آواز پا کچھ کیا۔
فطرت کھل انگاری نے شعر میں اور جہاں دل دی ہے۔
والہاد میں اور فخر و فانی کی اس سے بہتر مثال فطرت
کے کام میں غالب ہے۔ یہ شعر کی فطرت کا ہر کی
شعر چارہ کیا پاسکا ہے۔

فطرت کو کھوپ سے کبھی نہیں جاتا۔ کچھ تو اس کا
سبب ہے جانتے ہیں کہ سب کچھ کی باتیں ہیں بلکہ کچھ

نہ کیا ہوا اور کچھ اس کے خفا کی باتیں ہیں۔ سب کچھ
کرتے۔ فخر فطرت کا انداز ہیں دیکھتے۔

چری جنم فلم لواز کی خبر،

دل میں کوئی کلمہ نہیں پاتی

چشم لواز کی ترکیب قابل فخر ہے۔ اس کی
عدت سے کلام انکار کر سکتا ہے۔ اس کا کلام نہ کرنے

میں بھی شکایت کا پہلو طرح ہوتا ہے۔ لیکن میں ثابت کا
پہلو کلام شعری خصوصیات میں بہت جلد چڑھتا ہے۔

اس کا ایک شعر ہے۔

ایک فرست لگا لی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے سوسلے پہلو ہمارے

فرست کلام دہا میں ہی نکلتی ہے۔ دوسری دہا
میں اس کلام جو جہاں جہاں کلام نہیں ہوتا۔ اس لئے کلام

کے واسطے کچھ زیادہ وقت دیکھ کر کلام کو فربہ دل کو مل
کر کلام کے کچھ اور سوسلے پہلو ہمارے کلام کی فرائد کی

روایت ہو سکتی۔ چار دن کہنا کچھ شعر کا ہے۔ اور
"دیکھے ہیں ہم نے سوسلے پہلو ہمارے" کہنا

میں میں لگی اور کلام کے واسطے ہے "بافت کے میں سوسلے
ہے۔ اس کا کلام دوسرے طریق سے کہا جاتا تو شعر بننے

والے کا انتہائی ہی اس کا اس سے لگتا مگر فطرت میں
نرم ہو ہی کو لہاں کرنے کی کوشش کرتا ہے اور کبھی

اور کلام انتہائی نہیں کرتا۔

فطرت کا ایک شعر ہے جس میں اس نے "رنگدند"

کا قیاد "میں ہے" لادینہ بانگی ہے۔

ننگی بھی مرے دل کا کافر نے بند کی
بہ کرم ہے تو تری رنگدند میں ہے

دل کا کافر جو پہلے بند کی کے ہم تک سے
کر جہاں فخر سے تیری رنگدند کے پیچ کھوئے بند کی کا

وساس ہوا اور جہاں سے بند کی کا پہلو اور لازیاد سستی
ننگہ۔ اگر تیری رنگدند میں نہ چلا جاتا تو دل کا کافر

ہی رہتا۔ اس لئے معلوم ہوا کہ سب کچھ تیری رنگدند
میں رہتا ہے۔ کیونکہ بند کی کا شعر و اس میں ہونا اس

بات کی مثال ہے۔ شعری بات اور نہ تعلق اور
ہے۔ علامت و لازیاد ہوا ہے۔ کچھ اور فطرت کی لازیاد

ہے۔ اس کا دینہ۔ کلام میں کلام اور لازیاد کا شعر بننے
کہا تھا جس کا درد فطرت جہاں کا نہیں

دیکھا تو قریب تمام تیری رنگدند میں ہے
فطرت کا شعر لہاں پہلو لازیاد تیری پسندوب کا

خصوصی شکل فخر ہے۔ اپنے اس میں کچھ کہنے ہوتے ہے
اور سب کچھ اس کا شعر میں فطرت کا فطرت حاصل

ہے۔ و خلاف اس کے فکر کے شعر میں فطرت پہلو ہے
اور اس میں۔ سوسلے پہلو میں شعری فطرت کا کیا

ہے۔ کچھ شعرا نے کچھ ہے کچھ شعرا نے فطرت اور
کلامات جو فطرت کے شعر میں ہے۔ اور کچھ کے شعر میں

کیا ہے کچھ کلام "حقیقت سے زیادہ لطف انگیز
ہوتا ہے فطرت کو کہتا ہے۔

و حقیقت چار ہو جانے

کافران کی لواز ہو جانے

دار کا شعر ہے۔

لنگان میں ہی تو جہاں فخر ہے
ہے کسی میں تو دوسروں کو ہر کی کچھ نہیں

فطرت کا شعر ہے۔

و جانے کسی لئے امید و بیلا ہیں

اک لکی داہ چہ تیری رنگدند لگی نہیں

دارا کا شعر محوی اور حقیقی حیثیت سے قویہ
ہم نے ہے مگر "تیری رنگت بھی گئی" کے ساتھ قریب
برتا۔ "نہ جانے کس لئے" شاعرانہ لفاظی اور
احساس کی دلچسپی میں یاد کا گناہ کر رہا ہے اور حقیقی
کے شعر پر بے اختیار دل چاہے طبعیت کا خلق ہے۔

غزل کے انداز کی ایک ضروری خصوصیت یہ
ہی ہے کہ مصرعوں میں احتمال شدہ الفاظ میں زیادہ
ہوند ہو۔ اس سے شعر میں تھیں یہ وہ چاہتا ہے اور
شعر مرگے اور شیریں کے درجہ سے کر جاتا ہے۔ اس
لئے سلی منتخب کا شعر قریب قریب سمجھا جاتا ہے۔ سوہان
مہر ازمنی بخاری نے کائنات کی کتاب (Critique

of Practile Reason) سے حوالہ دے
ہوئے ایک جگہ لکھا ہے کہ بہت سے شعرا ایسے ہوئے
ہیں جن میں آزاد میں ہوتا ہے۔ یہ وہیوں کی طرح
اپنے عقلی تخیل میں جاکر اپنے عقلی سے متعلق
ہائی کا سرور کرتے ہیں۔ اگر ان کے تکرار کرنے اور ان
کے صاحب دہانت کرنے کی کوشش کی جائے تو وہ
کوشش زنی ہی ہوگی جس طرح کوئی شخص پہلوں کی
توشیح کو اپنے کی غزل میں سے ان کے بھان کوڑا کر لیکر
کر دے۔ غزل کے اشعار میں سیار یہ پورے اثر سے
ہیں۔ چند الفاظ ہیں۔

ہو چکا عشق اب بھی ہی کسی
کیا کریں فرض ہے اوسے لہر
اپنی خمیل کر رہا ہیں میرا
روز تھ سے تو کچھ کو یاد نہیں
عشق دل میں رہے تو رہا ہو
لب پہ آئے تو رہا ہو جائے
مر ہے سو کت رہی ہے غزل
کاش اٹھانے والا ہو جائے
اک ذی دید بھی گئی تھ سے
دست دانا میں کیا نہیں پائی

پشم نیکیوں دانا ابر کر دے
دست قدرت کو ہے اڑ کر دے
یہ خصوصیت ہے جو اسے غزل کی پہلوں کی
شعرا میں سب سے نمایاں دھندہ ہونے کے لئے
کافی ہے۔

غزل کی غزلیں ہوتی تو ہیں وہ اور پارہمہی۔
اور وہ بات ہی لکھی جاتی ہے کہ ایک شخص کے حسن
روپہ پر ہر روز دانا دانا کثرت کے ہوتے ہیں مگر اس کی
ان سوجھی سادگی باتوں میں وہ ماحیر حقیقت اور
دستیں پہنایا ہوتی ہیں کہ بے اختیار سر ہٹنے کو مانی
چلتا ہے۔

ساری دانا سے دور ہو جائے
تو دانا میرے پاس ہو بیٹھے
نہ گی میری ہے زنی نہ گیا
ہم ذی آزاد بھی کھو بیٹھے
راز افسانہ چھپا کے دیکھ لیا
دل بہتہ بہتہ جا کے دیکھ لیا
اور کیہ دیکھنے کو پائی ہے
آپ سے دل لگا کے دیکھ لیا
ایک خاص بات اور غزل کی دوسرے دور

کی غزلوں میں زندگی سے قریب کا احساس ہونے لگا
ہے اور یہ بہانہ فلسفہ کی طرف توجہ سلوک ہے۔ پیر
محب یقین دانا کہ ساری آجائے ہیں اور اس کا محبوب

اور محبوب کی یاد سے وہ دانا کے دکھ میں غرق
نظر آتا ہے۔

دانا نے میری یاد سے بچا کر دیا
تھ سے بھی قریب ہی غم روزگار کے
غزل کی غزلیں دیکھ کر کچھ پختہ ہوتا ہے کہ
ابھی غزل میں دانا ہے کہ ایک شخص اور دانا بیت سوچا
ہے۔

غزل غزل کی خاموشی نے جہاں کی خاموشی
میں ایک سے سکون کی خواہش کر رہی ہے اور وہ غزل کی
ہے۔ وہاں ان کی خاموشی خواہش کر رہا ہے کہ اس کی
باتوں کا جو وہ تھا وہاں جو غزل کی سے علم پر کڑا
ہے غزل جانتا ہے کہ شاعر ایک خاص دانا میں ہوتا
ہے اور نہ غزل کی۔ مگر شاعر کی زندگی کے افسانہ کا احساس
غزل کرتا ہے لیکن جانتا ہے اس کے وہ الفاظ تھا کہ
مطلق کے استحوازی استدلال سے مل کر دے اسے
قوت ملے اور شعریت کے ادب سے کرتا ہے۔ چونکہ
یہ ایک ادب ہے کہ اس کے واسطے سے شاعر زندگی
کے حوالہ میں ہوتا اور لے کرتا ہے۔ غزل اسی حوالہ
شاعر ہے۔ وہ دانا کی ہر جگہ سے قطع نظر خاموشی کو
زیادہ سمجھتا ہے کہ اس غزل میں اس بات کی صداقت
کو بیکار نہیں کر سکتے۔

غزل دانا سے ہو رہا ہے
شعر لکھ رہا کہ بیٹھا
☆☆☆☆

جس خاک میں لکھا کہ ہوں دوسرے ختم خلق کی
جس خاک پر ہم نے غم بھرا۔ مرگے گئی خاک کی

زیتون اور سنگ مرمر

مرمری شاعری تو ہم سب کو کچھ معلوم ہی ہے۔ وہاں کے پائس دماغ کی ایک قسم زہر کرتے وقت مجھے مشکل پیش آتی کیونکہ انہوں نے زہن اور سنگ مرمر کا کوئی رشتہ بیان کیا تھا۔ میری کہش نہیں آتا تھا۔ میں مشکل صاحب کے پاس گیا کہ وہ بات کہنا۔ "میں مشکل صاحب نے کہا کہ سنگ مرمر سے کیا بنتا ہے؟" وہ چارہ دانت کا چمن ہے چنانچہ مرمر کے پیدائش پر میری بھی آکٹا صرف ایک نقصان ہے۔ مرمر کے پیدائش پر آکٹا اور مکمل دھماکا ہے۔ میں نے پوچھا کہ "میں مشکل صاحب نے بتایا کہ سنگ مرمر کو کونسا مادہ بناتا ہے۔ مرمر کا پتھر ماسی بھی لپا ہے چنانچہ وہ بتاتا ہے کہ یہاں کہ سنگ مرمر کا پتھر کی چوٹی بھی لپاتی ہو جاتی ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کہ مشکل صاحب نے وہاں صفت کی مرمر کے پتھر کے اندر ہر ایک رنگیں ہوتی ہیں۔ لہذا یہ ہر ایک ماسم ہوتے ہیں جو کہی کچا ہے۔ اندر جذب کر لیتے ہیں اسی لئے سنگ مرمر کی مکمل کالے پتھر کی لخت کے مقابلے میں بہت کم گرم ہوتی ہے۔ ایک زمانے میں جہاں غریب مرمر کے مکمل جیسے فوٹ بھرت کا فوٹ ہونے لگے تھے۔ تحقیق یہ پتہ چلا کہ ان پر ایک خاص مادے کے جھلکی کیوں نہ" جو کہ کسی پتہ کی کوثر کا فوٹ صاحب کی ہے۔ انہوں کی جیت ان محسوس کی دگوں، مٹھوں اور سانسوں میں داخل ہو گی ہے جس سے وہ سلطان میں جاتا ہو کہ وہاں

تک ہے۔ مجھے ان کے فوٹوں میں بیٹھے میں لطف آتا تھا۔ میں نے ان سے بہت کچھ سیکھا ہے اور ان کے کھانے اور کھانے کے انداز کو بھی بہت پسند کیا ہے۔ بہت عرصے کی بات ہے کہ مجھ پر چاکلہ دھوا میں شاعری کرنے کا بہت سارا عہد بہت کوشش کی بہت ذرا لگا۔ مگر ایک کے بعد دوسرا عہد نہ نکلا۔ مشکل صاحب کے پاس گیا اور اپنی تکلیف بیان کی۔ انہوں نے پوچھا "تم خواب کی زبان میں دیکھتے ہو؟" میں نے بتایا کہ "بھائی میں" انہوں نے کہا شاعری میں اسی زبان میں ہوتی ہے جس میں خواب دیکھتے ہیں۔ بچے کو کوئی دہی جانتے اور سوتے دلوں کے لئے جھانک دے گا۔"

اس کے بعد میں نے وہ دہی میں شاعری کرنے کا خیال دل سے نکال دیا اور یہ شاعری غیر زبانوں کے شعروں کے کام کو اور کے کٹری دے کے کر رہے ہمارا کہ شاعر بن گیا جس میں پہلے میں مشکل صاحب نے مجھے گھوسا ملنے کو اور اپنی ناہم سکتا اور غرض زاد اور پائس دماغ کی بہت سی تھیں اور میں تو میر کرنے کے لئے وہی اور بہت سی انکی تھیں ہر بات سے بھی سمجھیں اور خاص طور پر بتایا کہ اگر کسی مرمری زبان کی تھیں کا تو میر کہوں تو ان کے اس انگریزی کرے یہ انھیں کہیں جو کہ عرب حریفوں نے کیا ہوا ہو کیونکہ انگریزوں اور مصر کیوں کے لئے مرمری شاعری کا زیر مشکل ہی نہیں ہائیں بھی ہے۔ انگریزی میں

میں پڑھیں جاتا کہ انھوں نے شاعری کیا ہوتی ہے۔ حریفی شاعری کے کیا کھاتے ہیں "حالی شاعری کے کیا فوٹات اور مفید شاعری کی کیا ضرورت ہے؟ اور ہائی شاعری کو پرکھنے کی کوئی کسوٹی ہے اور انھوں نے شاعری کو ماننے کے کون سے پیمانے ہیں مگر ان ضرورت جانتا ہوں کہ شاعری کو شاعری ہونا چاہئے۔ وہ شاعری ہو گی تو بہت ہی جانتے گی اور ہر اس قسم کے خالوں میں ہائی جانے کی با قدر و منزلت کی انداز میں چک اور حکام حاصل کرے گی۔ چنانچہ کسی شاعر کی بنیادی اور اصل بچکان اس کی شاعری ہوتی ہے۔ مشکل "تو تم بتاؤ؟" انھوں نے "میں زیادتی" نامہ "مستحقان" چاہتے ہیں اور "مستحقان" چاہتے ہیں سب لوگوں سے میرے ذاتی تعلقات اور میں قائم ہونے والے ان کے افسانوں سے پہلے مجھ تک پہنچے اور مجھے ان کے لئے لگے صرف ایک شریف کہی ہیں کہ میرے پاس ہونے کی وجہ سے اپنی شاعری سے پہلے میرے رشتے میں آئے یا میرے دماغ میں تمام جہد تھے کہ جن کی کوئی دہی اور لگا کر یہ چاہا کہ وہ شاعر ہیں اور یہ باب واضح ہوا ہے کہ کوئی شاعر ہوتا ہے یا نہیں ہوتا ایک نظم کہہ کر بھی شاعر بن سکتا ہے اور وہ جوں جوں سے شاعر کہہ کر بھی شاعر نہیں بن سکتا ہے اور اور اپنی اور میری ہی ایک ہی زندگی نہیں ہوتی۔

میں مشکل اور مشکل سے ذاتی کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ ان سے میرا تعلق اور چارہ دانت تھا اور ابھی

ہوئے میں تھیلے ہوئے گئے ہیں۔ جڑی کی سب کچھ
 ہر پر بھی ہے صحت مند محسوس کے ساتھ ایک خاص
 قسم کا صاف پونٹ کر دیا جس سے حویہ نقصان پہ ہوا
 کہ ان محسوس کے تجزیہ کا سانس جتنا مشکل ہو گیا
 اور نشتے گئے دم توڑنے لگے۔ چنانچہ یہ سارا زہر
 دیا گیا۔ اس اصل بات کی طرف تے ہیں جو کہ پاس
 رہا اس نے اپنی اہم میں کہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ
 زندگی کی جڑیں اچھی پارک اور نرم زندگی ہوتی ہیں
 کہ غیر محسوس طریقے سے تنگ سرسری رنگوں میں اثر
 جاتی ہیں اور اس سے اپنی خوراک بھی حاصل کر لیتی
 ہیں۔ بات کی کسی اور قسم کی جڑیں اچھی پارک اور نرم
 زندگی نہیں ہوتی کہ چسپے کے ہر کار کا زہر بات کر
 اپنی زندگی پر قرار نہ کھیں۔ پاس رہا اس نے اپنی اہم
 میں یہ بات کے نقصانوں کی بات کر دیا ہے کہ انسانی
 نظریات کو محسوس کے دل و دماغ میں دینے ہی اثر
 چاہے جیسے تنگ سرسری رنگوں میں زندگی کی جڑیں
 اترتی ہیں۔ یہی انسانی ترقی کا نفاذ ہوتا ہے۔

میں نے کہ فیض صاحب نے جی بڑا دلکھ بات
 ہے انسانی کہی ہوگی؟ میں نے کہا، انہیں کہنے سے بتایا
 کہ انسانی کتاب میں صحت انسانی کا دماغ سے کوئی
 تفصیل نہیں ہے وہاں ان کی ہر ایک کی بنیاد ہے۔ حق
 کے بغیر کوئی نہیں ہو سکتا۔ انسانی زندگی کا سب سے
 بڑا زہر ہے صحت ہے۔

میں نے کہا، فیض صاحب! آپ مجھے اس
 بات چاہا کہ انہیں چھری نہ تھیں۔ "فیض صاحب! کو
 اوقات بلکہ بیشتر اوقات میری بے ترقی کی "نہ کچھیں"
 برداشت کر لیا کرتے تھے۔ انہوں نے میرے لیے چھ
 "یہ چاہا کہ انہیں چھری دیا کہ ان صاحب ہیں؟" میں نے
 بتایا کہ "چاہا کہ ان تمام پاکستان سے پہلے کی سرس
 میں کام کرتے تھے۔ وہاں کے رہائش میں علی مول قری
 بات قری کو کھڑا کر کے اس کے چاند طرف چھریوں

کی "آواز" ان "خانے" کا دل دکھا کر تے تھے مگر
 عشق کے احوال انہوں نے انہوں سے محروم ہو گئے اور پورا
 حسیاتی میں "کوڑے" کی قبر کے قریب ایک جگہ میں
 رہتے گئے وہ ہیں ایک دوا دینی خلی جس کی طرف
 لڑکھ کر تے ہو گئے۔

فیض صاحب نے "چھ" مجھے اس کے ساتھ
 کہیں "ما دے" ہو ہوئی "میں نے بتایا کہ" چاہا
 کہ انہیں چھری دیا کہ یہ قسط لکھنے کی کا مشورہ تھا کہ
 عشق اور محبت کے بغیر انسانی زندگی کو قائم کیا نہیں
 چلی سکتی۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اس ملک کے عمرانی
 ہوں تو تمام سکول "کالج" اور پھر عیسائی اور یہودی
 کا ورہ چھین کر دیں اور لوگوں سے کہیں کہ وہ انہیں
 میں محبت کریں۔ ایک آج میں محبت کریں، گئے وہ اپنے
 پاس سوار کے دھج کے "ریلے" کوڑے دھج کے
 گھڑی نہیں بچا نہیں گئے محبت کے حق حاصل کریں
 کے۔ پہل پہلے سے زیادہ مجھے ہو جائیں گے، انہیں
 پہلے سے زیادہ دوا دے گئیں گی۔ گلوں کے نئے اور
 گھڑی کی چھریوں پہلے سے جڑی ہو جائیں گی۔ صوب
 نظری اور چھریوں گرم ہو جائے گی اور سارے
 اور ہر سے دفن ہو جائیں گے۔

فیض صاحب نے پتے ہوئے کہا "میں چاہا
 کہ انہیں چھری نہ تھیں۔" "فیض صاحب! کو
 فیض صاحب کی زندگی کی آخری تقریبات میں
 سے ایک تقریب پارک ٹی پاس میں منعقد ہوئی تھی
 جہاں میں نے ان کی مصروفیت میں تمام کے تمام زہر
 قہاں کی چند گھنٹوں کے اندر قہے جانے تھے۔ ان
 گھنٹوں کی تقریر کرتے ہوئے کسی صاحب نے کہا کہ
 معلوم نہیں کہیں سے ہوئی ہے زہر قہاں کی انکی گھنٹوں
 کا قہر چھری کیا ہے جو اپنے اندر حویہ داخل لے
 ہوئے ہیں جب کہ انسانی حسیاتی میں آسمان میں
 جاتے جاتے صحت اور جوتہ سے جانے والی انہیں کی

ہوتی ہیں۔ فیض صاحب نے اپنے مصروفیت جڑات
 میں اس خیال کی گئی کہ انہیں حسیاتی میں آسمان میں
 جاتے جاتے انہیں نے کہا کہ "آسمان ہوا اور حویہ و
 مال کی چھری کرنا کوئی غیر انسانی عمل نہیں ہے جن
 لوگوں کی ان گھنٹوں میں آسمان ہوتے ہیں ان کے سر
 میں خیالات اور دلوں میں جذبات بھی ہوتے ہیں۔
 انسانی خیالات اور جذبات بھی غیر انسانی نہیں ہو سکتے
 اور جو غیر انسانی نہیں ہوتا وہ انسانی ہوتا ہے۔"

اس تقریب کے آخر میں چاہے پتے کے
 وہاں تقریب میں شریک ہوئے والے بعض
 نوجوانوں نے فیض صاحب کو گھیر لیا اور غلطی کی کہ
 ملک میں کوئی ایسی سیاسی پارٹی نہیں ہے جو کہ قہاں
 نظریات اور خیالات کو آگے نہ جانے۔ ہم تو جہاں
 کوئی نہیں بتاتا کہ ہم کیا کریں؟ زندگی کی یہ
 منصوبہ سے بچا ہونے والے ناکام میں جھجکے
 والے ہم نوجوانوں کی رضائی کرنے والا کوئی نہیں
 ہے۔ آپ بتائیں ہم کیا کریں؟

فیض صاحب نے کہا "محبت کرنا"
 تمام نوجوان جہاں ہوئے "محبت کریں؟"
 محبت کرنے سے کیا ہوگا؟

فیض صاحب نے کہا "محبت کرنے سے
 قہاں سے خیالات اور جہاں میں چھریوں میں لپٹا آئے گا،
 جنہیں زندگی انہیں لگے گی، زندگی کی قدر ہوگی، یہ
 منصوبہ سے لے گی، زندگی کی بہت سی آوازوں اور
 برائیوں سے بچا جائے گا، بہت سی غریبوں اور
 اچھا نہیں کو لگے گا کہ یہاں کو محبت کرنا بھی ایک
 انسانی عمل ہے، انسانی زندگی کا بہترین عمل ہے۔

مجھے یوں لگا جیسے زندگی کی جڑیں تنگ سرسری
 رنگوں میں داخل ہو رہی ہیں۔

☆☆☆

فیض کی شاعری، چند تاثرات

”و شعر طوطی ہوں۔“

فانی کہتے ہیں

بھول گئی آئی یا اہل آئی، کیوں اور زمیں گھٹا ہے
کیا کوئی دشتی اور آہنچہ، اکوئی قیدی جھوٹ کیا۔
اور فیض

”ٹھٹھا جو روڑی زمیں تو دل یہ گھما ہے

کہ میری مانگ ستاروں سے امر کی ہوگی

ان دو انتہائی غلو صہبت شعروں کی قدر و
میزان صہبت کرنا یہاں قصور نہیں بلکہ ان کے فطری
ہارے سے ہے۔ فیض کی شاعری کے بعض پہلوؤں کو سمجھنے
کی کوشش کرنا ہے۔ فانی کا شعر فزل سے ہے جب
کہ فیض کا شعر ان کی مشہور نظم ”نار میں میری گلیوں
کے“ سے ہے۔ اس لحاظ سے ان کا تھیل کرنا
ثواب مناسب نہ ہو لیکن ان جہوں میں تھیل کرنا
قصور ہے وہاں شاید اس کی کوشش ہے۔

فانی کے ہاں زمیں گھٹنے سے فصل گئی اور
اہل آنے کے اسکا کات یکساں طور پر چھوڑتے ہیں
لیکن ان سے پیدا ہونے والے دانے بادل کا ایک ہی
سہ سے ستر کرتے نظر آتے ہیں۔

دشت لڑاکو شعور کا سادہ دانی سے گندہ ہانے
کی منزل ہے اور اس لحاظ سے شعور کی صہبت۔ قیدی
جھوٹ جانے سب زمیں سے اور یہاں زمیں گھٹ
کے حق میں ہے تو وہ اہل کی نکالی ہے۔ اور ان کا
مطلب ایک ہی ہے قیدی صہبت و بند ظلم اصل میں دونوں

ایک ہیں۔“

فیض کے ہاں دو زمیں نہیں گھٹا۔ روڑی

زمیں کی بات ہے اور وہ بھی روڑی زمیں کے بجائے
کی لیکن شاعر کو گمان ہوتا ہے کہ اس کے محبوب کی
مانگ ستاروں سے امر کی ہوگی۔ فانی جو فیض دونوں
آخری سے پیدا ہونے والی صہبت اصل کا ذکر کر رہے
ہیں ایک دو زمیں کے گھٹنے سے فانی مانگا اٹھ کر رہا
ہے اور دوسرا روڑی زمیں کے گھٹنے سے صہبت نہ کرنا۔

فیض نے ذرا اپنے شعروں میں صہبت صہبت
کو محبوب بھلا ہے، لیکن اس کے خلاف سے اور افکار
ہاں فزل کا ہے (یہ شعر فزل میں بھی ہو سکتا تھا) اس
کے باوجود روڑی زمیں کے بجائے محبوب کی مانگ اور
پھر اس میں ستاروں کی انکسار کی بات فزل کے
روڑی گھٹے سے بالکل مختلف ہے۔

اور اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ یہاں شعر فیض
کا ہے اور دوسرا فانی کا تو آپ اس کو نہ شاعر کی
دہانت اور دونوں شاعروں کے حوالے سے واقف
کر دلیں گے۔

فیض کے ہاں روڑی زمیں سے شعر میں تو محبوب دلیں سے
قصور کر دیا گیا ہے لیکن یہ شعر بلا صہبت
دو گھٹنے کی صہبت سے کی مر گئی ہے
تو فیض دلیں میں ستارے اترتے تھے ہیں

یہ شعر ناقص فزل کا ہے لیکن اس کے مضمون کی
جہت بھی ستاروں سے امر کی ہانے والی مانگ والے

شعور کی ہے۔

فزل کی دہانت سے ایسا ہے ایک صہبت
رکھتے ہیں۔ جسکی جہ ہے کہ فزل کے شعروں کا مطالعہ
کی ایک سے زیادہ سطحوں پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اسے
فزل کی شعور میں بھی کہا جاتا ہے اور اس کی توانائی کی
نکالی گئی۔

گھٹے یہ کیا جہ ہے کہ فیض کے اس شعر سے
دلیں گھٹے اس مضمون کی طرف کم کم ہاتا ہے جو
ہماری روڑی فزل کا کات ہے صہبت اس گھٹے کہ فیض
کے ہاں گھٹے کے ذکر کے ساتھ ہی دلیں میں ستاروں
کے اترنے کا ذکر کرتا ہے جہاں روڑی فزل سے پیدا
ہونے والی واقعات سے بالکل مختلف ہے۔ فانی کے
شعروں میں دہانت فزل کے تمام کات سے ایک نامہائی
صہبت کو نکھیل دے ہے جس میں گھٹے کا کات ہے اور
اس میں دشتی بھی ہیں اور قیدی بھی، فصل گئی گئی ہے
اور اہل گئی اس گھٹے دلیں سب سے پہلے اہل دلیں کی
طرف ہاتا ہے اور پھر اس سے اس کے کوئی مضمون کی
طرف جہاں فانی کا یہ شعروں کے زمیں کی طرف فانی
دلیں کی ایک غلو صہبت مثال بن جاتا ہے۔

اس کے گھٹے ”دھڑکی“ والے شعروں میں ایک ہی
کا کات پیدا ہوا ہے جس میں گھٹے سے اور پھر دلیں
ہے لیکن اور صہبت کی صہبت سے روڑی گھٹے سے مختلف
کر دلیں ہے اور دلیں میں ستارے سے اور پھر
تکھے ہیں۔ یہ کات اور دلیں کا کات ہے اور دہانت اور

حقیقت کا ان کا محبوب مراد ہے جو ایک گھن ہے جس کی پہچان بھی مغربیوں نے نہ کی۔

فیضی قلم ”جو عشق“ میں ادنیٰ محبوب کے عشق کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

آنکھوں سے نکلا ہے کبھی وسوسہ مہاکو
ڈال دیا ہیں کبھی گردِ پیہرِ مہتاب میں ہاویں
اور پھر کہتے ہیں۔

چاہا ہے اسی رنگ میں لپکا لے وطن کو
تربیا ہے اسی طور سے دل اس کی گھن میں
اور پھر

اس عشق، نہ اس عشق پہ دم ہے مگر دل
ہر داغ ہے اس دل میں مگر داغِ عادت

فیضی کے یہ دونوں عشق الگ نوعیت کے ہیں، لیکن ادنیٰ سے عشق کے اعتبار میں انھوں نے جو انجیری استعمال کی ہے ”دلی ہے جو ہوں کے ادنیٰ“ محبوب کے لئے دلف ہے۔ کبھی جب ہے کہ ان کے پاس محبوب کا تصور ایک ادنیٰ نشان لے ہوئے ہے اور فری کی قسم میں ہیں۔

فیضی سے پہلے اقبال نے غزل میں مراد سے گذر کے انداز، بلکہ آفاق کی طرف رجحان کیا۔ فیضی اقبال کے پیرو ہیں انھیں ہو سکتے تھے لیکن اقبال اور فیضی کے بچے مختلف ہیں۔ اقبال کے پاس ایک مضمرانہ حال ہے، ان کے پاس گمراہ ہے لیکن ان کی جاتی طبیعت ان کے گمراہی جلدی نظر آتی ہے اور ان کے کائناتی دامن کے باعث ان کے پاس غزل کے کائناتی عناصر میں کم نظر آتے ہیں۔

فیضی روایت کو لے کر چلتے ہیں، لیکن روایت کو اپنی فکری افادہ کے مطابق اپنے مطلب کے لئے ڈھال لیتے ہیں۔

اقبال اور فیضی دونوں فارسی اور اردو میں فارسیت کی روایت کو استعمال کرتے ہیں۔ اقبال کے

پان فارسیہ کا حال ظاہر ہوتا ہے فیضی کے پاس فارسیت سرسبز حال میں جاتی ہے، فیضی کی شخصیت کی طرح ”فیضی کا لہجہ عریض ہے اس میں غمخوار ہے درد چاہا ہے ایک لہجہ ان ہے، فیضی فرصت کے شاعر ہیں۔

فیضی کی شاعری کا آج تک گہری طور پر ایک غمناک نغمہ کی طرح ہے جو میدانوں سے گذر رہی ہے۔ گو یہ نغمہ پہاڑ سے آتی ہے اور فیضی کی شاعری بھی میدانوں کی قوت ہے لیکن اس کی صورت لے ہوئے ہے لیکن ایسے رنگستان میں آتے جو غمخواروں کو ہنسائے۔ کیونکہ اس لئے کہ فیضی کو یقین ہے کہ ان کا محبوب دل جانے گا، بلکہ آج پانچھ تو محبوب ان سے جدا ہوتا ہی نہیں۔

سلیسوں پر خاموشیوں سے ہے
حیرے ہونٹوں کی ڈلی گچی دلی
نیروی زلفوں کی مسکن بدلتی دلی
حیرے ہاتھوں کی چاندی کٹی دلی

آخر تو ایک روز کرے گی نظر وفا
وہ یار غزل غداں سرِ جام ہی تو ہے

صبح بھٹی تو آسمان پہ ترے
رنگِ رطبار کی پھپھار مری
دلت چھٹی تو مئے عالم پر
حیری زلفوں کی آبِ ہر مری
کہہ دے میں تیرا سونہو، کہہ دے میں تیرا لبت لبت
صد مگر کو اپنی راتوں میں اب مری کوئی رات نہیں

آج کی شب دھال کی شب ہے
دل سے ہر روز دھال ہے دلی

ہر کی شب تو کت ہی جانے گی
مراہ دھلِ صم کی بات کر

گر آج تھو سے جدا ہیں تو کل ہم ہوں گے
یہ بات مری کی بدلتی تو کئی بات نہیں

دلی فراغت گراں تو ہو رہے گا طے
تھماری چاہ کا جو بحرِ حلام رہتا ہے

مہا نے ہر دور دعائیں پڑائے دی دھک
مر قریب ہے دل سے گو نہ گھبراے
اور پھر

فیضی نے کس میں اتھارے تھارے کس میں نہیں
ہمیں میں آج کل گل کے گمراہ کا موسم
کہا گیا ہے کہ فیضی کے پاس جذبِ جہالت ایک غالب صفت ہے۔ یہ بات جڑی طور پر درست ہے لیکن اس میں تھوڑی ترسیم کی ضرورت ہے۔ فیضی کو شہید ہونے کا عشق نہیں، لیکن ان کو شہادت سے گریز بھی نہیں ہے۔ لہذا وہ گنگا بات ہے کہ فیضی اپنی تھوڑا قبول کرتے ہیں لیکن کبھی تھوڑا دلی تھوڑے تھوڑے کی تھوڑی زبان میں اس تھوڑے کے ذریعے بیان کرتے ہیں کہ گمراہی ہے۔

فیضی سمجھتے ہیں کہ مری فیضی کی اپنی عشق ہے، اور ایک حرکت ہے، وہ کسی کے دے کے آگے گام نہیں لیکن یہ بھی نہیں کہ اس میں لڑکائی کو دیکھیں۔ فرق اس گل کا ایک جذبہ ہے۔ اس کی اپنی قسمت تاریخی عمل کا حصہ ہے۔ مری کی قسمت کو اپنے اس کی نوعیت، کسمپانی، کائناتی کا مطلب مری عمل سے سمجھیں۔

تاریخی عمل پر ایمان اور اس میں اپنی اذیت کے ساتھ سمجھیں کہ اپنے کے بعد فیضی کے پاس سب جی رہا

ایک باہی جگہ تلاش کرتی ہیں اور ایک قوالان پورا ہو
جاتا ہے، ایک لقمہ جاتا ہے۔

فیصل کو اس قدر سے بڑا ہے وہ جو چارٹی ٹیبل
سے حصہ ہے اور چارٹی ٹیبل کی سمت ٹیبت ہے اس
لئے فیصل آرام سے بیٹھتا ہے اور سر سے قدم رکھتے
ہیں، لیکن آگے کی طرف، ہاتھ اُن کے کچے کی ان
کے لیے کی ہو رہی ہیں۔

فیصل حواس بچنے کے آسودہ حال گھرانے میں
بیوا ہوئے اُسے کہتے ہیں ڈاؤن ٹم، اس میں پورٹی
پائی۔ آسودہ حال حصہ بچنے کے گھرانے میں انھوں
سے اشرافیہ کی تعلیم ملتی پائی۔ اشرافیہ کی بہتر روایات
میں ہم دینی اور سب سے بڑا کہ اس وقت کا حوالہ دیا
کرتا ہے فیصل بھی اشرافیہ کی ان باتوں سے لاعلم
ہوئے۔

فیصل کی طبیعت کا یہ اشرافیہ اعتقاد ان کے
تاریخی شعور سے بڑا شعور انسان سے ہم آہنگ ہے
لیکن ان کی شاعری کا خیال ہی بوجہ رنگ ایک ہے۔
کبھی کبھہ خاص طور پر شرمناک شرمناک میں،
فیصل کے وہاں وہ رنگ نظر آتا ہے ماسوائے انہما،
لیکن وہاں بھی فیصل ماسوائے نسبت کم جادوں، کم تھنے
میں ہیں۔

ہر ایک آدمی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ دوسری
جگہ عظیم میں جانیوں نے ان لوگوں کو تھپی اور
بھرگی پکھلاؤں میں بیٹھ کر انہیں کے شانہ و شو
دہنے اور بڑا آگے باعث انسان سے جو ان کی
جگہ۔ باواسطی حق کے لوگوں کے لئے لوگ تھے دوسری
کیتھولک، اشرافیہ اور کیتھولک، مذہبی کیتھولک اس
لئے کہ ان کا اپنے سب سے انجان پندہ قوال اشرافیہ
اس لئے کہ وہ قسمت کے ہر چہ حال سے بے نیاز تھے
اور کیتھولک تاریخی ملکی ڈاکٹر بہت دور اس کے گھر
انہاں دیکھتے تھے۔

فیصل کیتھولک ہیں یا نہیں، مذہبی کیتھولک
ہر حال نہیں ہیں، لیکن اشرافیہ طبع ضرور رکھتے ہیں۔
ایک دوسرے اسطافی نظام میں ہیں کیے کر
فیصل مولیٰ ہیں جو یہ طبعی ہونے کہہ کر ٹھیک کہہ۔
مظہر یہ گئے، یہ قسم ہم کو گوارا
ہم سے تو خدا دے علم کرتے رہیں گے
اک طرز قاتل ہے سو وہ ان کو سہاگ
اک طرف ملتا ہے سر ہم کرتے رہیں گے۔

فیصل اور چہ حال سے مستحق ہیں تو ان کے پاس
سرشاری کا ہم بھی پلا جاتا ہے۔ تو مٹی اور کھن
وہ عالم بھری کر رہی ہے۔

کہاں ہے منزل رہ نہ تمام ہی دیکھیں گے
یہ شبہ ہم پر ہی گذرے گی مگر فراموشی دیکھیں گے
ظہور اعدا، محال دے لیا ہم بھی دیکھیں گے۔

ہوئی مگر احسان مٹی کی تو یہ ہم لطف
ہر اک جانب بچا کرام دارو کیر ہم لطف
گئی کوچوں میں بھری شورش زلف ہم لطف
سر مٹی چلے بے دھت تھمیر ہم لطف
ہوئی مگر احسان مٹی کی تو یہ ہم لطف

چشم نہ جان شوریہ کافی نہیں
جہت مٹی پائیدہ کافی نہیں
آج بازار میں ہاتھوں چل
دست بٹلیں چل، دست و دھن چل
خاک ہر چل، خوش چلایں چل
وہ نکلتا ہے سب شر چلایں چل
اور بھرتی کتے ہیں۔

حاکم شر بھی، مٹی حق عام بھی
جو آرام بھی، کجک دشام بھی
ان کا دم سار اپنے سار کن ہے

شر چاہیں میں اب یا سنا کون ہے؟
دست قاتل کے شیلوں سار کون ہے
دست دل ہندہ کو دل قاتل چل
مگر ہمیں مل ہی آئیں یا نہ چل
اور سر دے گی تو یہی کیا تھا نہ کہ "قریبات
شہر"

استغنا اور سرشاری باہی جگہ، لیکن فیصل کے پاس
مٹی قسم کی رہا ہے کبھی کبھی کا رہتا ہوا ہوتا ہے اور
قریب حساس زیادہ ہوتا ہے، واقعی وہ حالات کی
جو شہر پر چڑنے والی ٹکڑوں کے رنگ، ان کی تعداد
مٹی کی خوش، چرے، پیسے والی سکرانٹ کے
یہ واقفین اس کی خطا میں اس کی آواز دہات کی
تھیں اور ساز گاری، حوالوں کے شکار ہونے،
لوگوں کے حوالوں میں تبدیلیوں کے بیز سکرانٹ
چڑھنے میں طاق ہوتا ہے۔ اس کا دل سب کچھ دیکھتا
ہے ضرور غم نہ ہوتا ہے۔

فیصل کی شاعری میں یہ سب کچھ پلا جاتا ہے۔
اسطافی زبان میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ فیصل کی
شاعری انسانی حقیقت نگاری کی ایک عمدہ مثال ہے،
صرف اس لائق کے ساتھ کہ فیصل کے دے جاتی مل
کی دیکھا تو تحریک لئے وہ اپنا محبوب کہتے ہیں کے
حاصل سے مراد ہوتے ہیں۔

اور محبوب کے چہرے دے جاتے ہیں، اسی
یہ دے جاتے فیصل کی شاعری میں پائے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ فیصل کی شاعری میں
دارو قاتل کا جو طبع پلا جاتا ہے اس کا حصہ اور یہ
بہت ہی دلچسپ ہے اور مطمئن کے ایک ٹکڑے کی کہانے
اس کے لئے ایک افسانہ مراد کرنے کی ضرورت
ہے۔

غور کی ایک فرستہ ان کے ایک گیت میں
ہے

کا ایک آسمان کا رنگ بدل گیا ہے بعض جگہ پر بھی
ورجی گئی ہیں۔ صوبہ کا رنگ اچانک خالی ہو گیا
ہے۔ پہلے جو کچھ میں آؤ تھا اس کی صورت ابکل
تغلب ہو گئی ہے۔ دنیا ایک طرح کی پردہ تصویر کی قسم
کی جڑی محسوس ہونے لگی تھی۔ اس کیفیت کا بعد میں بھی
کبھی کبھی احساس ہوا ہے مگر اب نہیں۔"

اسی طرح کی شہادت دوا آدھو کے بارے
میں ہے کہ رات آئی اور میں پتے پتے اسے درج کر لیتی
ہوئی نظر آتی تھی۔ جتنی کراتے دنیا کی حقیقت کا تعین
کرتے کے لئے، دوا کا سہارا لینا پڑتا تھا۔

شعر کے بارے میں یہ کیفیت عام ہوتی ہے
یاد دہانہ کی فحش کے کہنے کے مطابق اب اس کیفیت کا
احساس انہیں نہیں تھا لیکن شاعری کی خصوصیت ایک یہ
تھی کہ اس میں کمال بھرا دیتا ہے اور نئے صوبہ اور
آنکھ سے نکلتا دیتا ہے۔

رنگ اور انہماکی مابین بڑے کی طرف تعلق
لے دیکھ کر کہا ہے اور اس میں قرارداد لانے کی خواہش
تعلق کے ہاں باقیات ایک مضمون بنی کیا ہے۔ خاص
طور پر جدہ اور کی شاعری میں تعلق کی طبیعت اب
قرارداد بنتی ہے۔

ایک لمبے شعر کا اس پار کھینچا ہے
ہوئی آئے سہری کی جانب سے بیٹا کے
ایک لمبے شعر کا کہ دیا کہ کھیں پات گئے
اور چاند بھرا
دور میں داخل کے کتا کو کے کسی گھات گئے

دوا کا ہے کہ ہر رنگ میں ہے مٹھ رہا
اور سکون بھی کر رہا ہے کوئی چاہتا ہے
اور "دوست دے سنگ" کی انھیں "رنگ ہے
دل کا سرے" "سور پاس رہو"

"قہر دے تھے تو درج درج تھی کہ ہے"

رنگ ہے دل کا سرے "طون بکروٹے رنگ"
مچتی رنگ مگی۔ راسخو چارہ رنگ

اور ہر فحش رنگ کی ایک بہانہ بچا رہے ہیں
کوئی ہر رنگہ بنا ہوا آئینہ ہے اور ہر

اب جڑے ہوتے تصویر کا دل رنگ اکوڑتے کوئی تھے
ایک جگہ پر شعر ہے

بھرتے تاک اور ہر اک جڑی اور کوکر ہے
آسمان نہ نظر نا کوکر نا کوکر ڈیشٹے ڈیشٹے

تعلق کی یہ قرارداد کی خواہش دل میں عام ہے
اس وقت کی کہیں صوبہ دل سے دور وطن کی خواہش

کسی پر سکون ماحول میں ہوتے ہیں صوبہ رنگ سے دور
نظر آتے ہیں اس وقت تعلق اس دماغی دنیا میں تعلق

جاتے ہیں جہاں دوا ہوتی ہے، جانا چاہتے ہیں، لیکن
لے دے اس دنیا میں، اس ادنیٰ حرکت میں قائم رہنا

چاہتے ہیں کہ ان کا خیال ہے کہ
الم نصیبوں، بھر لکھوں

کی کج اتفاق ہے نہیں ہے
جہاں پر ہم تم کڑے ہیں دلوں

سحر کا روشن افق بھی ہے
نہیں اپنی مثالی دماغی دنیا کا سکون جب دوا

لیجے ہیں اسی دنیا کے کسی کوئے میں تو انھیں علم ہوتا ہے
کہ چند لمحوں میں ہی سکون دہم رہیم ہو جائیگا۔ انھیں

علم ہے کہ کائنات فانی کے لئے کے ساتھ ایک ادنیٰ
دنیا میں جانا کیا تھا اور میرا ہے دوا کی آواز دہا رہے

سوچ رہا ہے وہ چاہتے ہیں کہ دنیا کو حالات کو قرار
آجائے۔

اس قسم کی شاعری میں مثال دے انھیں بھی ہیں
جو شعر ہیں۔ سکون کا شاعری اور شاعری کا "سحر"

رنگور، سائے، شہر، منزل دور، حلقہ نام
ہم ہے سید صوبہ کھار، آہ

اور آخر میں

دل نہ دے کوئی طرف دغا آہستہ
"قہر دے کہا تہا آہستہ"

چاند نے جگ کے کھانا
"سور پاس آہستہ"

اس طرح کی نظم ہے "ایک ادا کی شام"
تھوڑا سا اس قسم کا مجموعہ دیا جاتا ہے کہ

سے سانس بھی آہستہ کہ جاک ہے بہت کام
آفاق کی اس کوکر شوق گری کا

تعلق کے ہاں اختلافات میں جو سادہ آہستہ
بہاؤ انھیں کے قریب آتی گئی ہے خاص طور

پر ملک دلی میں تعلق ہوا پتلے ہیں جیسے ہوا ہے
ہوا جیسے ایک چمکا مٹھاپ نہیں کام کر رہا ہوا۔

ملک دلی میں کے ہاں اگر صوبہ ہو گیا ہے۔
علم میں تعلق نزل کی ایک تھک کر نا خاص طور پر

استعمال کرتے ہیں اور وہ یہ کہ چھوٹے چھوٹے نام
تالیف، ہم دیکھ سکتے ہیں اس نظم میں اپنے کچھ

باتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح وہ علم میں نزل
کے جڑی مثال کے جاتے ہیں۔

اسی طرح تعلق کے صوبہ میں کے بعد بھی وہم
کے بیچوں (مگر یادوں کی سادہ سادہ سے عطا دے پیدا

ہوتے ہیں
شاہیت "صوبہ تیری سہرا انگوٹھ میں"

میں
یہ صوبہ کوکر شام چلے

تھے ہیں ادنیٰ وقت جہاں
جودت دلی، جانا جگہ رنگ

لی کر کوکر، لی کر میں دھواں
اس صوبہ کا سرے، لی کر دلی

اور ہر کوکر کی ایک پہاڑ کی چٹک
دلی اور دلی

یا "رنگ بے دل کا سرے" میں
 قدم آئے تھے تو برج دی چمی کر رہے
 آسمان بخد نظر را کجوزا کجوزا شیشے شیشے
 اس نظم میں "رنگ" کی عمر گیسٹ کا ملبہ کیا ہے
 یہی خصوصیتیں "پاس" میں بھی چاکتی ہیں
 یا ہر "زندان زمانہ" کا الحق، جسٹس محض تھیں
 سے "شیر۔"

"دست و رنگ" تک آئے آئے تھیں کہ
 کلامیت ہوئے گی کہ
 تم یہ کہتے ہو "رنگ" ہو گی بجلی
 جس میں رکھا تھیں ہم نے قوم
 باطنی کا سینہ استیصال ہوئے لگا ہے
 آئے تم کو جاں کی تلاش تھی آئے جاں نہ پائے گئے
 اور

کوئے پہاڑ میں نکلا میرے لہو کا پر ہم
 دیکھتے دیتے ہیں گل گل کو خدا میرے اور
 ہمار "داوی" میں
 کہیں نہیں ہے کہیں بھی نہیں لہو کا شراف
 دوست و دشمنی کا دل و آستین چلے
 "قیامت" میں شاعر کو فرمت کے لئے
 لے ہیں تو زندگی کی شاگ تنگ کر کے لگا ہے۔
 باطنی پادے لگا ہے، ماحول خدا کے کلمات
 ہوتی ہے "وہا" ہوتی ہے موت کا کیجئے استیصال ہو گا یہ
 مومنات عام ہیں۔

یہاں آئی تو تھکے بہار
 کوٹ آئے ہیں ہمارے ہم سے
 وہ خواب ہمارے خواب ہمارے
 جو میرے ہوتے ہیں میرے تھے

جدا ہوتے مسکرائیں
 جدا ہوتے دل جانیں

اسے شام ہیراں ہو
 اسے شام شریاں ہو
 ہم چاہیں ہو

نہ اب ہم ساتھ سیر ہی کریں گے
 نہ اب ہی کر سہل چلیں گے

ہم کیا کرتے کہہ چلتے
 ہیرا شمس کا شے ٹھہرتے
 جس روپے میں سے گئے
 ہیں پاؤں اٹھایاں ہوئے

ہم نے سب شعر میں سوندا ہے
 ہم سے چنے تھی تمہارے تھے
 اور ہر چہ خواہست نظم "میں روزِ خدا آئے
 کی" اس نظم کا سادہ کرنا اچائی و شان کا ہے۔ اس
 میں بقول کی "میں شمس" اور ہی ملا تھی ہر دے ہر
 ہیں جو ان کے شعر کو بحال کی بلدی ہیں پر پہچانی ہیں۔
 شاعر تھا کہ ایک قدرتی عمل کے طور پر ہی تو ہی نہیں
 کرتا بلکہ ایک کامیاب زندگی کے ایک حسبِ حال
 کے طور پر لکھا ہے۔ موت ہیچ آئے گی جسے "مول
 شمس" ہے حسبِ پہلے بیکل "مرمت" اور سب جس سے
 کھلے تھیں ہر دست مصلحت کے ہر دور کہیں "دوست
 اہل ان گاہوں کی ہر ایک ایک چیز حسبِ وقت پائے
 تھے "میں موت کا شکر گزاری کے ساتھ ہی قبول کرے
 کہ زندگی کے آخر کی اس سے خود کشاں کیا ہو گی کہ

دل سے جس ہو گی سچی حرف و دل کی صورت
 بلکہ اللہ ہاہم دل دل رنگیں
 کہ شمس نام بپ شریاں وہاں
 "میں اپنی کرنی کر گزرو" میں ہی گئے گئے
 دیتا کا ذکر ہے

بپ تھیں اس دن کا ذکر کر
 جب دل ٹھہرے ہو جانے کا
 ہر وہی ہوا امام گفتگو
 یہ دن تو وہی پیدا دن ہے
 یہ پیدا دن تھا ہیات کا
 اسی لئے

تم خوف و خطر سے "گزر
 یہ ہوا ہے "یہ ہوا ہے
 کہ جتنا ہے تو جتنا ہے
 گھومتا ہے تو دوتا ہے
 تم اپنی کرنی کر گزرو
 یہ ہوگا دیکھا جانے کا
 اور اب بقول کا ہوا جو ملامت کی دخول سے
 گزرو "یہ" لگدڑی دلا ہے "شام شریاں"
 کے ہر شاعر پر قیامت گذر گی جس کا ذکر شعر میں
 فی الحال نہیں تھیں۔

شام ہے کہ خواہست کھنڈوں کے شہر و دیہات
 میں باسرفات کے ایذا کو اڑا دیں جب شام کے
 سامنے دوا ہونے لگتے ہیں تو فقیں نے فتنی میں فتنہ
 فروغ کر دیتے ہیں۔ وہاں انھیں کی کا اٹھارہ گھنٹہ
 وہم ہو کہ "ناہرہ" ہو گا کہیں ہر چہ جانے کا "بلکہ اس
 کے رخصت فتنے نے ایک بار کہا تھا۔

ہاتھ کھیلانے ہوئے فتنی ہے فریاد کھن
 ☆☆☆☆

طبقات میں جمہوریت اور سوشلزم کیلئے آٹھ گیارہ
 دہائی تھیں۔ اس کی شگفتہ ایک لکھی میچ کے حوالے
 سے ہو رہی تھی جب لندن میں جرمنی اور فرانسیسی
 پتھاروں نے گامہ مارا کیلئے سسکا ہو رہے تھے تو گامہ
 لڑنے آئے اس بات کیلئے غم کا نشانہ بنایا جانے کا کہ
 اس نے مخلوق سے حق کا مطالبہ کیا تھا۔ لیکن صاحب
 لوگوں کی اپنی انگلیوں کو زبانیں نکالتے رہے۔ وہ
 جانتے تھے کہ پاکستانی محض غفلت کا اور اور بے زبان
 مخلوق نہ ہیں بلکہ سبھی زندگیوں کی طرح آزاد
 خواہ ہیں۔ دشمنوں کی ہڈیوں پر چھریاں پھا رہے ہیں۔

دلی پر دہلی کے چاروں طرف غم کے نام
 ٹپسی اٹھتی، دہلی اب دہلی کے نام
 دہلی کی چاروں طرف کی گلیوں کی آگ کی گلیوں اور
 دلی کی گلیوں کا گامہ لڑا ہے تاکہ ایک نئی سیاسی احساس کی
 نشان دہی کی جو سید ویدل اور مردم طبقات کے دلوں
 میں موجزن رہا۔ دہلی کی کنگ دلوں میں محسوس
 کرتے رہے۔

بکر کی آگ بھری ایک دلی کی گلی
 کسی پہ چاند بھری کا کنگ دلی کی گلی
 لیکن صاحب کے شعر نے ہمارے دلوں میں
 دور کے جوانوں اور اس کے شعور کو نمایاں طور پر
 متاثر کیا۔ میری نسل کے لوگ اپنی سوچ کی ذمہ داری
 اور تکلیف میں آج تک اس کا اثر کو محسوس کر رہے
 ہیں۔ 1968ء میں جب کنگ دلی پہلا بارش دیا
 مسلا گیا گلیاں تو بکراؤں نے سیاہی کارکونوں کے
 ساتھ ساتھ لیکن صاحب کو بھی گرفتار کیا۔ اگرچہ ان
 کا مزاج سیاہی پارلنوں سے کوئی براہ راست
 واسطہ نہیں تھا لیکن بظاہر یہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ
 "Opinion Maker" ہیں اور رائے
 عامہ کا اثر بھی کرنے والوں میں سرگرم رہتے
 ہیں۔ اہل کراچی میں شرقی پسند سوچ اور حدود

تحریک ان سے الپا ہو رہی تھی۔ اس وقت کے
 سیاسی تجزیہ نگاروں نے بارش دلی کے انقلابی بڑی
 جہ کرنا چاہی میں سوشلسٹ خیالات کے فروغ کو کنگ دلی
 اس میں کوئی سہارا بھی نہیں۔ یا اثرات ہندی آپ
 تاب کے ساتھ 1970ء تک جاری رہے اور
 باوجود کنگ دلی 12 سال تک مسلسل مارو کر نہ پاس ہندی
 انگریزوں کو بھی اور گورنمنٹ پر دلی بھی لیکن کراچی
 میں شرقی پسند جماعتوں کی حمایت میں کوئی کی تاریخ
 نہیں ہوئی۔ پاکستان کے پہلے جمہوری انتخابات
 میں شرقی پسند جماعتوں کو بڑی تعداد میں ووٹ
 ملے۔ اگرچہ اپنی ناقص زبانی تو انہیں کامیابی بھی
 ہو سکتی تھی تاہم اس سے سوچ کے دھاروں کا اندازہ
 کیا جاسکتا ہے۔

سیاست کی نئی جنسی تحقیق کی جا سکتی ہے۔
 سوچ انگریزوں سے جس کو "Ideology" کا نام
 دیا جاتا ہے۔ عقیدہ صحیح یا سونے۔ جب عقیدہ اور عقلم
 طبقات اقتصاد میں شریک ہوں گے اسی کو انتخاب بھی
 کیا گیا ہے۔

یہ دیکھتے ہوئے نہیں کی گزری تھی
 کہنا تھا کہ مرنے کی صورت میں جان کرنا ہے
 یہ بھی نہیں پتا چلا ہے یہ بھی جانے کا
 کہنے کے لیے میں تھا بلکہ ادا کرنا ہے
 لیکن صاحب کی شاعری ان نوجوانوں کو
 حیرا کرتی ہے۔ یہ مثال اس بات کی اچھا ہے نہیں
 دیکھ کہ ان بھلاؤں کے حوالے سے الگ الگ انگلی
 کی ہاتھ اور لیکن صاحب کے تحت بھری وضاحت
 کی جاتے۔ اس کیلئے جنت اور دشت بھری ضرورت
 ہے۔ جو ادب کے لیکن اس طرح سے اہم
 دے سکتے ہیں۔

شاعری تھیسس (Thesis) یا تحقیق
 (Synthesis) تھی ہے۔ اس میں تسلیم کے

ساتھ ساتھ اور ایک زبان و کلام کو بھی خود رکھنا چاہتا
 ہے۔ اس لیے یہ واقعہ ہے کہ لیکن صاحب کی
 شاعری کوئی سیاسی مشورہ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ
 انسان کے وہ باتوں کو ایک پیداواری اگلی کہتے
 ہیں۔ حدود، کسان اور صنعت کش پیداواری اچھا و کلام



لیکن صاحب اور ان کے ساتھی

فیض کی کلر سیم

[illegible]

مصوروں کی زبان میں رنگوں کا خضہ اور گرم رنگوں میں تقسیم کیا گیا ہے 'باہر طبعیات و روشنی کے اختصار و طرف میں غلطی 'ایلا' ہنر 'مجاز' اور ان کی اصول رنگ یک جا دیکھتے ہیں۔ وہاں کے کتب گزرا ایک عظیم Chrysippus کہا ہے فطرت نے ہاؤروں کو سن کی خاطر پیدا کیا ہے اور وہ اس کے رنگوں سے لطف اٹھاتی ہے۔ تو گناہ خستہ کہا ہے صن کا اعلیٰ پایدار طور پر مرنی شیا پر ہوتا ہے اور اس کے حلقہ ناس کے کئی فی قصبات رنگوں سے ملوڑ ہوتے ہیں تاکہ پیسے رنگوں کے کائن کی حقائق نیکیں ہوں اس کے بعد بدو راج سمیت اور رنگ سے صن کا اظہار ہوتا ہے 'اور تادہ کہا ہے رنگ بھرتی ہے۔

میں طرح قسم کے رنگ لٹوئی اور کھیریں کے ذریعہ دیکھنے کے عمل میں حیرت کو جنم دیتے ہیں اور ان کے ذہنی آنگ سڑا ہوں میں سے ایک

مصور تین اقتدار کرہا ہے۔ چاہر " رنگ " قوت
 ہوا سے خلق رکھے اور ایک مٹی
 "Element" ہے جسے انسانی وجود میں حواس و
 احساسات و فکر کی دلچسپی اس طرح کو گونگی گئی ہے کہ
 جہالت کو سمجھ سے بچھو دیکھ کیا ہاسکا "نہم اسی
 صفا کی تجربے سے ادنیٰ اشعر کے کی جتنی تھوڑی سی
 کائناتی کر رکھے ہیں۔ شاعری میں کی جہالت پر رنگ
 پہاڑے خود بخود ہیں مصلحتوں کائنات کے نشان نہیں اس
 طرح شاعری رنگوں سے جو استعارے وضع کرتا ہے
 وہی انھار کے حامل ہوتے ہیں جو شاعر نے ان کو
 طالعے کی حلاوت پر ہونگی نہیں ہے کہ شاعر نے کسی
 لہو کی ترکیب "خٹلے" اشارے سے یا طاعت کے بغیر
 "رنگ" کو اس طرح اپنی کر کے کی آتش کی کردہ
 مصلحت ایک کٹی جان مضمون ہو جس کی جاری اپنے اور اک
 کی کردہ سے اس رنگ کے کڑا ہے کسی شاعری حقیقت یا
 شاعر کڑا دیتی ہے کی جانب مضمون ہو سکتا ہے۔

آراء و محنت کی وجہ سے فقط ”نگاہِ انکساریہ“ کو یہ معنی دے دیئے گئے ہیں۔

”تجلیت نام روپ“ نامی رنگ کا شکیل کرد
 طرز روش انداز اس کے طور طریقہ عالی احوال
 حالت کیفیت استوار خود بخود ہوا ہوا ہوا ہوا
 کوئی نام نہ ملے نظر دینے کوئی کوئی کوئی کوئی
 اس نامی رنگ کو کوئی کوئی کوئی کوئی
 کوئی کوئی کوئی کوئی کوئی کوئی کوئی
 کوئی کوئی کوئی کوئی کوئی کوئی کوئی

انسانی زندگی میں ہر لمحہ جدوجہد و محنت سے گزر رہی ہوتی ہے۔ انھیں جو کام اور اُمیدوار کے جوئے میں اپنا چاند لگا چکا ہے، وہ اپنا جہاد بھی مکمل ہے۔ یہی درجن، ہر لمحہ کی عملیاتی تربیت میں انھیں ایک رنگ اور صفت انسانی رابطہ ہے اور رابطہ تہذیب، سماج، مذہب، نفع پرے اور منتخب فکر کی بنیاد ہے۔ جب ہر لمحہ کوئی اُمت یا رنگ کسی تحریر میں بار بار استعمال ہے، تو گورو ایک عام کیفیت کے انھیں بار بار سے بیان کرتے گا کہ ان کے دماغ میں اس مسلسل عمل سے بے خیال انھیں ہے تاکہ انھیں دانا ایسا کیوں کر دے۔

دراصل شاعری کے کیوں پر شاعر کے ذہنی
منظرے سے میں کچھ الفاظ اس کے ”کمر پائین“
Colour Box میں شاعر اپنے لفظی استعمال سے
جب بھی کئی تصویر بناتا ہے اس کا غلطابہ نہیں ہوتا ہے
کہ اس کے رنگوں کا جو یہ ادراغ ہونا خاص طور پر وہ
رنگ جس کی انھیں ذہنی تصویر سے اھرے سے ہیں۔
شاعر کا میدان صور کے فکری اور انفرادی میدان سے
توڑے لطف ہے۔ ان الفاظ کا مربوط حرب استعمال
رنگ کے تحریک جازم تصویر کے ساختہ جازمے زیادہ
وضاحت کے ساتھ جان کر سکتا ہے ”مفرد“ ”مجرد“
”جدا“ اور ”مفرد استعمال کے شاعری کا کام سے
Functional metaphor ختم لیتا ہے جو میں
مستور زور دیتا ہے اور شاعری فکری تصویروں کے
رنگوں کا ادراغ کرتا ہے۔ کئی اختلاف یہ ہے کہ شاعری
کیونہا توئی ہے مثلاً یہ ہے اور ایک میں داخل کرتی

معیار غنم لیتا ہے اسی طرح شاعر
تجربات سے شعری ہاراک کو آخر تک
شاعری وہ جو صیف اللہ ہے ہر
شاعر کے فطری یاں سے ایک قسم
عصری ہنرمند لکھتی کرتی ہے۔

انور شامری میں ہمیں غزل کے میدان میں
 دل و دلی حاکم سوا سحر معنی، آفتاب و سحرست
 سوانح کے پاس بیکر زلف، سحر نگاری اور حدود المہر کی
 (بکی فیشنل نگاری کے نمونے ملتے جلتے ہیں جن کے مطالعے
 سے ان شعراء کے مخصوص استہلال شدہ استعارے
 شاعری ذاتی اور عصری زندگی پر گہری روشنی ڈالتے
 ہیں۔ اسی طرح نظم کے میدان میں انہماک کے مخصوص
 استعارے اور اختر شیرانی کے وہاں پورے رنگ تعبیر
 تاریخ میں اپنی انفرادیت اجاگر کرتے ہیں، انھوں نے
 اس کا انکی ادراکیت سے بھی استعارہ کیا ہے لیکن ان کا
 عقلی انتخاب جتنے کہ شعراء سے قدرے مختلف ہے۔
 انہوں نے غزل کی ہے کہ رنگ کا انتخاب ان کا گفتگو
 استعارہ ہے اور وہ ذاتی یا عصری معاملات کو ان رنگوں
 میں اس طرح سمجھ کر کہ ایک خاص سحر پیدا ہوا
 تشکیل پا جائے۔ ان کی کتب کا تاریخی و معاصرہ پلے
 جانے "عقل لڑھکی" میں آواز شباب کی وادعات
 محبت کے سفر جذبات اور نواہی کی تجاہات طرح
 طرح سے سمجھائی کرتے ہیں اختر شیرانی کی "سُطُح"
 کے دوہان پر "مراثت" "تراجم اک حجم نظم و
 کواپ ہے سُطُح" کے نامی سحر میں آسمان کی
 پناہوں "اوتے حصار اور بازگ و شے کی امن
 قیادت میں کو فراموشی کرنا مناسب نہ ہو گا جن کا
 مطالعہ "عقل کی خاموشی" میں اپنی مختلف آگاہ ہے نفس
 نہ لکھا ہے۔

—نہی ہوئی ہے پر ایک خاص قسم کی کیفیت
 ہے۔ یہ جو حالت تھی جسے ناکہ سہن کا رنگ دے دیا

ہے، بعض چیزیں کھیں اور باقی لگی ہیں، دھبہ ہر گھ
جائی کا ہے، ہر ایک طرف کی ہر قسم کی چیز
مخصوص ہوئے کچھ بھی نہیں، لیکن ہر ایک اور پہلی بار
کسی طرف کے رنگ مختلف کرتی ہے۔ "میں سنی
روایت کے اندر جتے تھے اور انھیں باقی رہا تھا
بچے کے بارے میں کچھ بھی نہیں تھا، ہر ایک طرف
یافتہ تھے، ایک رات چاند نکلا تھا، چاندنی جودہ
اگر اس کے کنارے کرکٹ پر پڑی تھی، چاندنی اور سامنے
پر سب لگ کر کچھ بچہ پر اور دھبہ لگے تھے، ایک
اور مقام پر نکلا ہے، "خوشی کچھ لگے، کھنوں اور کھنوں
میں کچھ دھبہ کے وقت، کچھ شام کے وقت، کچھ اس
قسم کا وہ آ جاتا ہے، جیسے "میں ہر کوئی پرستان ہے"
فیض نے کہا، تمام ان کے بارے میں حالت
سے سوچا تھا، انھیں ان کا اثر کیا ہے، چہ چہ کچھ بھی
ہو، کچھ خیال سے لگے کچھ بھی ہیں، "میں حساب
نہیں چاندنی، ہر ایک خفاش کے وقت اور کچھ
رہا ہے۔ اس طرف کچھ حالت ہے، فیض کے مخصوص
حکروں سے، اور ان کے رنگ شامی کا کھنوں کا
ہو، کچھ حالت ہے، شامی کی ذرا کچھ کے مخصوص
واقعہ کا اشارہ، کچھ مصری، ہر ایک ایسی مسائل کا
حال ہے، تو کچھ حالت کے کھنوں کے کھنوں کا
حیرت کچھ، ان رنگوں سے فیض کی شامی کی ایک
مخصوص حالت ہے، وہی حالت ہے، ہر ایک کے
میں ان کی شامی کا وہ کردار، سامنے اپنی حالت
دکھا ہے، جس کے باعث فیض کا وہ رنگ ہم مصر
شعر سے مختلف ہو، ہر ایک طرف کچھ ہے، اس طرف فیض
کے استعمال شدہ رنگوں سے ایک حالت اور مستقر
رہا، چاندنی ہے۔ "فیض فراموشی کے گہری آواز
تک، ہر ایک مخصوص طویل، نیم آواز، ہر ایک

تعداد بہت زیادہ نہیں، روشنی کا وجود ہم ہر طرف پایا ہے۔" اس جہاں میں ہمارا حلقہ والی دلی دلی و محبتی ملجے اتر آئے ہیں چاہے اس کتاب میں یہ سراسر "نورِ سبز" اور "لجے لجے" کے جو تصور ہیں، پہلی نگاہ میں ان میں زندگی کی مختلف قانات اور زوہر آو ہے۔ لیکن کمالی افق میں غور میں دست برد کی ضرورت محسوس کیے۔

2007年12月10日

تعمدہ انتظامیہ کے تحت

اسلام آباد کے قریب

مجھے کہوں کی غیبت کہات

John C. L. Clark

12/11/2014

1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 26

Abstract

1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 2680, 26

[illegible]

المجلس
العلمي

المجلس

Wang, Y. & Wang, Y. 2010. *Journal of Applied Ecology*, 27, 1000-1006.

جہاں تک ممکن ہو

524

چاہے کوئی کریمہ ہم جانے گی
اسی کتاب میں مرزا نگارشی کے مصحفیت سے
شک شکھیں بھی نکالی کا سبب ہیں۔ دست چھائی
آواز کے سامنے بھٹاؤں کے سرباب بھائی کے شہرہ
خاک دل کا شہرہ 'تجلی فرقی' بھائی بھائی 'بھائی بھائی' بھائی
کی رات بھائی بھائی 'بھائی بھائی' بھائی بھائی بھائی
بھائی بھائی بھائی بھائی بھائی بھائی بھائی بھائی
بھائی بھائی بھائی بھائی بھائی بھائی بھائی بھائی
بھائی بھائی بھائی بھائی بھائی بھائی بھائی بھائی

”کہاں نامہ“ میں جو رنگِ کفرت سے
استعمال ہوا ہے وہ سرخ رنگ ہے جس کی تشبیہات
انکارے، استحقاقے، تشبیہات اور لطفِ تیشیں کہیں

for instance, a hawk is a hawk"

فیلکی نے فیل یا تارکے انہی باتوں میں دلش کو
ایک کلام میں لکھا "میں ایلینے کی نظم پڑھا ہوں
یہ میرا میرے سو

Between midnight and
dawn, when the past is all
deception

The future, futureless, before
the morning watch.

When the time stops, and time is
never ending

رنگ جانے اور نہ کبھی نہ دیکھنے والے اس وقت کی
مطلق کو سمجھتے ہوئے فیلکی زندگی کی بار بار اپنی پریشان
اتے ہیں اور بخیر ہی کی یاد کرتے ہیں

Came into the garden, Maud
For the black bat night has
flown.

"نکلاں سامنے" کے بعد کا زمانہ فیل کی لئے
آخری کا زمانہ ہے جس میں امدادی پیش پھان ایک
بار بار فیل کے گھر میں آتا، مگر وہاں کا فیل اور کدو فیل
کی فضا میں بھر سے اندھا اور دھندلکھتی باتوں کی
طلب کا احساس ہو "دست دھنگ" میں "میں اس سرخ"
یہ "زندہ رنگوں کے طوطا سرخی" میں بھی "کافئی" نچنے
سہری اور آبی رنگوں کی مختلف تصویریں دکھائی دیتی
ہیں۔ یہ قید خانے سے باہر کی خاموشی ہے اس میں
تارکی ہے "تسیم گاڑی کے" خود گاڑی میں سرگشتی ہے
رات چاند اور تاریکی کی ایک طرح رات کا قتل اور طوطا
کبھی کبھی "میرا پاس ہے

تمہارے لئے تو میری رات کی قید ہے
آسمان پر ٹھہرنا اور زندہ اور زندہ شیشے شیشے
اور اب شیشے سے نہ کہ نہ رنگ ملک

کہ جس میں کدو جیسے کدو اس میں
دل کے کدو کے ہیں
اس کی ختم سے نا مٹتی کے
یہ چند قطرے میری آنکھ پر
ہر کے کدو سے پر دے گئے ہیں
بجٹ سے یہ بات نہیں
اسی سیاق میں دہلا ہے

وہ مڑوں جو میری صدا ہے
اس کے سامنے میں اور کہے
وہ سوچا زرخیز کی نظر ہے

اسی کتاب میں "سم جو چارک باتوں میں
بندے گئے" "مردانے کا وہیے پائیں" بھی آئیں
ظہیر بھی سمجھ رہی ہیں "کڑی شوقی کدو" نے
قرآن کے واسطے دیکھا ہے کدو کے کدو کی کدو کی ہے
فیل کی اس آئینہ تصویروں کے ہلکی "میرا" ہمارا
فرز "کی" "شمارا زردی" کے آئینہ تہہ میٹھے
ہیں بھولی طور پر "نکلاں سامنے" میں "میں رنگ کی
نکھوت سے بے رنگ سرخ" عثمانی کے کدو اور علم
کو سمجھا دینے والی یہ کتاب فیل کے فکری سفر کی
سب سے بڑی بدلت رات ہے۔ ایچ راہنہ نے ایک
چکر لکھا ہے:

"I believe that the proper
and perfect symbol is the
natural object, that if a man
uses "Symbols" he must so use
them that their Symbolic
function does not obtrude, So
that a sense and the poetic
quality of the passage, is not lost
to those who do not understand
the symbol as such, to whom,

ماری مجھ میں "میں مٹتی" رات "میں کدو" کدو
مٹتی "یہ آئینہ" تارکی فیل کے فکری سفر کے وہ
حرکات ہیں جنہوں نے فیل کے کدو فیل کا کدو
رہا ہے اور کدو میں شب سے "میں" رات
کرتے ہوئے "میں" کدو، رات اور فیل کے کدو
جہاں کی فضا میں دل جو کرتے ہوئے کدو کی
ایک لکھیا رات ہے۔

Is the night chilly and dark?
The night is chilly, but not dark
The thin grey cloud is spread on
high,

It covers but a little the sky.
The moon is behind, and at
the full
And yet She looks both
small and full

The night is chill, the cloud
is grey.

فیلکی کی شاعری کی محبوبہ کدو اس رات کی
تارکی میں اور تو یہ کدو ہے
یہ رات اس حد تک ٹھہرے
کدو سے کدو ہے مجھ سے
مجھ سے کدو کی کدو فیل
میں رات مٹتی ایک کدو میں
کدو اس کدو کے کدو ہے
بڑا درخت اب اس کے سامنے
میں رات چاند اور کدو کے ہیں
یہ رات اس حد تک ٹھہرے
کدو سے کدو ہے مجھ سے
کدو کی رات کے کدو ہے
یہ کدو کدو کے کدو ہے

اور جبکہ محبت بھی ہے لکھتے، تم بھی "شرعاً ازدواجی" اہل
تعلیمی بھی! شاعر کا دوست بھی وہی نہیں ہے۔ صحت و شفا
وہاں کا رنگ نسواں اٹا رہے ہیں جن سے حیاتی بیکر
خوشی میں مدلی گئی ہے۔ چرامیہ "مضغ" روشنی "آگ" کی
سرسبز ہوا آگہی کی تصویر میں ہے جو سیاسی و فکریاتی
اشارے بھی ہیں اور انکساری جذبات کے استعارے
بھی "مضغ" کا رنگ اور گہرائی تو جو ان نسل کے لئے
مستعد رہی گئی ہے۔ لیکن "گلاب" کا لہجہ بہار کے چابی
بھی ہیں اور سرسبز وندھانی کے "صمدی" کا "گلاب" کی
شاعری کے "فتح" میں محبوب کی "عاطفی صورت" بھی "ع
اقتصادی معنوں میں شاعر کے دل کے "دغم" سیاسی
معنوں میں "عجب" جان کی "انجمن" بہرہ کا "احتمالی" بھان
آخر میں فکریاتی "ساج" پر مبنی "دلی خیالی" کے "ع
عالم و دہاں کی خوشامی کے خواب" ہے۔ اور بے خاند

[illegible]

فیض احمد فیض

”نقش فریادی“ سے ”دستِ تہ سنگ“ تک

یہاں کے اپنا مقام ہیں اگر ہمارے دار و دار اسی لئے
چہہ کھینے والے کا نیکی رنگ سے ہٹ کر تجھے
کرتے میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ بغل اور بغل
ان جان کا بج سے مارنے اٹھیں ہو کر لگے تھے اور
عاش سانس شہر کر رہی تھی۔ دراصل طوائف کے
”اچے کالج“ کے بے گناہ تھے۔ مارا جانے والی
سوائی میں گھنٹی کی ناک چاٹتے گئے۔ ”لہذا وہی
ان قزاقوں سے جڑ ہوئے اور اس طرح کوئے
جان میں فرحت کے چادر ہی گزارا کہ وہ گھٹے
کلی ای بہت سے مرے محبوب شاک“ کہتے ہوئے دلی
لمحہ جہاں کی طرف چلے گئے۔

جب بغل اور بغل کی اس دور کی غصوں میں
دوسروں کے غموں کو اپنانے کی شعوری کوشش نظر آتی
ہے۔ غلامی کی وجہ سے کہ ان غصوں میں تو بڑبڑا
شعبہ ہے اور نہ صرف امانت چاہی اس دور کی غصوں میں
ایک نظم میں کہ ”موت“ ”تو“ ہے اس میں جب فیض
اور فیض کے کی امانت غلامی کا نقش کھینچتے کے بعد
کھینچتے ہیں

یہ معلوم ہوئی مگر سر اٹھائے
تو انسان سب سرخس بھول جانے
یہ چاہیں تو دنیا کو اپنا چلیں
یہ آواز کی آوازیں تک چاہیں
کوئی ان کو انسانی امانت دلا دے
کوئی ان کی سوتی ہوئی دم لا دے

بغلی فیض کے اس حصے کی غصیں اس مارنے کی
مروہ منت ہیں جو کہ اس دور میں اگلاؤ جوانوں
پر گز رہا کرتا ہے۔ ہر چند کہ اس دور کے ذریعہ
گہنی کی غصوں کو بھی بعض ملاتی پائندوں کے خلاف
بناتوں کہا جا سکتا ہے لیکن اس طرح موقوف اس قدر
اچھا ہو جائے گا کہ اس غصے سے غصوں میں اس کے
ساتھ اضافہ کرنا ممکن نہ ہو گا۔ لہذا ہم ”دستِ تہ
سنگ“ کی بجلی غزل ”نقش فریادی“ کے دوسرے
حصے کی لکھیں گے۔

یہاں کوئی کہا گیا ہے۔ ”نقش فریادی“ کے
پہلے حصے میں فیض صاحب غم میں سے کوئی نظر آتے
ہیں اور دوسرے حصے میں وہ اس غم سے آزاد ہونے
کی شعوری کوشش میں مصروف ہیں۔ ساری اہمیت
یہ وہ زمانہ تھا جب احمد جان میں ہر طرف غم کی
اقتدار کے حال بناتوں کے شعلے لڑکے رہے تھے
اور جوش احسانِ جان اور چند نگہ آؤں امانتوں کا
ملتی ہوا تھا لیکن چنانچہ ان غموں سے غم کی
سحرانوں پر ہوا راست تھیں کہ اس ہم عمر کو بچھا دیا
تھا کہ اس دست میں حیرت و ساری کی گواہی بہت کہانی
رو کی تھی لہذا سے کھینچنے والے اعتبار وہاں کی کالی
راہیں طائف کرتے میں مصروف ہو گئے۔ ادب پرانے
ادب اور ادب پرانے زندگی کی بحث اسی جھگڑا
تھی۔ اسی طرح جگر مراد آبادی کا قافیہ بھولی اور دیگر
غزل کو شعراء کے بعد کا نیکی غزل میں کوئی کی امانت

کہتے ہیں کہ آزادی کی شعراء کو بالہ کی اور
نکلتی شعر و ادب کو دنیا کی منتیں ہے۔ مگر کئی کئی
اس کے برعکس بھی ہو جاتا ہے۔ ہوتا ہے کہ جب
اعتبار وہاں پر پائندوں کا نہ کر دی جاتی ہیں اور دیگر
نظر ہر سے غماز پہنچ جاتے ہیں وہاں سے جبکہ غماز
اچھے جانتے ہیں کہ کھینچتے اور سوچنے کے سبب صدر
وردا سے صدر ہو جائیں تو لاکھ نظر انسانی
محسوسات کے اعتبار کے چور دلائے طائف کر لیتی
ہے۔ یعنی جب حیران اور غم چھین لی جاتی ہے اور
زمانہ ہر میں شہد کوئی جاتی ہیں تو ایک ہاتھ پر فکاہ
طوائف دلی میں انگلیاں ڈر کر اور ہر طرف زخم میں زبان
کہا کہ ان پائندوں سے وہاں طائف کر لیتا ہے۔

”نقش فریادی“ سے لے کر ”دستِ تہ سنگ“
تک جب فیض احمد فیض نے جو کام کیا ہے۔ وہ اسی
فرار کی اور کالی منازل کی حیثیت رکھتا ہے۔

”دستِ تہ سنگ“ میں جب فیض احمد فیض
میں تمام جھگڑے نکڑے نظر آتے ہیں۔ اس تمام جھگڑے
وہ ان میں دامن میں پھینچے ہیں۔ اس انداز کی کلی کوئی
”نقش فریادی“ کے دوسرے حصے میں شامل محسوسات
وہاں لیا ہے۔ اس سلسلے کی دوسری کڑی ”دستِ تہ سنگ“
اور ”زنگھنا ہست“ میں اور تیسری کڑی ”دستِ تہ سنگ“
”نقش فریادی“ کے پہلے حصے کی محسوسات کو

اس سلسلے کی کڑی اس لئے نہیں فرار دیا جا سکتا کہ خود

اس فلم میں شہسوی کو شیل تو عیاں ہے۔ لیکن جذبات کی اس شدت اور لہر کے اس پانڈا کا شہسوی ہے جو دوسروں کے دلوں کو تڑپانے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

جانب فیلش کے شعور اور دل میں پختگی کا آثار ان کی سرکاری ملازمت کے دور سے ہوتا ہے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ جو کچھ ہوتا ہے وہ اب پر نہیں آ سکتا۔ جو کہتے ہیں وہ ان کے دل کی آواز نہیں ہوتا۔ چنانچہ ان کی فلم "بول" سب آوازوں میں جبرے" خود کی آواز سے متاثر ہو کر کیوں نہ کی گئی ہو، درحقیقت ان کی اس آواز میں جذباتی کشش کی لذتی کرتی ہے مگر بھلائی جانب فیلش کے ذہان و سانسے اس کشش کشش سے لہجہ حاصل کرنے کی راہ تلاش کرتی اور وہ جی حدیث دیکھان کے پردے میں سزایوں کیلئے کی راہ

بجائے سلامت سے تو ہم مرنے والے سے
خونیں اور ہام حرم کرتے رہیں گے
باقی ہے تو دل میں تو سر ہلکے سے بچا
دیکھ اب اور ہام ختم کرتے رہیں گے
جانب فیلش کی دہلی اور جذباتی کشش کا تھکا دای
اور رنگ بھرا اور دنگ سرکاری ملازمت سے بیکوفش
اور حصول آزادی کے بعد چھ انہوں نے محسوس کیا کہ
ان کے وہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوتے جو انہوں
نے آزادی سے وابستہ کر گئے تھے۔ لیکن اب یہ کدہ
اس منزل کا قفل بھانج کر مل کر پکے ہوئے آگے
بڑھ گئے کہ

لیکن تو اب کاتب سے سورج کا سامل

جانب فیلش اور فیلش کی بچی باجی اور کی آنکھ
شکلات کا فیلش خیر عادت ہوئی۔ ایک ایسی منزل کو
یہ باہم قوم کی فداؤں کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ لیکن
کتاب منزل کہہ کر انہوں نے تمام ملک کو چٹکا دیا۔

تجربہ ہوا کہ ہر طرف پرتنگی پس خیر ماہر گئی۔ اس
پرتنگی میں نے فیلش اور فیلش کے اس احساس کو اور
مجبور کیا اور اس طرح لپٹانے دلوں کی رشتوں کو
تھکاتے "سفر" کی آواز دہانے دنگ کی صورت
اختیار کر گئی۔ سزایوں کا کدہ بیت دیکھان کی صورت
میں کیلئے کا گزرا انہوں نے پہلے ہی پرتنگی جانب
انہوں نے فکر و نظر اور اعتماد و جان کے وہ چہرہ
دور سے بھی آہستہ لگاتے جن کے ذریعے وہ نہ
صرف عام شہر کے سے اور ان کے پہلو اور کچے پتے
تھے بلکہ فیلش اور فیلش کی ان کا تھکا کر دیتے تھے اب
وہ اپنے تھکا نہیں کہ کہ کرتی تھکا۔ ہے کہ

چند روز اور مری جان فقط چند ہی روز
بلکہ حذر کنایہ کی زبان میں انہی غلطی
اب اسے کھلے سمجھاتے اور کہتے ہیں ۔

میری کھل کا سہ زخمی گوش
میری ہے مطلع ماہ تمام کہتے ہیں
اب نہ وہ حذر سے بھاری کا لائی کرتے
ہیں اور حذر کے خلاف حرکت کا زبر آگے ہیں جیسے
پہلے کرتے تھے

اب بھی بکا ہے یاد میں حذر کا گوش
شایر ہوں پہ فرجوں کا لو بیتا ہے
آگ ہی پتہ میں دور کا پانی ہے بڑا پوچھ
اپنے دل پر مجھے قادی نہیں رہتا ہے
بلکہ ہایہ آگے اور وہاں حدیث دیکھان کے
دنگ میں کہتے ہیں

وہی ہے دل کے قرائن تمام کہتے ہیں
وہ ایک فیلش کہ جسے میرا نام کہتے ہیں

خواسے مرنا کہہتے ہیں اب زہری جان
کھلے نہ بھول اسے انتقام کہتے ہیں
ان اشعار میں دلی تڑپ ہے۔ دلی گھر۔ لیکن

نہ حذر کا کر ہے اور نہ دل کے بے قابو ہونے کا
شکوہ کیلئے کبھی دینا میں اور فکر و فکر کا بچی فیلش ہے جو
جانب فیلش کے کدے سلامت سے حاصل کیا۔

اس حذر و فکر اور طرد و کھڑکے کا تھکا دے
خواسے کے لئے قدرت نے جانب فیلش کا ایک سر
سورج دکھایا۔ یعنی ان کا ساقی کس میں ملے کر کے
فیلش کا اور۔ چاہے یہ واقعہ جو کئی بھی دنگ بچا
کر سکا تھا۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہو سکتا تھا کہ شاعر
گرہوں چاک کر کے بچھا ہو چکا ان میں فیلش کا
اور دوسرا یہ کہ وہ فیلش سے دنگ ہو کر اچھ کر کا
تا ہوا میں ہاں لیکن جانب فیلش کی فیلش دنگ نے ان
کو بچا دلوں راستے اختیار کرنے سے باز کیا۔ قدرت
نے ان کو ایک باب اس کا یہ ہو چکا ہے لیکن کی سند
اور میرے میں اور بھی زیادہ پختہ تھا اور ایسی جزاس
مطابق فیلش میں پر حذر ہی جادو سے کام کرتی تھیں
طاہرہ

وہ اب بھی کرتے ہیں اس فیلش اب کی بچی گری
نفا میں اور بھی گئے فیلش کے تھے ہیں
وہ فیلش ۔ اب میرے کی سر گئی ہے
تو فیلش دل میں حذر سے حذر سے گئے ہیں
قد و دنگ نے فیلش اور فیلش کو یہ گھر اچھا اور
جان ہی گھر دیا۔ بلکہ فکر کا ایک پانہ لایا۔ مطا بہ۔
جانب فیلش ایک مقام پر خود گئے ہیں کہ ماضی کی
طرح فیلش خدائی ایک پانہ میں ہے جس میں فکر
فکر کا ایک آہ کا چارے خود دنگ میں ہاں ہے پتا چلے
اول تو وہ ہے کہ انہوں نے جانب کی طرح تمام خیالات
پھر سے تکرار ہو جاتی ہیں اور گنگ کی ہاشام کے ہند لگے
آہان کی بنیاد ہے۔ ہوا کے گوارے کے پردے میں دلی
پتا سا گھر لوت آتا ہے۔ دوسرے ہیں ہوا ہے کہ
باجی دینا کا دھت اور فیلش دلوں میں ہوا ہے
جیسے ایک کی چھری کی گئی اور وہ پانی میں اور ہوا ایک

کی اور، اور فردا دلی کا قزوق پکڑا اس طور سے جاتا ہے کہ کبھی ایک لڑکی کو مست معلوم ہوتا ہے اور کبھی ایک صلیب لگی کی ہوتی۔"

اس دور میں جناب قتل لے کر چلا گیا وہاں ہی گریبات کا چلایا ہے۔ بچا ہوا ہے کہ اس دور کے کام میں بی بی بختی کے ساتھ ساتھ افکار و جذبات کی گونا گونی بھی نظر آتی ہے اور خیالات کے تجر ہو لے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو

بجھا ہے وہاں ذہنی افکار تو دلی یہ بکھا ہے کہ تیری جانگ ستاروں سے بھر گئی۔" کی

بک اٹھے ہیں معامل تو ہم نے جانا ہے کہ لب بحر سے رہنے پر غم گئی ہو گی

دوسری بیچ جہاں قزوق تارے ہیں انہی عشق کوئی۔ وہ اب لکچہ کا شکر ہیں ہے۔ اب ان کے

لچے میں اٹھائے عشق کی سی ہے لکچہ اور یہ قزوقی نظر میں آتی بلکہ ایک جتنا کہ عشق کا سارا کار اور غم کو

دکھا کر دیتا ہے۔ اب وہ انداز ان کا تھا میں سے تصویر نہیں دیتے جو ناخداؤں کے مد سے لوانے بہت

لیٹے ہیں بکراپ تو وہ انداز دواؤں اور خالصوں کی سمجھی یہ پاسد کرتے ہیں اور کہتے ہیں

سوچ میرا بھی جائز ہے کف نہیں بھی ہونے لگی غمیری نہ بھلی کی زبان غمیری ہے

اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ جناب عشق کی خاموشی کے لئے کی آواز لگتی کا اور قزوق چہ دور

تہ جب فکر خاموش ہو اس سادہ کے سے اور بچے کھل رہے تھے۔ اور ان کے قزوق میں سے تھے وہاں کا

اشفاق اور افکار قزوق جہاں داساسات کے ان زاویوں نے ان کے جذبات میں لکچہ پیدا کر رکھی تھی۔ مگر

زبان پر پیر سے اور غم پر قزوق پر جانہ تھی۔ یہ پاندہاں اور جسم کی تھی۔ ایکے عمارتوں کی جانہ کہہ

اور ایک فردا کی کیفیت کی طرز کہہ وہ عمارتوں کی پاندہاں کو قزوق کا کھٹا تھا کھٹ کی طہمت کے

تھا خصوص سے فراز لکچہ نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک لکچہ راجا اور عمارت لکچہ۔ جس کے درپے وہ عمارتوں کی جانہ کہہ پاندہاں کی خوف و دزدی بھی کر سکتے تھے اور طہمت لکچہ کی پاسداری بھی۔ ہر چند کہ یہ پاندہاں جہاں پچھ اور عمارت سے بڑھی۔ لیکن جناب عشق اور عشق اس سے جس کی دلی اور جس کو کہہ کہہ گزرتے ہیں وہ ہمارے لب کا ایک ایسا تجربہ ہے جس نے آنکھ لیٹنے والوں کے لئے فکر و فکر کے پتھر کو دھپکے دیا کرتے ہیں۔

"سوچ مہا" کی دلی سے کر ذکر عشق "سوچ تو رنگ" کی محول میں داخل ہوتے ہیں۔

اس گھر سے میں چند غمیں تو لگی ہیں جو جذباتی اور دلی اعتبار سے "سوچ مہا" کے ہم رنگ

معلوم ہوتا ہیں لیکن زیادہ معلومات کا ایک حذر رنگ ہے جو عشق اور عشق کا خصوص رنگ ہوتے ہوئے بھی

ان غمیں کو "سوچ مہا" اور "افکار و دلت" کی غمیں سے کھیزا ہوا کرتا ہے۔ اس دور کی حقیقت میں لب

لچے کے ساتھ ساتھ جذبات میں بھی غم کو پیدا ہوا تھا ہے۔ ایک زمانہ تو کہ جناب عشق کو صاحب زمانہ

پرداشت کرنے کے لئے جذباتی تسلیوں اور دواؤں کی ضرورت پڑی تھی۔ اب یہ زمانہ ہے کہ راستے

کی دوا اور کھاد کی اور محول کی دوا کی کا حساب بھی ان کے قدم نہیں ڈنگا سکا۔ اب ان میں اس قدر غم

استادی پیدا ہو گیا ہے کہ وہ تصویر کے ہر ایک رنگ کا بھی تہا جہاں پیر ہا ہر دلت انداز سے تجزیہ کرتے ہیں۔

ملاحظہ ہو

میسوری و دلی، گرفتاری، افقت

سوچ جو رنگ آدہ چاہ دتا ہے

بجی نہیں آتا اپنے ساتھیوں اور مراد میں کو بھی راستے کے غم کو سے باخبر کرنے جاتے ہیں تاکہ صرف دوا ان جہاں حیات میں آئے وہیں جہاں

کو نہیں کا حوصلہ کھتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے

اس کے بارے مجھے ہاتھ شبتوں میں اہلی بھائی بیٹے کا بچانے کا کوئی ہے وہائی کی گزری رنگ عمارت کا دلت اس گزری اپنے سوا وہ نہ آئے گا کوئی رنگ دیا گا میں غم طاقت کا جنت اس گزری لے دلی آدہ کہاں ہذا کے اس گزری کوئی کسی کا بھی نہیں رہتے وہ اس گزری کوئی نے گا ہی نہیں رہتے وہ اور لے گا بھی تو اس غم کا بچتا کے اس گزری لے دلی آدہ کہاں ہذا کے

ایک دلت وہ تھا کہ جناب عشق لکچہ طرقت سے نکال کر لے کر لب تک ان کے غم میں

حزرت اور ان کے عشق میں طاقت ہے۔ وہ طرقت و ساحل کا کھٹ لے نکالتے رہیں کے لب تک ان کے

لب ایکے میں وہ لکچہ دلی اب وہ جذبات کے عالم میں لے لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ

طرقت ان کے سکوت و توجہ دلی سکوت و توجہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ

چاہا لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ لکچہ

اس طرقت سے کہ لب پند کوئی ساحل ہے جس نے آکائی پہ بچایا ہے میں بحر کا نام

دامن جنت سے کجاست ہے بل دامن شام اب بھی شام مجھے کی نہ دھیرا ہو گا

اب بھی رات ڈھلے کی نہ سہا ہو گا آسمان جس لئے ہے کہ یہ جہاں ٹولے

چپ کی دھڑلے دلت کا دامن پھولے دے کوئی سکھ دلی، کوئی پکچہ لکچہ

کلیات جاتے کوئی رات کی کو کھٹ کو لے "سوچ مہا" میں اٹھائے طباب کا ساتھ

ہے۔ ملاحظہ ہو، اب بختی ہے۔ "سوچ مہا" میں عشق عشق کا ساتھ ہے کہ کوئی ہے۔ اور اب غم دلی میں اٹھائے دلی کو کہہ دلی دلی تم نہیں کرتے بلکہ غم دلی میں کھٹے کھٹے کھٹے

دل جان کرتے ہیں گھر ان کے گھر میں دفن ہو جاتے ہیں کا
 ثانی یہ ہے کہ وہ بھگوان ہنر کا حضور۔ مخالف اس
 کے اس میں سامانی بھی ہوتی ہے اور وہ بھی اب وہ
 جہت کھانہ کرنا لگتے ہیں۔ وہ صاحب
 سے بدل ہو کر بناتے ہیں بلکہ وہاں جوں صاحب
 کی خدمت پہنچ جاتی ہے تو رتوں ان کی سامانی میں
 ایک گوتہ سمیرا پڑا ہوتی رہتی ہے۔ یہ وہ عالم ہے کہ
 جب ان کے دل پر کوئی ضرب لگتی ہے تو وہ سو گوار
 آرام لینے کی بجائے فصل سکوں سے سمیرا کرتے ہیں
 اور لوگوں کو بھی یہ سچا سچا کا مشورہ دیتے ہیں۔
 انکی فصل سکوں چاک گریباں دلو
 مل گئے چاک کوئی دھم کئے داند کئے
 دوستو ہم سچا کہ بہار آئی ہے
 کھل گئے دھم کوئی پھول کھلے داند کھلے
 یہی حقیقت ہے ہندی جذبات کو بھی ظہور انگری
 کی بنیاد پر اور لکھنا کا بھی وہاں جہت نہیں اور
 لکھنے کی خصوصیات کلام ہیں۔ لیکن جہت لکھنے کی
 حقیقت ہندی میں حالات سے سمجھو کرنے کی
 خواہش نہیں بلکہ حالات کا ان کے گنگے جیانی دہائی
 میں تجویز کرنے اور ان پر قدرت حاصل کرنے کا جذبہ
 کار فرما ظہور آتا ہے۔ اسی طرح لکھنا کا وہاں بھی
 جذبات کا ظہور اس کے عزم کی صلاحیت کو کہ جس
 کرتے بلکہ ان میں حرج و مفکام اور قوت کا باعث
 بنتے ہیں۔ جذبات کا اقبال قلم ہو سکتا ہے۔ مگر چاہا
 کہ جس ہو سکتا۔ جہت لکھنے کے یہاں جذبات کی
 وہی شدت اب بھی موجود ہے جو "لکھنے فریادی" میں
 پائی جاتی ہے مگر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس میں
 ضمیر و سچا ہو گیا ہے۔ جھیل کی سی گہرائی اور ضمیر اور
 جہت لکھنے نے اپنی زندگی میں بہت عجیب و
 فرار دیکھے۔ فریاد میں وہ کہتے ہیں کہ گات گات کا
 پانی میں لکھنا بلکہ خون انسان کی اندلی کا لکھنا بھی
 کیا۔ صاف کا چھینا اختیار کیا تو سیاست کی تیریاں

آئینہ ہو کر ان کے سامنے آئیں۔ وہاں سے لگے تو
 ناکرد گواہی کے جرم میں دھڑلے گئے۔ جب ان
 سب پھروں سے گل بچھنے لکھنے پہاڑ کے سختی قرار
 دینے کے مگر یہ جہت لکھنے کی وجہ نظر ہے کہ وہ ان
 میں سے کسی ایک اور جہت سے فخر و ہوس سے
 کیونکہ ظاہر نہیں آتے بلکہ ان سب کو کتاب زندگی
 کے لکھنا اب تصور کرتے ہیں اور ان کا حاصل اس
 زہونے کا قرار دیتے ہیں جو ان کی بدلت ان کو
 حاصل ہوا اپنی اپنی قلم "خوشی کھتے ہیں۔
 کہ شمر زندگی جوا
 شمر کس طور سے لکھتے
 دولت دل کا لکھ شمر نہیں
 خلوتی کا کیا لکھتے
 ہم چھل تو ہم کی فصل
 مست لکھ لکھتے
 ایک چھل تو کھل کا لکھتے
 رنگ کم غریبی بہار کے
 ظہور کہ جہت لکھنے کے یہاں جذباتی اور انی
 ارتقا ایک جہل و سامانی قلم کی صورت میں ہوتا ہے
 ہر آدمی کی ہر قسم میں اس ارتقا کی نشاندہی کرتی ہے
 لیکن اس کی واضح ترین مثال جہت لکھنے کی وہ لکھتیں
 ہیں جو انہوں نے شمالی کے موضوع پر لکھی ہیں۔ یہ
 ایک ایسا موضوع ہے جس کا ان کی زندگی سے گہرا
 تعلق رہا ہے اس لئے شاید ان کے جذباتی ارتقا کا
 ہر پر انہوں ہی لکھتیں میں ہوتا ہے۔ اس موضوع
 پر ان کی قلم "لکھنے فریادی" میں ملتی ہے مگر وہاں
 شاعرانی تہائی سے آگے جاتا ہے اور عجیب سے وہاں
 ہو کر نہایت بھگوان ہنر کے انداز میں کہتا ہے۔
 اپنے بے خواب کواڑوں کو شعل کر
 اب یہاں کوئی نہیں۔ کوئی نہیں آئے گا
 اس کے بعد دست مہاشا "پا" کے عنوان سے
 انہوں نے تقریباً ہی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ مگر یہاں

ہاں لکھتے نہیں لکھائی تھانوں کو یاد دہانے کی
 دلیچے ہیں اور اس کے حوالے سے ہیں۔
 اس قدر چار سے اسے جان چلاں لکھا ہے
 دل کے دھار پر اس وقت تری پار لے بات
 ہوں گاہیں ہوتا ہے اگرچہ ہے انکی صبح فرات
 دھل گیا ہر کا دن آگے بھی اس کی بات
 تیرے ہر میں ان کی حکم سمجھ جاتی ہے۔
 اس کا انداز ان دہائی سے اچھا ہے۔ اس میں حق
 شاعر اپنے بے خواب کواڑوں کو شعل کرتا ہے اور نہاد
 عجوب کے سامنے میں اسراحت کہیں ہے بلکہ لکھتی
 وہ ہر شاعرانہ کواڑوں کو شعل حرج و مفکام
 دھم کرتا ہے
 کھل کو لکھتی دہر میں دہر کا زہر
 صرت روز ملاقات دھم کی میں نے
 ہر ہر کہ موضوع کی یہ غمراہ جہت لکھنے پر اس
 اور ہر کا باعث بھی بنی ہے کہ ان کے پاس حرج
 کہ کہنے کو پائی میں رہا اور وہ اپنی پہلی باتیں دہرا
 رہے ہیں لیکن یہی غمراہ ان کی خوب سے خوب تر کی
 جھٹکا کی فریادی بھی کرتی ہے اور یہی ظاہر کرتی ہے کہ
 حالات کے ساتھ ساتھ ان کا زندگی ظہور اب لکھنا بھی
 تھل ہو رہا ہے۔ اس سے یہ توقع نہیں میں دل
 جاتی ہے کہ ان کے کلام میں یہ ارتقا ایک جہل و سامانی
 قلم کی صورت میں جاری رہے گا۔
 جہت لکھنے اور لکھنے کے حقیقت بہت لکھنا کہا
 چکا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ ان کی ایک بات ہر حال مسلم
 ہے کہ "لکھنے فریادی" سے "دوست و سنگ" تک
 جہت لکھنے نے جو حوالے دیے ہیں ان سے
 ہمارے ادب کو ملنے سے قربات اور ابھرتے نکل
 ہاتے لگاتے رہا اس کر لیا ہے اور یہی ہے کہ لکھتیں
 اور ادب میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔
 ☆ ☆ ☆

عملیہ تعلیم

سرکاری کے اعزاز ہونے کے باعث آتش پر معلق شہر میں
 ڈال کر کوئی گروں میں ملحق رہیں اور کوئی کاٹھ سے پیدا کیا





وہ لڑائی کی رہی چاہی نہیں
وہ کہتا رہا ہے کہ وہ کہتا رہا ہے

سید احمد

کہہ جی جاتی آہ ماہ قہ
کہہ قہ قہ قہ قہ قہ قہ قہ



گی گاؤں سے بچ کر تارے سم
اور بچیں کے مچلی کے تارے

آجہاں سے لایا ہی تارے
ہماری انکار کرتی ہے

بزار بھول گئے، کھل گئے، سگوار چلے
 کسی کی راہ کے ارمان، جان پا چلے
 نہیں ہے زخمِ قاتل کو ادا، راہ
 ہوائے درد سے کہہ دو کہ پا پا چلے
 یہ راہِ طوق ہے، اسی کے لبِ لٹائے ہیں
 یہاں پہ کون بھا، پندہ کر ہزار چلے
 بھٹوں کو موافق نہیں موسم یہاں
 یہاں بھی لاش، کوئی رنج سزاگار چلے
 پندہ سے گائیک، کھٹکیں بھول، بھٹیں بھریں
 "چلے بھی آؤ کہ گھٹن کا کدوا چلے"
 ہوائے فزع ہے پا قرض پا، کچھ بھی سکھا
 سو ایک بیچہ جاں، چاہوں پہ وار چلے
 میں کس گمان پہ لوگوں انہیں تا تو ہی
 دل حزین ہے، قرے سارے اعتقاد چلے
 شبِ ہمال مشاب کچھ ہے، "ہات کہاں
 شبِ فراق میں شبِ لطفِ انکار چلے

اگلی جہن سے نیم بہار گزری ہے
 بہتے لہاں بیت سگوار گزری ہے
 کسی کو قصہ رنج و لہم سنا گیا
 اگرچہ ریت سری اگھار گزری ہے
 یہ وصل پا کی طواغیل ہے پا بھوں میرا
 ہر ایک رات سر کوٹے پا گزری ہے
 وہی خیال، وہی فہم، وہی حواس ہیں
 "متم آئے ہو، نہ شبِ انکار گزری ہے"
 کسی کے ٹکسے فرداں سے آگے بڑکی ہے
 جہن سے پا سہا ہے قرار گزری ہے
 اگلی تو ادبے حواس نہ جانے ہی اہل
 اگلی کہاں پہ شبِ انتظار گزری ہے
 انہیں جو چار سے شہد جا لیا تو نے
 قری پہ بات انہیں ناگوار گزری ہے

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

علم سے بھی سدا ہم پہ کئے جاتے ہیں
 ہر بھی ہم شوق سے یہ زہر چنے جاتے ہیں
 اسی قدر گہم پہ بھی ہوتے جاتے ہیں؟
 اپنے لہان بھی دینا سنا چنے جاتے ہیں؟
 "اپنا سہ ہے کہ ہم ہر بھی چنے جاتے ہیں"

افسانہ وہ بھی کھ بیٹھے
 ہاتھ کس ہے وہ کے ہر بیٹھے
 اک جہاں اپنے حال پہ رہا
 آج ہم اک جہاں کو رہ بیٹھے
 جانے کیسی ہے قزاقی ہے
 جانے کیا چیز ہے جو کھ بیٹھے
 میری یادوں کو راز جہاں کر کے
 دل میں کالے کی بیجہ بیٹھے
 ہم تری ہے رقی کے عہدوں میں
 کتنی آواز اور بیٹھے
 میری جاہت میں کیا ملام کو
 دل کی نیاپ چیز کھ بیٹھے
 علم کی پریش کوئی ہی تو نہیں
 ہم تو کب سے نہیں کے ہر بیٹھے

یہ جو چروں پہ گئے گردِ نام آتے ہیں
 یہ قہارے ہی بیچیں کرم آتے ہیں
 اٹکا کھل کر بھی نہ وہ جسم کی بھتی کو بچا
 ہاتھیں کم ہوں تو سیاپ بھی کم آتے ہیں
 تو نیا تیری مسافت کی کوئی کیا ہے
 میری ماہوں میں تو ہر گام پہ لم آتے ہیں
 ظلمت شب کے نہیں اپنے دستے کو نہیں
 ہم اٹھاتے ہوئے سورج کا دم آتے ہیں
 طولِ چروں پہ چھانے نہیں آتے ہم کو
 گاؤں کے لوگ ہیں ہم شہر میں کم آتے ہیں
 وہ تو بیٹے کوئی سوتا ہوا پتا ہے کا
 میرے ہاتھوں میں کہاں ان کے قدم آتے ہیں

قہارے خلق میں یہ زندگی گزار چلے
 یہ ایک قرضِ قدیم ہے جو ہم اہر چلے
 جو قہارے کوئی عکس نہیں ابھرا
 جس عکس کا نام یہ بھی اختیار چلے
 اس اک عمل سے عبادت ہے آدمی کا کار
 جہاں میں کاش عبت کا کاہن چلے
 جب دم ہے نام جہاں بھی اسے حاصل
 فوجی فوجی جہاں آتے تھے سرکار چلے

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

کوئی سبب تو ہے کہ وہی نکاح و ہنر
ہم ہی ہنک گئے ہیں کہ حریف سڑی ہے
انہی تو کیا طرے بھی ہیں کھر کوٹا میں
وہی لہجے خوف و خطر کیوں کر ہیں ہے
بچے کی رہ بھر بھی کوئی سوچا نہیں
طوفاں کی چٹائی کوئی اگرچہ خر میں ہے
دیکھا بھی نہ ہم نے گرہیں میں جھانک کر
دھڑی اگرچہ ہے کہ کبھی کبھ نظر میں ہے
دل ہے بے قرار تو دانی ہے نہ سکوں
دشتِ حبِ سنگھڑ و سنگھڑ میں ہے
خانہ عظیمِ فتنی جہاں میں نہیں رہا
حقولِ بحر بھی کھل جلی بحر میں ہے

☆☆☆

داہل میں مجھے ہوتے ہر گلی طرے کا رنگ
مجھ کو لگا ہے اسی فزہ طرے کا رنگ
چاند لے اُس زہا رگ سے سترتا سیکھا
خراب سوچا کہ ہوا دیکھ غرض کا رنگ
بھول سے خوشبو آڑی اور مجھے یاد آیا
حیرت بھڑوں سے لپکتی ہوئی قوت کا رنگ
شام کے آخری لمحے نے داہلا دکھا
مجھ سے دیکھا نہ گیا رات کے آواز کا رنگ
دھب بھانے سے ٹھکڑا گیا چھانے گی
سارے اجول میں پہلا ترے اعداد کا رنگ
ہاں بھی رات کا احوال بتاتے ہیں طرے
روز بھی کھول رہا ہے عرصہ ہزار کا رنگ

☆☆☆

قرار دھوئے نکلے تھے بے قرار
ترے دہار کی پہ شب بھی ہم گزار
جا ہے گل کی دنیا پہ ٹھکرائی ہے
مگر نہ جاں پہ کبھی اس کا اعتبار
یہ اور بات وہ انکوں کی بات نہ کہے
دگر نہ دل کے پاس تو بار بار چلے
ہوں نے سب سے محبت کا زہب دھار لیا
تو سنے بھی عداوت کے بے شمار چلے
لوگنے خلق تو رہ رہ رہن تک آہٹا
کہاں تک حیرت وصال کا اعتبار چلے
ترے دہار کی گلیوں میں آج بھی دکھ
قدم قدم پہ دے رک کے بار بار چلے

☆☆☆

جب سے اس دل میں وہ تصویر جاں خمیری ہے
بھرے ہونٹوں پہ اسی دن سے مری جاں خمیری ہے
جو شب و روز بکھتی تھی میرے پیلو میں
ہائے وہ سوزنی دل جا کے کہاں خمیری ہے
وہل کی شب بھی گریں ہی رہے ہیں مجھ سے
ساتھ بھولوں کے مرے گھر میں کون خمیری ہے
اور وہ دل کی غفلت یاد رہے کی جگہ کو
جو مرے درد مجھ کی دہان خمیری ہے
اور وہ دل میں تو بھر دل سے جوں الٹا ہے
آتش عشق بھی دل میں نہیں خمیری ہے؟
بھڑ کر لپٹا بیٹھتے میں گھس میں بیچا
جب سے شاخوں میں کہاں بہتی چاں خمیری ہے
دگر ہے جس کا مرے دل کی خدمت یاد
اس کی ہی یاد اس کی ہی سدا آفت جاں خمیری ہے
عشرت وہ ہے، تنہائی ہے، صفا ہے
"نہر کی شب ہے تو کیا طخت گراں خمیری ہے"
دنگی درد کی خمیر تھی ہے فدا تھی
ہر گزری زخم بہت کا جاں خمیری ہے

☆☆☆

بھتے بھتے مجھے طبع نے کہا آج شب
"کون کتنا ہے وہ عید وہاں آج شب"
جو دیا غام جا تھا وہ بجا آج شب
دل سر غام بجا تھا وہ جا آج شب
کہ تو چاہ میا ہو کی سر سے پہلے
پھول تھا وہ سر شاخ کھا آج شب
پوچھتے کیلئے آئی ہے مجھے یاد خمیر
کون پہلو سے میرے آنکھ کے کیا آج شب
غلام شب میں بہ ست کہیں ادب کیا
ست وہ کافر جاؤں کا دیا آج شب
بھر دھواں کو بھی مایہ نہ رہی دھک کی
دب ادھاب کہ جس وقت کھا آج شب
تجا کلاب کے سر سے وہ دانی یاد میا
یاد غر غر کی طرح تھی وہ جا آج شب
کھول کر خواب درپہ تیری چاہ میں نے
وہ بھری یاد کا ڈنگر کھد آج شب
یاد آتے ہے مجھے نوستے جاؤں کا جاد
کئی ایسا گھس کیا ہے جا آج شب

☆☆☆

موسم بہت طویل ہوئے انتظار کے
پونگی گزرد نہ جاگئی کہیں دن بہار کے
دل پر گزرد رہی ہیں اگرچہ چاچیں
ہم شکر ہیں آج بھی اس کیم یاد کے
گھٹتے رہیں گے ہم بھی جوں کی بھانجی
ہم کو ذرا نہ سوت، سافر ہیں درد کے
بہر و صوفی ہمارے کی مہائے دہن نہیں
ہم دہکتی نہیں ہی تو مہماں ہیں درد کے
یاد بھی تو دیکھ دلہ پاتوں کے دکھ
ہم بھی ڈسے ہوئے ہیں غم دھاکہ کے

☆☆☆

ہم پر نہیں ہیں فیض کے نقش قدم ہوئے

ہم غمور ہیں پہ شعور ہم ہوئے
 ان پر نہ ملے دیکھتے کیسے رقم ہوئے
 حسن ہاں کو جوہر آئینہ کر دیا
 جرات ہے فیض کے دہاں میں ضم ہوئے
 کہیں کر لے نہ فیض کو شہرت کام کی
 دست ہاں سے شعر ہر اہم ہوئے
 دیکھا ملک کو چاند شامی حق پہ جب
 ہم پر لڑاں ہیں فیض کے کھنکھ ہوئے
 ہنس ہا کر ہا کے ٹپکے ہیں اچھلی ہمار
 تم بھی شریک ہیں اہل اہم ہوئے
 چنکا لگا کام کا ایسا کہ ایک دن
 چہ کر کام فیض پر چار ہم ہوئے
 ہمارے کام کا طاقت پہ نکل گیا
 ہاں پر مری ہیں لکھ کے افسانہ دم ہوئے
 جس دن سے فیض ماضی تک دم ہوئے
 اہل لب کے قلب پہ کیا کیا تم ہوئے
 ایک دن کو دیکھا تھیں نہ تو مجھے
 چکوں سے ایک لوت کے ماضی پہ تم ہوئے
 فانی جہاں سے فیض کا رشتہ جہاں تھا
 خاکت جہاں ماضی کے لئے بھی تم ہوئے

☆☆☆

کام کوئی بھی نہ کر پائے ہیں دہلی کا
 دم لہرا ہم نے جیسے اکی برہنہ کا
 مجھے شے میں مہارت ہے ترے ماضی کی
 تاکہ بھولوں کے لب پر قوی دہلی کا
 اگہاں اگہاں ہیں جب اس کے گرے گزری
 یہ صدمہ کو لہا اس سے جھڑکی کا
 دھل کے ہم تو چھوٹی کی لڑائی میں طرد بھی
 کج تک ساتھ دیا ہے شب تنہائی کا
 دلم ہم نے نہ میں ہونے دے ہیں دل کے
 کہ تو رنگا تو ہم اس کی سبیلگی کا
 گھر سے پھر لے کر فیض لکھ آیا ہے
 اک شہر بھی نہیں شہر میں سوائی کا
 چاکر کہ اہل ہیں بھولوں نے قباہتیں بکری
 شہر بچا جو ہمیں تک قری زہنی کا
 جان ہائی ہے ہمارے اس کی بکری نہ کریں
 کہ تو سلاں ہو سرور اس کی پڑی کا

☆☆☆

بہت طویل بہت سوگوار گزری ہے
 ترے بغیر حیات افسانہ گزری ہے
 ابھی سے ٹپکے اچھے لگی ہیں کی دہلی
 ابھی تو خبر سے فیض ہمار گزری ہے
 اک ایسا وقت بھی آیا ہے اس کی مہارت میں
 جہا کی طرح وہ ناکار گزری ہے
 یہ دہر ناکہ موسم کے ساتھ گل شہا
 حیات صحت برقی و شرور گزری ہے
 فیض میں ہونے بھی کیسے آگے شاید
 اور سے آج نیم ہمار گزری ہے
 ہمیں میں لالہ دھل کو خبر ہے اسے باقی
 جو خانوں پہ سر شاندار گزری ہے

☆☆☆

مجھے ہے یاد وہ سرد و پتلا کا موسم
 چلتے آئے تھے بار بار کا موسم
 ہمارے تمام دھڑکے قرار گزرتے ہیں
 صبح ہی میں تھیں ہے قرار کا موسم
 دنا سی حق کا قسمت تو دیکھ چلے ہم
 ہا ہے کیا ہے مٹی تار کا موسم
 ہر ایک سمت میں خوشبو بکھیر رہی اس نے
 کہ چاند ہندو ہے گل پتھر کا موسم
 ہر گل کی بات ہے تم نے کیا تھا وہ مجھ سے
 بدل نہ جاسے کہیں اپنے چار کا موسم
 ہم اپنی مرضی سے چنے ہو کچے لکڑی کا
 کسی کو بھی نہ ہا اعتبار کا موسم
 کھڑے چلے ہیں کتڑے کہ کوئی آیا ہے
 خوشا کہ شمع ہوا انگار کا موسم

☆☆☆

ہر چہ کہ خاموشی و کم آواز بہت ہے
 گو تر کمر انہی دل آویز بہت ہے
 رکھتے ہیں سرے پاؤں نہ چلنے کی سکت ہے
 کیا ساتھ دیا اے ہفتا کہ تو بھر بہت ہے
 انسان ہے، اندیشہ ہے، آواز ہے، نہ بھگ جائے
 چاند بہتی سوا طرح بہت ہے
 موسم ہو کوئی، تازہ دہی کے یہ گل دلم
 اے کھیت لہرا انگوٹوں کی یہ بھرج بہت ہے

☆☆☆

☆☆☆

قربوں کی تلاش

میرے کہ میں اسے جان ہاں سے ملنے لگا ہوں
 دیا یاد میرا کرم نہیں میرے ہر دم کو بھلا دیا
 میری نگاہوں نے اسے سمجھیں خاک میں ہی ملا دیا
 ”تو کونسا ہو کہ علم کل دل رنج و رنج و کھا دیا
 جو بچے ہیں تنگ سینہ تو مجھ ویرا ویرا لگا دیا“
 ذرا اٹھ جاؤ گے میرے سے حال پر بھی فکر کرو
 انہیں آج رخصت عام و دما میرے ساتھ سفر کرو
 میرا ساتھ دو میرا ساتھ دو کہ صراطِ جاہل سے گزار کرو
 ”میرے چارہ کر کو تو یہ ہو سب دشمن کا فر کر
 وہ جو فرض رکھتے تھے جاؤ گے وہ حساب آج چکا دیا“
 کہ جیسا کہ ہے گل کوئی شہر و دیہی وہاں سے
 میری دلی دیر زبانی کہہ دو کوئی سبک نام وہاں سے
 کسی قلب پر کسی دلی پر میرا بار، بار گراں نہ ہو
 ”کہہ دیجئے کہ میرے ہاتھوں کو لگے نہ ہو
 کہ فرود ملنے کا ہاتھیں میں مرگ ہم نے بھلا دیا“
 میرا ذکر تھا کہ شہزادی، میرا حال تھا کہ تھا دینی
 وہی شب تھی میرے جہان کی میرے دل میں تھی وہی دینی
 میرے دل کی جھلک تھی میرے دل میں تھی میرے دل میں تھی
 ”توہر ایک حرف کہ کتنی ہیں آواز خوار کتنی
 کہ کیا تو سن کے لڑا دیا وہ کھاتا تو چہ کے بھلا دیا“
 میرے ہم میں ایک ”ہاں“ ہے میرے ہاتھوں کرم کے
 میری قربوں کی تلاش میں میرے ہاتھوں کرم کے
 وہ جو ہاتھوں کے گلاب تھے وہی دلی دیر زبانی
 ”توہر ایک حرف کہ کتنی ہیں آواز خوار کتنی
 کہ کیا تو سن کے لڑا دیا وہ کھاتا تو چہ کے بھلا دیا“

مردم چلی کو گیا کیوں نہیں دیتے
 تم زلف یہ زلف سے جاتا کیوں نہیں دیتے
 شہر ہے سبیل کی آفتاب میں سہلی
 رہوں کو پا آپ کا کھانا نہیں دیتے
 انام صحت لیجئے ہو بھلا گری کا
 منصف ہو تو بار دہا کیوں نہیں دیتے
 اقبال پہ اچھی ہیں وہ دودھ لگائیں
 یہ تھے قیامت کے ملا کیوں نہیں دیتے
 دم ملنے و صحت کا میری الی ہیں۔ میرا
 جس خاند میں تم آگ لگا کیوں نہیں دیتے
 وہی ہے قتل کا انہیں جلا دیا کہ
 دیکھ کل، گورو آواز کیوں نہیں دیتے
 سانی یہ تری تم تھری یاد رہے گی
 چھت ہی سہی آگ بجھا کیوں نہیں دیتے
 مرطب نظر کر تری تاریکی شب ہے
 ماضی پہ کوئی زلف گرا کیوں نہیں دیتے
 ظاہر یہ تکیاب تو نہیں خوب ہے ہاں
 تم حالی دلی دار جاتا کیوں نہیں دیتے

فیض کی یادیں

فیض کا صبح طلی کے ایک پہاڑے کا نام
 ہوں صدف کے جہاں میں ایک پہاڑے کا نام
 وہ کیا تو کھٹ گئی ٹھنڈی ٹھنڈی کی بھلا
 کون اسے گا شام کو اب زلف بھرانے کا نام
 کھڑے ہو ”تو“ میرے کرم کا شہر ہے
 آگیا انہیں کے لب پر ایک پہاڑے کا نام
 نیکو اس سے مہلت، اس کے دم سے چھی ہوا
 اب بھٹکے کے گل نہ لے کے کوئی پہاڑے کا نام
 وہ یہاں تھا تو اسے ہی ہم بھی بھلا کیے
 وہ نہیں تو کون بدلے آج پہاڑے کا نام
 شامی لکھا کی بندش کا چارہ تو نہیں
 یہ ہے اپنی آگ میں جب چپ چل جانے کا نام
 تم تو ہو کتاب، عاقبت انہیں اس کے فیض سے
 لوگ شاید جان جائیں ایک پہاڑے کا نام

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

اب یہاں کوئی نہیں آئے گا

"اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا"
کوئی آئے گا بھی تو اور پہچان ہو گا
سیراں آگے نہ کوئی۔ نہ شام چہرہ
ایک ہے نور ہی کو رات کی وہم ہو گی
اور دن خاک یہ سزا ہے سوسائیاں ہو گا
راستہ نور کی چاہ نہ لے گا کوئی
نہ کوئی نام سچا سے نکلا ہو گا
نہ کہیں حرف سچائی سے گا کوئی
ایک ہے جس کی لکھا اس کو لے کی ایسے
جسے ہو شہر لکھناں کا سائل کوئی
اپنی سائلوں کے قتل پہ پہنچا ہو گا
اور یہ حرف یہاں کہہ کے چلا جائے گا
"اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا"

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

پھر کہو بہار کے انکلاں ہوئے تو ہیں
پھر مرنے حیات کے آسماں ہوئے تو ہیں
خزل تک نہیں کہہ سکتے وہ میں سطر
ہم رفاقتوں کے یہ بڑاں ہوئے تو ہیں
دیا چہا ہر دل کا نور رات ہو تو کیا
مستقل میں کہہ چارے فرداں ہوئے تو ہیں
چنے رسے شراب لم لگے۔ یہاں
ہوں بھی لکھا دوست کے خواب ہوئے تو ہیں
گزرے ہیں دیک ڈو ازم سے فقر تو کیا
اب کے رسائی یاد کے دکھان ہوئے تو ہیں
رکنا یا سب نے حقیقت اپنے افسانے کا نام
دیا ہے یا ایک میں فرزانہ ہے دیکھانے کا نام
ہم حیرت ہو گئے سب شیخ نے جب فوجی جام
ہاتھ کاٹوں کو لگایا، نہیں کے پھانے کا نام
دل کے کیچے ہیں؟ سب کو پا کے کھو اپنے کا سر؟
آگئی کیا ہے؟ سب کو ہوا پانے کا نام
اک فلسفی حاکم کا تذکرہ ہے آج، فکر
فکر ہے اب وہ ہے ہاں کو ہوائے کا نام
نور غفلت سے کر بیدار ملت کو جلال
دیکھ چمکتی نہ کر اور لے نہ نکالے کا نام

ہم بھی دیکھیں گے

دیارِ شوق میں سچ درخشاں ہم بھی دیکھیں گے
 نگارِ آرزو کا دہلے تپاں ہم بھی دیکھیں گے
 نہ گھبرا اسے دلی دشمنی کہ وہ دن آنے والا ہے
 سرِ ہشیہ دیا رقصِ طوطاں ہم بھی دیکھیں گے
 اٹھتے ہیں جو اہل ہوا و ترسے کی کہیں سے
 کبھی داناں میں وہ خدِ مہیلاں ہم بھی دیکھیں گے
 لڑائے کے عرق میں تر کسی دن ہیں وہ بچیاں
 گلوں ہوتی ہیں کیا کو ہاں ہم بھی دیکھیں گے
 ظہرِ اہم کہ پچھنے میں تھوڑا وقفہ ہوا ہے
 پس دیوارِ شب نہ دے مریاں ہم بھی دیکھیں گے
 وہ آخر تپ کے یاد سرِ مٹکی رہی زنداں
 ہمارے اکوا کی کے دل وہاں ہم بھی دیکھیں گے

☆☆☆

جلبِ جمال دینا چاہاں ہوئے تو ہیں
 ہم آہدے بادِ گستاخ ہوئے تو ہیں
 گلشن میں اتمامِ پیداں ہوئے تو ہیں
 ساغرِ جامِ پادِ گستاخ ہوئے تو ہیں
 ہے انگار دیکھنے کب ہو شبِ اصال
 آہرِ برِ موسمِ بہار ہوئے تو ہیں
 آکھیں ہیں اٹک بارگشی کے فرق میں
 ہم زندگانی موسمِ بہار ہوئے تو ہیں
 کھار ہم بھی آج سرِ مٹکی غن
 دھت سوائے اسے نگاہاں ہوئے تو ہیں

☆☆☆

کیا حالِ جاں کرتے پرچلی دل کا
 داناں کو سب ہم تھا داناں دل کا
 غریبہ کی نو کے لئے دیوارِ گراہی
 دیکھ ہے بہت عرصہ زندگیاں دل کا
 باہر بھی ہے صرا سرے بند بھی ہے صرا
 آنکھوں سے میاں حال ہے دہلیاں دل کا
 وہ پار ہیں وہ جام ہیں اک شامِ شک ہے
 ساراں ہے بزم ہے سروِ سلاخی دل کا
 جب آنکھ کھلی تھی وہاں ادب رہی تھی
 اتحاد نہ تھا کہ ہمیں مٹھائی دل کا
 کھانا نہ کوئی طرف دل آلود کہ اس پر
 کھل چاہے نہ سب حال پرچلی دل کا
 سب شہرِ رند نظر آنے لگا تھی
 اک طرفِ تاراج ہے یہ عزائی دل کا

☆☆☆

۱۰ وقت قریب آجی لب
ایوان نکالے ہانگی کے
دیان ہائے ہانگی کے
فرمان کالے ہانگی کے
حور کسانوں کے حور
اس بات کے شام ہی یاد
کب تک گرائے ہانگی کے
لب تاج اچھالے ہانگی کے
کام گھڑی کی ہانگی
سب حلق چہ رنگی ہانگی کی
اب ہم کھنکے کے چور بھی
تغافل میں ڈالے ہانگی کے
بہ بہار کے ہائے سرب کلن
چاند ہانگی کے نوروں پر
ہر تم ہی تازہ دل ہر
کس طرح وہ ڈالے ہانگی کے
حضور خدا کی جھرتی پر
اک شہر ہا پر جانے کا
بہ عرش پر نور مستوں کے
بندہ یہ ڈالے ہانگی کے

نیک ہوت میرے یعنی جیسے ہزار کا رنگ
مر مر مر رہا ہے مرے دھڑکا رنگ
صورت نیک مردانہ گاہ یاداں
صورت شمع فرداں، تیری آواز کا رنگ
دل کی بات میں کی جانو حمارے لڑے
کیا کہوں، کیا قاترے وہ کے تھکا کا رنگ
دلہانے قہر کے لڑو ہی جان ہانگی کے
شراب سے کہ جانو اس سحر کا رنگ
جانو سے پوچھ جانوں کے آہستہ چرے
نیک میں دھڑکا ترپے ہونے ہم راز کا رنگ
شر قاتل میں جانے کے ہر سے عقل
جام زنداں میں لڑا ہر اسی لڑا کا رنگ
کیسے بھولے کوئی مقرر دم دھڑکا کا رنگ
نہ نہ لے کی گھن، ہائے وہ آواز کا رنگ

۱۱ ساتھ لے گیا قول و قرار کا موسم
تمام مر ہے اب انتظار کا موسم
جانت اب بھی گزری ہے اسی وہاں ہے
وہی ہے جہاں وہی اختیار کا موسم
ابھی تو غور سے ہی فارغ نہیں ہیں دلِ بدال
ابھی کہاں دلِ امید راز کا موسم
اسے بھی وہو فراموش نہیہ ابھی ہے
نہیں بھی راس نہیں اجہار کا موسم
جہاں گئے گا وہ پھول بھی گھٹیں کے وہی
کس کے بس میں نہیں ہے بہار کا موسم
کبھی تو موت کے ہماروں کی نعت آئے
سدا بہار ہے موت سے دار کا موسم
ہم اپنے آپ کو جتنے دل کے دیکھیں گے
دل کے نہ اگر کوئے یاد کا موسم

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆

لوگ اس دلچ سے کسی دم میں کم آتے ہیں
ساتنے سے ذرا بہت چڑا کر ہم آتے ہیں
اور تو یکے نہیں ملتا تری عقل سے ایسی
لے کے ہر اہل قول و قلم آتے ہیں
ہم جو کرتے ہیں اوروں، دھیں گے اس سے
غیر مضمون کے لئے دلچ و نام آتے ہیں
دوروں، دھیں گے اس سے
یہ ہے وہ نام کہ جس میں کی کم آتے ہیں
کوئی لڑکھنوی اب نہ جانتی تھی
ہم اٹھائے ہوئے اہل قلم آتے ہیں
گل پلک بکرتے ہیں اوریں کے لئے وہاں سے
میری جانب تو کھڑے جرم آتے ہیں
ہم اٹھ کر رہا ہے تجھے مل کر نام آتے ہیں
جب تک آتے ہیں بعد ہوا دھم آتے ہیں

ہم ان کے نام پہ سب کچھ کر دیتے ہیں
وہ کہے کہے کر ہم پہ وار کرتے ہیں
کسی نے مجھ سے کوئی کچھ نہیں کیا
کوئی تو دلت کے اٹھار کرتے ہیں
جہادی جہادی کی رو میں جو آتے ہیں
وہ اپنے دلم جگر کو چار کرتے ہیں
ہیں لڑکھنوی کہ اہم ماضی کیا ہے
تری خوشی کے لئے اعتبار کرتے ہیں
کسی کو اسے دیا ہوا کسی کو اپنی دہاں
کچھ کھاد وہ یہ کادیا کرتے ہیں
ہم اسے سادہ تھے دیکھو تر داناں میں
"وہ جوں میں حاشی بہار کرتے ہیں"

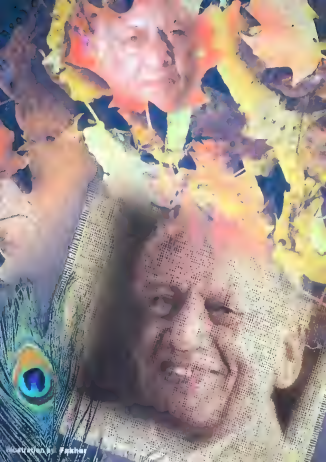
ترے قرائ میں شب نام ہوتی رہی
تیرے چچا اپنے لہو میں نام ہوتی رہی
ترے حضور سے کم کہ شمل بہار
ترے طوف میں گردن نام ہوتی رہی
خفق کھلی دیکھی ہر سے دھوا دہلی میں
یہ ہر بات کہ ہر روز نام ہوتی رہی
فرمانی بار کے قصوں کو قلم کرتے ہیں
جہاں وہ کی تصویر نام ہوتی رہی
انہی کے بند قبا سے وہ کہے ہر نام
تو صرف یوں، شب نام ہوتی رہی
دیار حد میں کس ہم سفر کے دھوکے میں
"ہیں سے اپنی تو ہم کام ہوتی رہی"

☆☆☆

☆☆☆

☆☆☆







مقام فیض کوئی راہ میں جھا ہی نہیں
جو کوئے بات لگتا آہوئے دلوں پہ

”فیض میرے دوست اور جنگ پیرو تھے“

یہ چند باتیں انتخاب فلسطین کے پاس نے کیا تھیں۔
 کاملاً بیروت کے دوران اس جنگ کے
 دوران اور اس جنگ نے امریکہ کی تحریکات کا نشانہ اس
 کی اور اور اس کے دور پر ضروری کی گئی اور اس ساری
 جاتی اور پالی کے دوران فیض اور فیض نے بیروت
 چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا تھا کہ اس
 فرہست ہادیہ کے خلاف بیروت کے دوران
 میں اپنے اہلی طلبہ کی تحریک و کج ہدایتوں۔ یہ اگرچہ
 قوت برداشت سے بڑھ کر اور میرے خواہش سے
 زیادہ تھا اور اس نے میں اس کے ایک ایک
 سے محروم ہونا چاہا تھا۔ اس کے بعد میں کہیں کہیں
 نے ہاتھ دھوا اور کہیں سے اس وقت اس روز

نے ہمارے دوران آجی تھو۔
 وہ جیجی دیکھ رہے تھے کہ ساتھ پر جاتی اور
 ہادیہ فیض کے مال تھے۔ وہ ان تمام مرحلوں
 سے ایک گھر اور چند بے کے ساتھ گزرتے۔ یہ گھر اور
 چند گھر گرا تھا۔ اس کے دالے شمار اور
 انسان کے پاس ہی ہو سکتا ہے۔
 فیض اور فیض صرف ”نولس“ کے بائیں بائیں
 میں تھے۔ انہوں نے اور سے ساتھ اور اسے
 اور یہاں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس نے نہیں کہ اس
 دھارے کا محور و مرکزیت میں تھا کہ اس نے اس
 حکیم انقلابی شاعر کا جذبہ است انقلابی کے پاس
 نے ہاتھ دھوا اور کہیں سے اس وقت اس روز

اب شاعر انقلاب اور ”نولس“ کے بائیں بائیں
 انجیل میں سمیٹے پہلے پہل لیکن سے حصار
 کہہ لیا تو میرے سامنے ایک سکرا ہوا اور اس کی
 جیسے کہ کوئی اور اور اس کے چند سے
 ضروری نہیں۔
 قتل اور میں فیض اور فیض کو کچھ ہی کے
 لگاؤں نے لے گئے تھے۔ ہم وہاں سے بچ کر نکلتے
 شورش کی اور تحصیل سے چل کر چل کر کیا تو یہاں
 ہوا تھے لیکن ساری زندگی ہمارے دوران ہے۔ اس
 اور انہوں نے ہماری تمام خصوصیات برداشت کی ہوں
 اور چند جگہ کے ان طویل سالوں میں ہماری تمام
 سہولتوں میں شریک رہے ہوں۔

فیض اس وقت 70 برس کے ہو رہے تھے۔ یہ
 ان کے لیے ایک تیز رفتاری بات تھی کہ انہوں نے
 اپنی زندگی کے تمام تکلیف دہ سالوں کے بعد طویل کیا
 کہ ان کی جگہ ہمارے دوران فلسطینی مجاہدین آزادی
 کے ”دہائی تھی۔ انہوں نے ہمیں اپنی موت دی۔
 فلسطین کو اپنی موت دی۔ بیروت کو اپنی موت دی۔

کیا میں جج کے لئے انہوں نے فراموش
 کی فیض انتخاب فلسطین یا بیروت اس کی لڑائی کرتا

۱۲

فیض اور اس وقت میں وہ فیض اور فیض میرا دور
 کا سب سے بڑا اور حکیم بن کر ”میں اور آزادی شہرت کا
 پاکستان انقلاب اور ہمارے اہلی طلبہ کی تحریک کے



فیض اور اس وقت

فیصل اور فائق میرے دوست تھے اور ایک
دوست میں میرے دوستی تھے۔ اس وقت جنم میں بھی
ان کے چہرے کی انازہ ایسا مسکراہٹ دکھائی دیتی تھی
ان کی آنکھیں، بالکل نکستہ عزم و یقین سے دکھتی
رہتا۔

فیصل اور فائق ہمیں چھوڑ گئے لیکن ہمارے
دلوں میں میری صحت کا امنیت فائق چھوڑ گئے۔ انہوں نے
انکساریوں، دانشوروں اور فنکاروں کی آنے والی نسلوں
کے لئے یہ نظیر ۱۹۵۱ چھوڑا ہے۔ اب جب کہ وہ دل
جو حصول آزادی کے یہ مثال جذبہ کے ساتھ



فیصل اور فائق میرے دوست تھے

دعوت کا 'دعا' دیا کہ ہم کے مستقبل کی بھلائی اور
انصاف کے لئے 'دعوت' کا 'دعا' کر چکا ہے
فیصل کی انکساری کی وجہ سے آنے والی نسلوں کی بھلائی
میں اس وقت تک فائدہ رچی کی جب تک آزاد و خود
دہر وطنی کے حصول کے لئے ان کا عظیم خواب چھوڑا
میں جتنا اور ایک اسکا دنیا کا خواب شرمندہ و شہر نہیں
ہوتا جہاں ترقی ہو، بھلائی ہو، انصاف ہو اور صحت کا بول
ہو۔

☆☆☆



فیصل اور فائق۔ پاکستان

فیض سے ملاقات

کی بیروہم ملے ہر ایک کا پی سنی کے ساتھ۔ یوں
کہنے کا ہم پانچ ہزار سالہ پرانی تہذیب اور مگر کے
دارت میں لکھیں اس ملک میں مگر اور تہذیب کے
دارت کے ساتھ جو ملک کیا جاتا ہے وہاں گھتہ
ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ جب علو
خوف تحریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تو مدے
ہل میں بیٹھے ہوئے مصدق مع دوی کاچہ اور
ذرا ہم ان کی عزت و قدر کے لئے کھڑے ہو کر
تایاں جمانے لگے وہ لوگ اپنے کو رب کا منصب اور
اس کی اہمیت سمجھتے ہیں اور اسے اپنے سوا میں
قابل عزت مقام دے رہے ہیں۔ خواہ مخواہ کہ
وہ لوگ مصلحت پرانے ملک کے رب اور مگر کی عظمت کا
اعتراف کر رہے تھے۔

میں ذرا دھڑکیاں بھی ہوتے ہیں تو اس پر انھیں سب
سے آگے بڑھتی جاتی ہے اور انہیں کو پیچھے اٹھیل دیا
جاتا ہے۔ انہوں نے میں صرف دوسروں کی تحریریں
شائع ہوتی ہیں اور وہ اب اور مگر کے حلقہ کسی کوئی
انتار میں کسی کو رب نے کیا کیا اس سے مرے سے کل
ہو کر دیا جاتا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ وہ سے ذرا تالی
احترام نہیں ہیں لیکن انہیں کی شکل اور ان کے ادبی
انتار میں انہیں کی بحث و مباحثہ کو زیادہ اہمیت
حاصل ہو تو بہتر ہے۔ سوویت انہوں کی یہ کارکنیں
چاروں تک ہادی رہی اور ہر روز سوویت انتہار
اس کی کارروائیوں سے گھرے ہوئے تھے۔ ہمارے
یہاں کے انتہار اول تو ادبی تحریکوں کو کوئی اہمیت نہیں
دے رہے تھے اور کسی ادبی انتہار کی خبر پہنچے بھی ہیں تو

مئی 1967ء میں مجھے پہلی بار سوویت انہوں
کی کارکنیں میں شرکت کرنے کا موقع ملا۔ پہلی
انہوں کو پہنچ کر تقریباً ہر ملک کے صحافیان آئے
تھے۔ ان صحافیان کی حیثیت سوویت انہوں سے
مختلف تھی، ہم لوگ نہ سوویت نہ سکتے تھے اور نہ انھیں
میں حصہ لے سکتے تھے۔ سوویت انہوں کی کارکنیں
میں یہ حق بطور پر صرف سوویت انہوں کو حاصل تھا
مگر دوسری تمام کارروائیوں میں ہم لوگ حصہ لے
سکتے تھے۔ پاکستان سے فیض احمد فیض اور انور سادات
سے مجھے ملایا گیا تھا۔

فیضان کارکنیں کی صدارت کر رہے تھے۔ یہ
سوویت انہوں کی پہلی کارکنیں تھیں۔ اراکین
صدارت میں شاہد خٹک، یونس علی بی، رسول گم
زادہ، 'ہر روز ابراہیم' کہلایا تھا، دیگر پہلی اور
ایشیائی سوویت ریاستوں کے صحافیان کو چنگ دی گئی
تھی۔ کارکنیں کے انتہار میں دوی حکومت
کے صدر اور دوی حکومت کی کاچہ وزیر اعظم سمیت
شامل تھے۔ جو بات مجھے یاد آئی کہ وہ صرف یہی تھی
بلکہ یہ بھی تھی کہ اس کارکنیں میں خود اس سے انفرک
انہوں کا اہمیت حاصل تھی۔ دوی کاچہ کے اراکین کو
ذرا اعظم سمیت انہوں کے پرغلام کے پیچھے جبکہ
دلی تھی تھی اور انہیں انہوں کو حاصل تھی۔ ہمارے
ملک میں اول تو حکومت کی طرف سے انہوں کی کوئی
کارکنیں ہی منصوبہ نہیں کیا جاتی اور اگر کسی ادبی انتہار



فیض احمد فیض کی ایک یادگار تصویر

تھام، تقریباً تمام ملکوں کے لہاکے سے حاضر تھے اس لئے الحاح کر کے چند لڑکھائے سے تڑپ نکھلنا چاہا ان ٹھکانوں پر آئے تاہم بعد ازاں ان پر اکتان کو نہ گیا۔ صرف میں نے تقریر کی بعد میں پوری تقریر ایک پمفلٹ کی صورت میں شائع ہوئی اور دوسرے روز کی اخباروں کے ساتھ شائع کی گئی اور یوں مجھے شائع و نشر کے ساتھ جیسے تاخر حاصل ہوا۔

کانگریس کی آخری کارروائی انور اعلیٰ وزیر پر ختم
 ہوئی، چنانچہ کرپشن کے ایک سہ ماہی میں دیکھا
 گیا تھا۔ وہ جزا سے زیادہ مہمانی میں جھے سمجھیں اور
 کیوں کی آزادی تھی اور اس وقت وہ ان کے انٹرویو پر
 ہاں میں جھے تھے، تینوں مرکزی میوز پر کنٹرول مہمان
 خصوصی کے نام پر، یہ تھے کانگریس کے خبر دہانی سر
 انجاس میں بھی جھی اس لئے ملے، بانیہ دتے اور جھانی
 غصہ۔ لیکن سب سے پہلے ہندوستان اور
 پاکستان کے انٹرویو کو مہمان خصوصی کی حیثیت سے
 مرکزی میوز پر آنے کی دعویت دی۔ فتنی پہلی اور میں
 اور جہاں اور جھانک کے لئے وہاں چلے گئے۔ انور اعلیٰ
 وزیر میں سمجھا گیا انجی جہاں کی مرکزی اور دوسری

مردمان کے درمیان کوئی فرق پاتی نہ رہا اور یہ اور
 اور شاید ایک جڑ سے دوڑی ہو رہا ہے جسے غفلتیں
 ہانی کی طرف بہا رہی تھی رہا ہے کھل کی جھیمیں ہفتی اور
 ارجح کو لوگوں نے نگہ کیا تھا وہ دوست پرست پرہیز
 کے ہا رہے تھے شاعرانہ انداز میں منجھتے ہوئے
 جلوں میں مختلف ملکوں کی شاعری ہا رہی تھی شراب کی
 طرح لڑا تھی۔

جہاں کی گزری ہو چکی دوسرے دن بھی گزری ہو چکی
 چاہے اُن کا کچھ اور کچھ ہو گا، یا نہ ہو گا۔ ہم دونوں پر ایک کا
 ہو جانے کے سچے اور حقیقی ناؤ بیٹھا ہے ایک دوسرے سے
 اسی شدت سے جھگڑتا ہوا ہے اور اسی پر ایک جھگڑ
 ہے کہ کب صدیوں کی طرح بھی ختم ہونے والے
 عرصے کے بعد ایک دوسرے سے بالکل غائب ہو جا
 ہونے تو ہمارے ارادہ دوسرے ملک کے کوئی ساتھ
 سزا نہیں ہو گا کہ ان کا کچھ ہو چکا ہو گا۔ گوہری اور جھنگی کی
 انھوں میں آئندہ تھے ہیں ہمارے ارادہ ہر ایک
 پر فوجی تھا جس وقت بہت سے ملک کے باشندوں کو
 اس میں ہوا تھا کہ ہم ایک دوسرے سے جا ہو چکے
 ہیں لیکن اب اسے ہمارا ایک ہی وقت ہے کہ کسی طرح

لوٹے تھیں سکتا تھا جس نے اپنی بیب سے کاغذ کے دو پرکے نکال کے مجھے دے دیے اور کہا "یہ دونوں تمہیں کہیں نہیں سمجھیں ہیں پاکستان میں ابھی نہیں میں نے پاکستان میں کی ہیں" ہماری آخری بارزد سے مصداق کیا اور بڑے مضبوط اور جوش میں بولے "یہ جو جہاں جادوئی ہے دوست ہم پر کھیں گے۔"

1971ء کی دہائی میں ہی پاکستان میں پاکستانی فوج کی کامیابیوں کی خبریں آئیں۔ اس وقت پاکستان کی فوج نے بھارتی فوج کو ہرا دیا۔ اس کی وجہ سے پاکستان کی فوج کی حیثیت بڑھ گئی۔ اس کی وجہ سے پاکستان کی فوج کی حیثیت بڑھ گئی۔ اس کی وجہ سے پاکستان کی فوج کی حیثیت بڑھ گئی۔



شعرا میں ان کے جن کی تخلیقیت ماحولی ادیب کے بحر میں
سربا سے میں شاعر کی بات کرتی ہیں۔ پنجاب کے وہاں
وہاں کے لوگ تھکے اور بے چارے اور وہاں کی مصروفیات
دستکاری مصروفیات سوختی یہ ایک ٹھنڈی دھندلی ماحولی
خود غنیمت یافتہ پنجاب میں نے فکر کرنا کافی غرض سے جو
تھک چکا ہے وہ خود کوئی اور بے گناہی پنجاب میں پنجابی
مستحکم کے فرار سے پریم کو چھوٹا ہونا چاہئے۔ سوال
یہ ہے کہ اگر تھک چکی ہوئی ماحولی کی ادبی زبان پنجابی ہے
وہ اس زبان میں بھی شعریوں نہ لکھیں۔ میں نے لاکھوں
میں تھک صاحب سمیت پنجابی دانشوروں کے عادی
شاعر استاد نام دینے اور استاد دہانے پر بے اختیار فکر
کرتے پایا ہے۔ یہ ساقی سلاطین بھی ہمارے
معارفے کے ایک خصوصیت ہے۔ اقبال جب اپنے
آپ کا کہاں کہتے تھے وہ اہل زبان ان پر جتنے تھے۔
لوگوں میں سے ایک مروج تھک صاحب سے کہہ تاکہ کاسٹلر
ہو جی لیڈا کی کہ میں پنجابیت بہت ہے

1874ء میں سوانہ لکھنوی آزاد نے کرنل
دارلہند کے لیے یہاں سے ایک ماحولی سے کہنے کا اہلی
انگریز کی ساقی حکمت ملی یہ مصوبہ کے لئے تھک چکی
وادی لنگ و جین میں انہوں نے مسلمانوں سے
حکومت چھٹی تھی یہ خود کے بعد مسلم معارف سے کو بہاد
اور وہاں کے گروا تھا۔ یہاں مسلمان تہذیبی طور پر عادی
رہے تھے ہندو ان کو جیسے کہنے کے لئے انہیں تھک چکی
نے اندہ ہندی کا بھڑکا کھڑا کر دیا۔ پنجاب میں
حکومت سکھوں سے لگتی تھی وہاں ہندو مسلم اسکے
تھیں کا طرز زندگی بہت دور تک یکساں تھے پنجابی
مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فوج میں بھرتی کرنے
کے لئے ان کی دلجوئی اور بہت انگریز بھی حضور بھی
وہاں اور ہندوئی دہلی کی زبان ماحولی میں طرح پرانی
ممالک اور حمود اگر وہاں سے انہوں نے اگر یہ کار
دیکھی اہل پنجاب کے انتظام اور آج کی ماحولی

کھدوانے کے لئے پیچھے اسی طرح اندہ چھاننے
والے ہو چکی سے تھک اور پنجاب نے آنا کا ایک ہند
طرح اقبال پر دہانے کر دینے ہندو ان کے بعد ایک
سے ایک اہل مسلمان ہندو تھک ہندو ہندو۔

لیکن اہل مسلمان اقبال کی زبان پر معترض رہے۔
میں زمانے میں ہو چکی کے ہندو دہانوں کا ہندو گاراجا
وہاں اور ہندو ان لاکھوں ایک اور سے سے
بکارت چھٹی لاکھ کرتے تھے۔ سب جی میں خود اور
کی جان کے لئے چھڑے ہیں وہ ہندو تھک کی
سرستیوں کہاں پنجاب میں زبان اور لوگ اور تھک
گھر گھر چھڑا یکساں تھی۔ پنجابی ہندو ہندو تھک ایک خدا
کو سب اور دینا کہتا ہے۔ جی لاکھ کام ہندو سب کہتا ہوا
تھیں پایا جانے کا۔ 1857ء کے بعد اور نے ان
تھیں فرقوں کو جیسے ایک لای میں یہ وہ۔ صورت حال
کا ایک بڑا ہی تشدد یہ کہ کہ کہ فرقہ وارانہ دھاندلات
آریہ سماج اور مسلم فرقہ پڑتی نے بھی پنجاب میں
زور پکڑا گروہ آریہ سماجی پر کش ہندو میں خدا آریہ
ساقی اور ساقی و جین لڑنے لڑنے اندہ میں شائع
ہوئے تھے آج تک ہندو ان کی دھاندلات میں پنجابی

زبان میں کے لئے زیادہ تر دھاندلات کہیں اندہ وہم
اندہ میں نہیں ہوئی تھی ہیں۔

ایک اندہ دہان پنجابی ہندو اور تھک جس طرح
اقبال اور تھک پر سر دھان ہے اس میں دانشوری طور پر
فرائضی تھک ایک کا فر ہے۔ جس طرح اہل پنجاب
ہندو مسلمان اور تھک تھک صاحب کے شہدائی ہیں ہو چکی
اور بہاد اور دہلی کے مسلمان اور ہندو تھکے ہو کر کسی
دھندلوی شخصیت کے لئے اسی طرح کی دھاندلات
حقیقت کا اعتبار نہ کریں کے تھک وادی لنگ و جین
کی ساقی اور تہذیبی دہانے میں اس قسم کی مشترکہ
پرستی کی کھائی تھک۔ اس کی ایک مثال پریم چند کا
معالفہ میں سے حلقہ ہندو ہندو دہانے مستقل
ایک اور سے سے سرگرمی میں معروف ہیں۔

لاہور میں تھک حسین آزاد اور کرنل دارلہند کے
ہندو انگریز "گروہ" اس کے بعد کے ہندو کے حلقہ
تھک نے "دست" "دست" کے دہانے میں لکھا ہے
'20ء۔ 30ء تک کا زمانہ ہمارے ہاں معاشی اور
ساقی صورت پر گروہ طرح کی بے چارگی آہستہ آہستہ
والہ لکھنوی کا زمانہ جس میں اسلامی سیاسی تحریکیں



لیکن بہتر دھان میں یہاں

ایلیس فیض سے امرتا پریتم کی باتیں

امرتا: اگلے دن کا تعلق صاحب سے تھا وہی
 سبکی ملاقات تھا۔ اس سے پہلے اس نے پاکستان میں ہوئی تھی؟
 ایش: نہیں، میری بہن ہمدستان جاتی تھی
 اور اکثر تاجر کے ساتھ وہ وہاں لوگوں میں لے جاتے
 تھے۔
 امرتا: 1998ء میں میں اپنی بہن کو لے کر ہمدستان آئی
 تھی۔
 امرتا: تو ہمدستان کو لے کر تعلق کے وہاں
 میں دیکھا۔
 ایش: ہاں، امرتا میں ملی تھی، امرتا
 ہمدستان میں کہا کہ ہمدستان تعلق۔
 امرتا: تم اور وہاں نہیں جاتی تھیں، پھر تعلق
 کی شادی سے متعلق کیا کہو؟
 ایش: امرتا کی بات تو ہے کہ میں آج
 تک تعلق کی شادی کی کمرانی نہیں جاتی، اگر اس
 زماں کو سمجھ لیا، اس بات ہے کہ میں پوری زندگی کو جاتا
 ہوا ہوں۔
 امرتا: تب تعلق شاعر کہیں، تعلق ایک
 شخصیت سے کیا کیا تھا؟
 ایش: ہاں، لیکن وہ پہلے شاعری شخصیت کا
 ایک حصہ ہوتی ہے، لیکن ایک شاعر کے ساتھ زندگی
 بسر کرنا ہوتی ہے اس کے لیے اس کا بہت کچھ جانا ہوتا
 ہے اور میں نے جانا۔
 امرتا: مجھے سے کتنا عرصہ بعد شادی کی
 چوٹی آئی؟
 ایش: تقریباً دو سال بعد وہ یہ انتظار اس
 لیے تھا کہ تعلق کے والدین سے منظوری چاہیے تھی
 کیونکہ ایک خوشگوار اصول کے بغیر ہم زندگی نہیں کر
 سکتے تھے۔
 امرتا: شادی کی رسم کہاں رانی گئی؟
 ایش: کشمیر میں امامہ پورہ کھیرنے اپنا کہیں
 کامل اس مکان کی رسم کے لیے وہاں اور شیخ مہدی
 نے کتان کی رسم رانی تھی۔
 امرتا: کیا بااقتدار سے ملتی تھی؟
 ایش: ہاں، تھیں اور میں نے اپنی زندگی ایک
 تعلق دوسرے ان کے ذمے بھائی کی دوسرے ان
 کے دوستوں میں۔ جب تھیں ان کے دوستوں نے تعلق
 صاحب سے مل کر بات چیت کی۔
 ایش: "یہ کی انکھی لے کر لے کر ہو کر نہیں؟" تعلق
 نے کہا۔ "انکھی میں کیا ہیں اس میں نہیں؟"
 میں حیران ہوئی کہ انکھی کا ساتھ تعلق لے
 کہاں سے کیا ہے یا چھوڑے کہنے لگے۔
 "میں اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔"
 امرتا: تعلق جان کے ہیں کے کہ کہ کہ
 جانیر تھا، انکھی میں خیر نہ جاتی ہیں۔ اچھا ایش! یہ
 تاجر ان کے وقت شاعر بھی ہوا تھا؟
 ایش: ہاں، تھا چھوٹے کتا، شیخ مہدی
 ان کی بیوی کے ساتھ کہا یا پھر شاعر ہوا۔ ہمدستان
 جاتی تھی آپ ہی تھی۔

ابن امیر! وہ بھی میرا اس کے بعد کی
ادھیا بھی لیکن مجھ کو بھی میری زندگی پر اثر ہوا انھیں
ہزار فیصلے تک پہنچا ہے اپنے آپ میں فیصلے کی دہا
اپنے ساتھ ہے کھٹکھٹا اور غم کے ساتھ۔

امیر! ہر جگہ ہے جس کی دہا اپنے ساتھ ہو
اپنے گھر کے ساتھ اپنی تخلیق کے ساتھ اس جیسا
دکا اور کوئی دیکھتا ہے۔

ابن! پیچھے برس گزر گئے ہماری شادی
کو۔

امیر! پسپا اور دکھ کا یہ حال کیا رہا؟
ابن! یہ ضرور کہ کئی ہوں کہ وہ مختلف
ظہور، غصہ، سر دھنوں کے سر دھنوں جب شادی
کرتے ہیں تو ہر ایشیاں ہے ہر دیکھنے صورت کے دل
میں رہتا آسان بھی لیکن قسمت اپنے مرد کے دل
میں رہ سکتی ہے۔ جی بھرتی 'نئے عامل کو اپنانے کی
اس میں فرائی ہوئی ہے۔ مختلف تہذیب کے لوگوں کی
شادی آسان ہاتھوں۔

امیر! تمہارے داد بچے ہیں؟
ابن! دو بیٹیاں، سیدہ اور سیدہ۔ سیدہ مسعود
ہے اور حیرانہ لی وہی پڑا میر۔ ماہوں سے وہ پنجابی
بھائیوں کے ساتھ شادی کی ہے اس لئے انھیں راجی
جیوا پتی ماں کے ساتھ۔

امیر! ابن! تم نے فیصلے کی انھوں کو
انگریزی میں تہذیب کیا ہے؟
ابن! ٹھیک اور لوگوں کے لئے ہیں۔ تقریباً
پانچ سال پہلے یہ کھو کی طرف سے ایک تہذیب پہنچا
تھی۔

امیر! فیصلے صاحب کو فیصلے پڑا کب؟
تھی۔

ابن! 1962 میں فیصلے کو ہندوستان گیا
تو وہ کچھ سہولت پچے تھے لیکن ابھی سترہ تھے جب

پاکستان ہائیکورٹ سے لوٹ آیا تھا۔

امیر! یہ غریب کر فیصلے صاحب کے پہلے
افکار کیا تھے؟

ابن! وہ چپ ہو گئے تھے شاید دل بھرا آیا
تھی۔

امیر! لوگوں کا کیا وہ یہ تھا؟

ابن! یہ کہ فیصلے کو یہ پڑا نہیں لہنا چاہیے

لیکن اب جان کا ہوا آیا کہ وہ پڑا نہ لے سکتے ہیں۔

اسی طرح کے اور تاریخی موصول ہونے پر دوست

مبارکباد ہے آگئے۔ ہر سوال آیا کہ اس حالت میں
فیصلے ہائیکورٹ کیسے کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر نے ہماری
بہار کے سطر سے نکال کیا ہوا تھا اس لئے جی کا ساتھ لے
کر فیصلے نے گاڑی سے اصرار سے کمری تک کا سفر
کیا۔ ہر سمجھتی بہار سے نکلنا تک اور ہر گھڑا سے

گاڑی کے بارے میں کھینک؟

امیر! ابن! آپ نے کبھی فیصلے کی راجی
کرانی لکھنے کا سوچا ہے؟

ابن! میں تو فیصلے کو راجی میں بھرا لکھ
کہہ رہے ہیں لیکن سوچتی ہوں لیکن کون کونسا چاہیے۔

ایک اور کام اور سوچا چاہیے فیصلے اور صوفی جسمانی کر

پیشہ شادی کا اور تہذیب کر رہے تھے۔ صوفی جسم کا

افکار ہو گیا تو فیصلے بہت اس ہو گئے۔ وہ کام بھی

کرتے دہا ہے ہر یہ کام بھی۔ دونوں کام ضروری

ہیں۔

امیر! ابن! اور ان دونوں سے بڑا

ضروری کام فیصلے کی زندگی کو بچانے کا ہے۔

ابن! ابن! ان کی حفاظت کرے؟

☆ ☆ ☆



مبارکباد سترہ۔ سیدہ فیصلہ اور سیدہ (نکتہ 1980)

فیض کی مقبولیت اور جیل

اصولاً یہ بات نہیں کہی جا سکتی کہ قادیانی
افرقی شہرت حاصل کرنے کے لئے نکل جاتا
ضروری ہوتا ہے لیکن کئی بڑی شخصیتوں کی عوامی
شہریت کا سلسلہ ان کے ساتوں کے پیچھے چلے
جانے کے بعد ہی شروع ہوا ہے۔ سیاسی لوگوں کے
بارے میں تو یہ بات اتفاق ہے کہی جا سکتی ہے۔
انگریزی راج کے خلاف آزادی کی جدوجہد کرتے ہی
کے نتیجے میں شاہنشاہ کاندھلوی، امیر اہل احمد و سرحد، احمد
الکرام آزاد کے علاوہ کئی دوسرے بزرگان کا شہریت ملی
بلکہ محمد علی جناح، ذوالکفر محمد اقبال کو ایک پارلیمانی سبک
مزدبھی دیکھنا پڑا اور وہ دونوں ملین افرقی سیاست
میں ایک خاص ذوالمل کی بدولت اور انگریز کی سازش
کی وجہ سے قدم بہ قدم اس مقام کو پا گئے۔ ذوالکفر
اقبال اپنی شعری گزشت اور تفسیر پاکستان کا خاکہ پیش
کرنے کے سبب سے اپنی شناخت پا گئے۔ یہ بھی نہ
بھولنا چاہیے کہ انہی اقوال نے سادہ سے جہاں سے اچھا
بہتر جاندار نکلتے کہ قادیانی کی جدوجہد میں ایک ایسی
دلی تکیہ نہیں لگئی کہ بچنے والی آگ ہو کہ دلی تکیہ اور اس
علم کو آج اور سے ملک میں ایک قادیانی خزانہ کا وسیع
حاصل ہو چکا ہے۔ بہر حال اس متعلق کی وضاحت اور
خلاصہ میں کئی مشکلیں پیش کی جا سکتی ہیں اور اس
وقت جہاں ہم نفس و ضمیر کے عوامی سارے پیشانیوں
پانے کے لیے اپنی سہا جہاں کا چنگا کا ہے۔

نے مکمل غم و افسوس کب کبھی حتیٰ ممکنہ یہ چاہا ہے کہ وہ
کالیج کے زمانے سے شاعری کرے۔ چنانچہ جتنی دیر
پہلے اسے میر تقی میر کا شعر یاد تھا۔ وہ اسی زمانے میں انہوں
نے اشعار کی نگرانیات کرنا شروع کر لیے تھے۔ کالیج سے کے
زمانے میں انہوں نے ایک ہارڈ انڈر وورڈ اقبال کے
ساتھ اپنا کام لیا تا کہ وہ انگریز اقبال نے انہیں بہت
داد دی تھی۔ پھر یہ سون بعد اقبال کی شاعری کے
بارے میں اُلٹا یہ زمانے دی تھی۔ ”جہاں تک
شاعری میں شمس الملکی (Sensibility)“ زبان اور
اس کی سوجھ بوجھ کا تعلق سے ہم تو ان کی جانب پا بھی
نہیں ہیں۔ خاصہ (اقبال) ابھیہ بڑے شاعر ہیں۔
اگر وہ اشعار کہنے کے معاملے میں ذرا سنجیدہ ہو جاتے
تھا انہیں ان کا ہونا۔“

دوسری جنگ عظیم 1939ء میں شروع ہوئی تھی
 1945ء میں پارٹیز ہو گئی۔ لیکن وہ نئی تعلیم پوری
 کر کے فوجی سروسز سے ایک کمانڈر کے طور پر جلا
 رہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ ایئر فورس چلے گئے۔ وہاں بھی ایک
 کمانڈر میں چار بار ہے جسے کر ایک روز اپنے ایک
 دوست سمجھ کر ایک ملک کے کپٹن پر، اور ان میں غارت
 پانے کے لیے ایک کمرل جیٹرا کے ساتھ انٹرویو کے
 لیے جلی ہوئے۔ کمرل جیٹرا کے دل میں ان کے لیے
 ایک نرم گوشہ ہو چکا تھا انھوں نے اپنی اس فوجی کے
 سامنے ایک سرکاری ٹاکس کا رونا دھنا کر دیا
 انہیں میں رہنے سے کوئی گیند توڑ نہیں لگتی ہے

کہا۔ ”میں کیونست ہائی کا گھر نہیں ہوں“ تو کراہنے لے یہ کہہ کر کراہنا پھیل دیکھا انھیں عار دست میں لے لیا۔ اس بات سے یہ جانتا ہو جاتا ہے کہ غفلت کے خیاات کا کالی کے رانے سے ہی شعرا کی تعمیرات کے مال ہو گئے تھے۔

[illegible]

م۔ دانش نے "تعلیق فریادی" کے دیباچے میں اس بات کی وضاحت کی تھی "تعلیق فریادی" ایک ایسے شاعر کی تھکوں اور غزلوں کا مجموعہ ہے جو زمانہ اور حقیقت کے غم پر کھڑا ہے۔

فقیہ کی مشہور تعلیم تھے کی گولہ مارا بچے ہیں۔ مجھ سے پہلی ہی محبت مری محبوبہ۔ ایک ایسی مجھ سے کی پہلی محبت تھی، یہ نظم ایک جذباتی لوحِ ایں، دانشور شاعری اعدائی نظم کشن کو بڑی خصوصیت سے پیش کرتی ہے۔

میں نے کہا تھا کہ تو ہے تو یہ دشمن ہے جلت
 میرا ظم ہے تو ظم دور کا بھگڑا کیا ہے
 میری صورت سے ہے عالم میں بہادر کو کہنت
 میری آنکھوں کے سوا دنیا میں رکھا کیا ہے
 اور بھی دکھ ہیں ترانے میں محبت کے سوا
 راجتیں اور کی ہیں دھول کی مانت کے سوا
 مجھ سے پہلی سی محبت مری محبوب نہ مانگ
 بلکہ غم کو جلی گئی۔ لیکن جتنا غم صرفی

خاموش میں رہے، کیونکہ انھیں اسی دوران میں بھی لکھیں۔ اچھے، خیر کی بے کراہی ہی چلی آتی ہے۔
 بلکہ خود دوست و دشمنوں نے سحر سے بھرے ہوم
 میرے دوست اور بچاؤ لینڈ کے نام جو گاندھی
 جی کے بارے میں لکھی۔ 1946ء میں انھوں نے
 فرانس کی ملازمت چھوڑ دی۔ ان کے لیے پاکستان

جائزہ میں ایڈیٹر کی جگہ بھی خالی تھی۔ یہ وفد بھی اتفاقاً شروع میں ہوا تھا اور کانگریس و مسلم لیگ کی فیصلیوں پر کار (انجیم گورنمنٹ) میں بھی کوئی جانب قبول کرنے کا مسئلہ قائم و ثابت ثابت کے اگلے میں خالی تھی۔ جڑیہ اعلیٰ سرورہ پھیل سے ان کے ایڈیٹر کی جگہ سے فیصلہ اہم فیصلہ کی سفارش کی ہوئی تھی لیکن فیصلہ فوری طور پر کوئی فیصلہ نہیں لے پا رہے تھے کہ 1947ء میں ملک کی تقسیم ہو گئی اور وہ دلی پہنچ کر

۱۹۹۴ء کا ایک اور ایسا واقعہ تھا کہ کرن خورشید سلوٹ ہوتا ہے۔
 پاکستان اسلام آباد کی سلوٹ پر علی قریب منائی جا
 رہی تھی۔ اس موقع پر جو عناصر واکوڈ واکر مسین
 (موجم) نے کہا اس کے اگلے پر انہوں نے گاندھی
 کی یاد میں عزت حاصل کرنا کوئی بھگ کرنا تھا۔ اس وقت
 بھی وہ اچھے خوش نگہز افراد و بطور کے ساتھ۔ اس
 عناصر سے میں فتنے نے گاندھی کے بارے میں اپنی
 نظم سہی لہجہ کے ساتھ منائی تھی۔ جس پر انہیں حاضر
 خود دلوں کی نگہ اس زمانے میں انہیں خوش نگہز
 اور افراد کے معاملے میں جڑا عناصر کو تسلیم کیا جاتا
 تھا۔ باقر مہدی کیجئے ہیں۔ اس زمانے میں غلام
 مراد جعفری اپنی مسین کیجئے خدا انہیں خاص اہمیت
 نہیں دیتے تھے۔ یعنی ان کی نظر میں عناصر کی
 دوسری صف میں کلک اٹھنا نہ پڑا دھجے حاضر تھے۔ اپنی
 مسین نوراد جعفری ہی کے گن کار کرتے تھے۔

آزادی کے یہ فتنے نے جب اپنی باجی کا
 عقد اس قلم میں کیا۔

یہ دروغ دروغ ابھلا یہ شب گزشتہ صبح
وہ انتہاد فاضل جس کا یہ وہ صبح تو نہیں
تو سرور بختری نے کہہ کر اس کا باقی کر دیا کہ
یہ ظلم آ رہا ہے، اس دن اس دن، مسلمان لگی جانوں کہہ
سکتے تھے۔

1951ء میں ”روپڑ کی کہیں“ میں جے بی بھٹی نے نڈل میں اہل دیے گئے تو ان کے ساتھ کسی دوسرے لوگوں کے ساتھ وہاں بھی نہیں تھے۔ ان دنوں کا ساتھ **195۱ء** تک رہا۔ بھٹی سے بھٹی کی جنگی طریقوں کا آغاز ہوتا ہے جو فی وار میں افواہی دونوں سطحوں پر تھی۔ سادہ طور پر نڈل سے جو میٹر نکال اپنی جاکر دیکھ جائیں گے کچھ ایسے دن میں بھٹی کا کارکردگی دکھاتا ہے۔ ان خطوط سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ

فیض رب کی کوئی نئی نظم لکھتے تھے تو قتل کے اندر اس
شوش میں ایک جشن سامعہ ہوتا تھا جس سے متعلق
خبروں کے علاوہ ان کی نگہیں قتل سے باہر بھی نہ
کسی اور سب سے تھیں۔ کبھی جاتی تھیں جنہیں پاکستان اور
جمہوریت کے قریبی بہنو رسا لے ایک قتل جوت تھے
کے طور پر چھاپ لپٹتے تھے۔ قتل کے باہر ان کی
شوجہ نہان بہان جتنی بھی جاری تھی۔ ان کے کہتے تھے
جمہور کو کام کے اندر ان فیض کے ایک اہمیت میں شریک
اور نہ لگا تھا۔ جس کے علاج کے لیے انہیں کڑے
پیرے میں قتل کے باہر ایک ڈاکٹر کے کینک میں
لے جایا جاتا تھا۔ ایک دوا دیا جاتا ہے کہ لے کے لیے
گوازی کا بندوبست نہ کیا جاتا تھا۔ انہیں آگے میں سوار
کر کے لے جایا کرتے ان کے دونوں طرف ہوا کے
بھی شادی سوار۔ پانی پیٹتے ہوئے تھے۔ میں دکان
تھر فور فیض کی ڈھلی تھی۔

”ہم لاہور کی چالی چھالی سڑکوں سے گزرتے ہیں۔ وہاں ہمارا قاتلوں کو بچا دیا۔ ہمارے لوگوں نے ہمیں بچا لیا۔ پھر ہمیں جلا جاتا کہ کڑا تھا اور اس کے اندر میری دھاک کا لکھنؤ میں شہر جا رہا تھا۔ اے لکھنؤ! کرم پرف سٹوڈنٹس کنگ کنگی شامل ہے۔ ہمارے چلوں کی شکل بھی گئی۔ میں نے اندر کی میں ہی بدھ کی چلوں نہیں دیکھا۔ اسی سے سڑکوں پر گزرتے ہیں۔“

[illegible]

فیض اور جدید اردو شاعری میں ”بے گھری“ کا موضوع

فیض نے اردو شاعری میں غزل اور مثنوی کے ایک نئے چہرہ اور نئے تصور پیش کی ہے۔ لیکن قصور جس کے بارے میں کسی نے اس سے پہلے کبھی نہ سنا تھا، فیض کی شاعری اور ادب میں ایک نئی ہوائی کران بن گئی جو قارئین کے قلب و فکر کو متحرک کر گئی۔ اس اور آزادی کو پہنچانے والے نئے نئے رنگوں میں فیض کا کلام شہرہ ہوا۔

فیض کی شاعری اپنے زمانے کے سیاسی سماجی مسائل کا انعکاس کرتی ہے۔ فیض کی غزل اس اعتبار سے نئی غزل ہے کہ انہوں نے اردو غزل میں روایتی تقاضات اور استعارات کو عصری مسائل سے آشکار کیا۔ مثلاً فیض نے ”گھر“ اور ”غربت“ کے روایتی موضوع کو چھوڑ دیا اور اس طرح انہوں نے وطن سے دوری اور سیاسی جدائی کا موضوع پیش کیا۔

اردو غزل میں ”گھر“ اور ”غربت“ کے الفاظ کبھی عامیت اور کبھی استعارے کے طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔ عام طور پر ”گھر“ تنہائی کی علامت ہے۔ ”غربت“ یا ”سیرابا دیاں“ ”گھر“ کے مقابلے میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ تیسرا وہ گھر ہے جہاں یہ مضمون زیادہ وسیع دائرہ میں سے طرح ہے۔

جدید اردو شاعری میں ”گھر“ اور ”غربت“ جیسے الفاظ کا روایتی تعلق ختم ہوتا ہے اور ”غربت“ کی ایک نئی تفسیر پیش کر دی گئی ہے اور ہر گھر کی ایک نئی کہانی لکھی گئی ہے جس کی وجہ سے اس کی علامت بن جاتی ہے۔

اس ”غربت“ میں شاعری انہیں ترقیاتی کا احساس بخشتا ہے اور ان کے لیے گھر اور وطن کی پادہاں کے خدا کا مرقم بن جاتی ہے۔ مثال کے لیے فیض کی غزل کا ایک شعر دیکھئے۔

دورِ غیر میں غم اگر نہیں کوئی
تو فیضی ذکرِ وطن اپنے دل سے ہی کیا

فیض کی غزلوں میں کبھی گھر اور وطن سے پیدا ہونے والی غمناکی یا گھر کی فتنے کے موضوعات بہت عام ہیں۔

قدیم غزل کی روایت کے مطابق ”گھر“ دل کا بھی استعارہ ہے جسے عشق کی آگ جلا کر رہ کر دیتی ہے۔ اگر فیض کا دل بھی ”گھر“ کا استعارہ ہے تو وہ بے اختیارانہ ”بے گھری“ کو لے کر چلا وطن پہنچے گا۔

موسے دل، موسے ساز
ہا ہا ہا سے غم ساز
کہ وطن بد میں ہم تم
شاور اس کا دل دھواں گھر لڑنے کے لیے

یہ بھی دیکھ لیں۔

دلی گلی گلی صدائیں
ہم کو گلی

کریں دریا گھر گھر کا
ہر اک ایشی سے پہچانی
جو چھوٹا اپنے گھر کا
فیض کی شاعری میں یاد میں صرف ان کا خاص تجربہ نہیں ہے بلکہ ان کے سب دوستوں اور رفیقوں کا تجربہ ہے۔

یہ آئے سب بھرتے ملے دالے
کہ جن سے دن رات واسطہ ہے
یہ کون کب کیا کب کیا ہے
نہاں دلی کی خبر کہاں ہے
خواب سوئے وطن دہاں ہے
سندھوں کی پال دھال ہے
جوار و مسم و گہاں سنبھالے
کسی طرح کے سول قاتلے

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ دوری غزل کے نئے اور شعور اور فیض کی شاعری اور غصہ سے متاثر ہیں وہ انہی موضوعات کو اپنے کلام میں بحال کرتی رہے ہیں۔ فیض کا ”گھر“ گھر اور وطن اور غربت کی علامت ہے اور جس سے احساس ہے وہاں ہے کہ اپنے وطن میں رہے ہوئے بھی لوگ بے گھر ہو جاتے ہیں۔ کشور راہ کے لیے جس احساس اس طرح مائی دغا ہے۔

اپنے ہی دامن میں جاؤں گی کہ یا کیا ہے

کہ تم سب دوج جانا

فرد کو پائی سے لگی طرف ہیں

انکار عارف کے گھر سے "مردود علم" میں بھی

مرکزی مصلحت "بے گھری" اور "مردود بنی" کی ہے

اور اس موضوع کو قبول اور معاملات کے اہتمام سے

انہوں نے بڑی مہمت دی ہے۔

مرے خدا مجھے اتنا تو سہتر کر دے

میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کر دے

غلاب یہ بھی کسی اور پر نہیں آیا

کہ ایک عمر پہلے اور مگر نہیں آیا

ہر اک سے پوچھتے پھرتے ہیں تیرے ساتھ جہاں

غلاب درہدیٰ کسی کے گھر میں رکھا جائے

فعلیٰ ذکر بات یہ ہے کہ کشور ناہید اور انکار

عارف جیسے شعراء کے کام میں نہ صرف موضوع بلکہ

فعلیٰ کے اپنے نظریے کو بھی اپنا کر لیا ہے۔

مغرب میں رہنے والے دوسرے اردو شعراء کا

ہر کام و خطاب ہے کہ میں "بے گھری" "مردود بنی"

اور اس سے بچا ہونے والی کجائی کے موضوعات عام

ہیں۔ ہر اشعار سے گھر کا چھ پوچھنے کا فعلیٰ کا انکار

غیب ارضی کے یہاں بھی ملتا ہے۔

ہر اشعار سے بچ رہے ہیں کشانی راہ

نور الدین شکر کو گھر کی خبر کیا ہے

غیب ارضی میں سرکہ

اک غول پرندوں کا ہے اور شام کا سحر

اپنے میں خیالی آیا کوئی گھر نہیں اپنا

الطاف حسین۔ کینڈا

اشعار دنیا کے ہر آباد گھر کو دلچسپ کر

فعلیٰ اپنے گھر کی برہدی کا اندازہ دیا

فعلیٰ ناکیجہ دی۔ برطانیہ

طر ہے ختم کر بے گھری نہ جائے گی

ہمارے گھر سے یہ پٹھری نہ جائے گی

شاہین۔ کینڈا

کشور ناہید انکار عارف "لمہد" داخل "افغانی"

حسین اور دوسرے شعراء کے یہاں اس "بے گھری"

کا احساس مسطور ہے لیکن ہر ایک شاعری جہاں

خصوصیت کے مطابق اور حالات زندگی کے پس سحر

میں احساس کا رنگ دیتا ہے۔ اس سب شعراء کے

یہاں "گھر" اور "بے گھری" کے استعاروں کی بھی

مصلحت پائی جاتی ہے۔ قدیم شاعری کے مقابلے میں

جہاں عاشق نے دنیا جانتا ہو کر محروم یا پاں کو نود اختیار کیا

"جدید شعراء کے یہاں محرومت اور جدائی کی گہری

پر زور دیا جاتا ہے۔ عصری اشعار صورت حال کے لحاظ

سے نہ صرف ناظر اور جدائی نہیں بلکہ سیاسی جدائی

ہے۔ اس جدائی کے حقیقی معنی کا اہتمام فعلیٰ کے

لفظوں میں "دعا" سے "عزم" صدارت کے اور یہ زیادہ

وفاقت سے ملتا ہے۔

بے گھری اور بے وطنی دو الگ الگ مضمون ہونے

کے باعث جدید شعراء کے یہاں اکثر دو جھوٹا ہے

اور وہ آج کل کی دنیا میں انسان کی کجائی "باجی" اور

انسانی جیسے احساسات کا مضمون بناتا ہے۔

فعلیٰ کا دوسرا موضوع جو گھر کی یاد اور گھر کی اتنا

کی ترغیبی کرتا ہے وہ دامن کی خبر گیری اور محنت اور

پر عملی مہمت کے نظریے کا آئینہ دار ہے۔

محرومت اور غربت کے موضوعات سے وہی

شاعری بھی آتا ہے۔ انیسویں صدی میں چارلس اور

لیڈر موقوف جیسے عظیم ترین شعراء نے گھروں کے

بجروں کے خلاف آواز بلند کی اور ان موضوعات پر

بہت شاعرانہ رچ بیکھیں۔ بیسویں صدی میں جو شعراء

بھی سیاسی اور سماجی اطرا دیے وہ سے مغرب میں اور

دین اور کئے انہوں نے بھی بے گھری کو اپنی شاعری کا

موضوع بنایا ہے۔

یہ بات ظاہر ہے کہ جہاں دنیا اور بے گھری کے

موضوعات ہمارے ہمہ کی انسانیت کی عالم گیریتوں

میں شامل ہیں اور ان کی اپنی جگہ بڑی اہمیت ہے۔ اس

اعتبار سے جدید اردو شاعری عالم لب کے ایک اہم

زبان کی عمر پر زندگی کی کرتی ہے۔

(بانی)

☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

فیض احمد فیض کا ترجمہ

”دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں“

فنیس سولتی نے صرف پاکستان کے ساتھ دھول
 کا رنگ بندھو جان اور پھر میٹر کے ساتھ اور کے
 پہاں، سہرہ طرہ 20 دوسرہ 1984ء کو انہوں میں
 انتقال کر گئے۔ پہاں کے سینے میں بھری ان سے
 آخری ملاقات ہوئی تھی۔ ہم ان دنوں لندن میں اکٹھا
 کام کر رہے تھے۔ ہمیں کم و بیش چودہ گھنٹوں کو
 انگریزی زبان میں ترجمہ کرنے کا سہارا پیش تھا۔
 بڑے پٹائل پٹائل اور حق و چوہہ نظر آ رہے تھے۔
 مجھے یقین آئی کہ صحت کا خیال اس کی گورہ جاتا تھا انہیں
 صحت مند دیکھ کر بڑی طراوت حاصل ہوئی۔ مجھے
 یقین تھا کہ میری ان سے دوبارہ لندن میں ملاقات ہو
 گی ان تھوڑے دنوں میں اور انہیں تو پاکستان میں ضرور
 ملاقات ہوگی اور ہم اکٹھا رہیں گے جیسے ہندوستان
 بنانے کے منصوبے اب جاری کر رہے تھے۔

اب ایسا بھی نہ ہو سکے گا اب اچھے نمایاں شاعروں کی یادوں کو لے کر کے دیکھنا چاہنا ہی کی شاعری کو تو تھا اگر جی زبان میں غزل کرنے کا مرحلہ نہ ہوتا ہو گا۔ شاعری میں کی غزل پڑھ لوگی کے لیے مجھے وہاں اگر تجویز، سفارش، یا کسی دہان میں رکھ کر آئے دیکھنا ہو گا جو میرے دور میں کے ہیں، وہاں تو کمال شاعری سے حقیقی غزل کا موضوعات، خصوصیات کی شاعری کے بارے میں آتا رہا ہے۔ اب میری یادوں کے دہان میں

تجربہ کرتے کی گھن گھرائے ان کے شعری کام کی اداسی کے علاوہ کچھ ایسی فحش شاعری بھی لکھنا کرتے جو سنہ ۱۹۷۱ء میں ان کے شاعرانہ حلقوں کی طرف سے شدید مذمت کا شکار ہوئی۔ ان کے شعری کام کی اس طرح کی فحش شاعری نے ان کی شاعرانہ حیثیت پر برا اثر ڈالا۔ ان کے شعری کام کی اس طرح کی فحش شاعری نے ان کی شاعرانہ حیثیت پر برا اثر ڈالا۔ ان کے شعری کام کی اس طرح کی فحش شاعری نے ان کی شاعرانہ حیثیت پر برا اثر ڈالا۔

چہ نگار وہاں کے شعری افکار سے بھی بے واسطہ
 اور واسطہ مرور ہیں۔ اس سے پہلوت ہم سمجھتا ہے کہ
 ان کے ہاں اخلاقت کی زبان اور روایت کی قدر
 جادو اور مقبولیت کی ہر گمراہی تھی۔

فصل نے دوسری جنگ عظیم میں ہندوستان کی
مطلوبی الطوائف میں شامل ہو کر حصہ لیا مگر جنگ کے
بعد سے وہ ہندوستانی قیام کے جذباتہ احساسات
کے شکار اور قربان بن گئے۔ دوسری عالمی عظیم
جنگ کے ملاحق پاکستانی تھے مگر ان کا دل اٹلی
ہندوستان پاکستان بلکہ پارے سے ملنے کے عظیم احساس
کے ساتھ دھڑکتا تھا! اسی لیے اس جنگ عظیم میں
ایشیا میں جیسے دماغی شعور و شعوری سے لگا ہے وہ
فصل کا بھی طرح چار تصور کیا ہے۔

ملحق نے صرف نام کے لئے کہا کہ بڑی سوت اور پامری کے ساتھ قائم رکھا گیا وہاں کی زبان میں گھر۔ جب انہوں نے روزمرہ پاکستانی فلم کی عادت سنبھالی تو اس حیثیت میں انہوں نے فلم دستاروں طرح سے اپنی عمارت اور نئی انصاف کی عادت میں روزانہ اپنی اس طرح وہ فلم دیکھ کے قافلہ کے طور پر بچھاتے جانے لگے۔ انہی کی اپنی اپنی عادت تھی۔ انہوں نے حکومت کی، فلمی مواد کی اور 1961ء میں گرفتار کر لے گئے۔ سزاوت سوت کے فیصلے 11 جیلوں سے 11 جیلوں پر ہوا۔

خوابیہ تھے ہیں کہ نفقہ کیس وقت کہاں ملے گا؟
 نفقہ انہیں لوگوں کے پاس سے آنے سے
 جب مئی 1979ء کی ایک سرعام ان سے ہوا
 میں طاقت ہوئی۔ ہم دونوں کو "ایسٹ ویسٹ سنٹر"
 کی طرف سے تین اقوامی ادبی کانفرنس میں شرکت
 کی دعوت دی گئی تھی۔ میرے پاس اس تین اقوامی
 ادبی کانفرنس میں شریک ہونے والے سرورہن کا
 سرکاری فوٹو گراف بھی ہے فوٹو گراف میں گل چوہ
 شریک ہیں مگر جہاں تک میرا تعلق ساتھ ہے اس

آسامیوں سے بلکہ ہو کر زندگی گزارنے کے قابل ہو
 گئے تھے اور اسی اسامی نے انہیں تمام کا دہائیوں
 ہادیوں اس کی ایک مثال قویہ ہے کہ جب میں نے ہونے
 لگوئی طاقت کے ہونے خدا کا کئے ہوئے ان سے
 ان کا چہرہ دکھا تو انہیں نے سہماتے ہوئے کہا "اس
 تکلف کی چھٹی ضرورت تھیں۔ آپ صرف "نفقہ"
 پاکستانی لکھ رہے تھے لکھنے والے جانے گا۔" اس کا جواب یہ
 ہے کہ پاکستان کی پانچ سو تین نفقہ کی کی شاندار
 نکلوں کا شریک ہے۔ یہ لوگ ان کے اپنے لوگ ہیں۔ وہ

نفقہ کی جالیہ پانچ ہیں۔ میرا بھی تھیں پانچ اور ہیں پشتر
 وقت انہیں قہر تھا کہ میں دیکھ گیا۔ جن لوگوں کا میں نے
 قریب کے لیے انتخاب کیا ہے ان میں سے اکثر و بیشتر
 اسی قہر تھا کہ میں لکھ گیا تھا۔
 نفقہ نے عوام کے جذبات کی اسی طرف سے
 قہر تھا کہ ہے اور یہ خدمت انہوں نے صرف وہی
 قہر کی اسلام آباد کا انتخاب حاصل کر کے اس قدر
 کے ذریعہ ہی ایہام نہیں دی بلکہ اپنی پوری زندگی
 و اطوارہ تمام کی تعلیم و ترقی میں گزار دی۔ وہ دراصل



نہالہ زما، ایسٹ ویسٹ سنٹر

کھانے کے دوران ہم نے کیا کہیں کی شاعری کا انگریزی میں ترجمہ سنا دیا ہے۔ اس وقت تک گھیرے معلوم ہو چکا تھا کہ فنکار کا شمار دنیا کے بڑے شاعروں میں ہوتا ہے۔ میں نے فنکار کی شاعری کے ان تراجم کو چند جگہ چلی گئی جو ان کی بیڑی نے بچے تھے۔ میر سعدی میں وہ کہ صرف ایک ہی سہاں گیلہ ہا تھا۔ کیا میں تو جیسے میں وہ بہت بڑا کر سکتی کی برآمد میں سوجھ ہے؟ کیا میں ان کی شاعری کا کوشش کو انگریزی کی زبان میں منتقل کرتے ہوئے وہ جذبہ اور جان ادا نہیں کی جو ان کی زبان میں ہی دستور بند لگتی ہے۔ میں نے دل ہی دل میں کہا "کوشش کرنے میں کیا ہوتا ہے۔"

کام شروع ہو گیا۔

اس کے بعد سے ہم ہاتھ پاتھ رکھ کر لکھنے لگے۔ جب اکی فرسٹ بل کی انٹرنل کی مصروفیت سے فراغت نصیب ہوئی، ہم بھاگ کر میرے پاس کے کمرے میں بٹنگ لگے ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر لکھنے لگے اور ایک اضافی کام اور ملازمت کے مطابق کام کرتے رہے۔ فنکار نے اپنی نظم کا ترجمہ کیا۔ میں نے جن کاوش کھولیں۔ اس کے بعد میرا کام شروع ہو گیا۔ میں نے نظم کے متعلق سوال کیے۔ گھنٹے کی کوشش کی۔ ہم بچا "آپ نے یہ اصل پتلا پتلا پتلا پتلا کھاتے" یہ استعارہ یہ کہیں ہی کیوں چلا؟ ان سے آپ کی کیا مراد ہے؟ مگر میرا جواب ان کا تھا کہ وہ بیان میں جس تھا۔ جو جیج اور ان کے لٹے والے کے لیے سان مار باسٹی "وہ امریکی کاری کے لیے لکھی اور بے غمی تھی۔ میں نے برقی بات" برا بھلا ایمپار کی شاعرانہ خیال بندی کے دوسرا دوسرا کو وہ بارہ زندگی کے لکھنے کی نگاہ میں "شعری اختراع" ہر جہت سے نئی بات کی معنیت کی انہوں تک پہنچا پائی تھی۔

مجھے تھے کام شروع ہوا ہے۔ ایک طرح کی تلاش اور ایک قسم کی جستجو کا عمل۔ لکھائی دے اور اندر میں گھٹنے کی قچی کی کھری زبان اور میرے اوپ کی روایت کیا کر سکتی ہے اور کیا نہیں کر سکتی ہیں یہ بھی مجھ کی قچی کی کھری اندر شروع کرنے کے ساتھ میری راسخا صلاحیت بھی ہے۔ اس کا اندازہ لگائے اس لیے بھی تھا کہ میں خود شاعروں اور فنکاروں کے ساتھ اس میر آزاد اور ذرا فرما کر سے گذرتی رہی ہوں۔ میں نے یہ بھی لکھ لیا تھا کہ کیا کرنے میں کئی امر اور کتبہ جنت لگتا ہے۔ نظم انگریزی زبان میں اسطرح اسطرح لکھنے مواصل سے گذرتی ہے۔ کئی مختلف لکھنے لکھنے چکے اور ہمیں بدلے کے بعد عمل ہوئی ہے کہ اسی عمل سے "میں انگریزی زبان میں شاعری کرتے ہوئے گذرتی ہوں۔ نظم کا ترجمہ کرتے ہوئے گھٹنے بات کا تصور، خاص خیال رکھنا اور کا نظم میں وہی معنی پیدا نہیں۔ چنانچہ وہی معانی خیال قائم ہوئے۔ جو فنکار کے فنکار لکھ رہی ہے۔ اس میں وہی جذبہ ہوا ہے "پھر وہی کشمکش ہوئی اور اس کی گری دھڑکتی وہی دھجی دھجی میں گئی اور وہی وہی ایک خرابی اور فزنی ہو اور سب سے زیادہ کہ انگریزی تو جیسے میں وہی بات پیدا کی گئی جو میرا وہ میں چاہی میری ہے۔

میں غولی چاہتی ہوں قتال کا دورے اور نکاحات، نکاحات اور شہقتات، استعارے اور کائنات، بات کہے کا وہ فصاحت اور کھراں تمام حاسر میں وہی گری اور شہقت پیدا کرتا ہوا اس قدر ان میں تھپ سے پیدا کرتا ہوا اصل میں سوجھ چلا گئے جو کھوں کا کام ہے اس کا لکھنا رکھنا کوئی صلت کیا چاہا ہوئی ہے ہر کوئی صاحب دوست نہیں کیا گنگی جیتا ہے بڑی عرق ریزی اور جہد خالی کا مقابلہ کرتا ہے۔

کیا لکھ کر انہیں چلا؟ انہیں ساتھ لے کر چلا چلا

ہے۔ گھنٹوں سے چھکارا حاصل کرنا ہوتا ہے ہر گھنٹہ ان کے ہنجر چلا نہیں کرتا بھی بڑا محنت کا کام ہے۔ اس کے بجائے کرنے کا کوئی نہ بدعا لکھنا یا دوسری طرح لکھیں۔ شاعری کے بارے میں گھٹنے اور شاعری کرنے میں بہت طاقت ہے۔ گھٹنے کا بہت سا کام یہاں سے باہر ہے کیونکہ وہ یہ شاعری ہے ہر جہت سے مصلحت شاعرانہ ہے۔ یہ ایک ہے ہر جہت سے۔ یہ آوازوں کا سوا ہے۔ اگر گھٹنے کا کام شعری کوششوں اور دوسری باتیں اور ان کے لئے میں جس طرح کرنا چاہئے تو شاعری دم توڑ رہتی ہے۔ میں صرف آواز کیے یا کتا کہیں کی کہ شعری کوشش کا کوشش بہت اہم ہے کیونکہ یہ ایک ایسی مضبوط زبان ہے جس کی مدد سے چھٹک کا کر ہی شاعری کے لیے اس وقت میں رہتی تھیں ہے۔

سب سے پہلی نظم جو لکھنے کے لیے وہ آواز تھی لکھنے کی پہلی نظم لکھنے

Spring comes; suddenly all the time returns

all my young days that expired with our kisses,

that have been waiting in Limbo, come back

every time the roses bloom with your fragrance,

and the blood of your lovers.

All my misery returns,

all my melancholy of suffering of friends,

drunken after embraces of women beautiful as the moon.

بہت مشکل علم تھی۔ یہ علم فقیر نے قبرستان میں ہر کر
داہیں آنے کے بعد اگلی تھی۔ سدا سے 'شہزادہ نازانی'
کیلئے 'انھوں کی سناٹا صورت گری ہر قتال کا دل
کے لانا سے یہ چھوٹی سی ایک سی علم ہے جس میں کسی
چر کا فکر انداز میں کیا ہو سکے۔ انھیں ترسہ پہنچے

On cold stone slabs

grey stone slabs

flowers are sprinkled

like a smattering of fresh, warm
blood.

The stones are all nameless

melancholy with the suffering of
friends,

intoxicated with embraces of
meat-bodied beauties,

All the chapters of the heart's
oppression return,

all the questions and all the
answers between you and me.

Spring comes, ready with all the
old accounts reopened.

"لیکن گرا میں جکی قبرستان ترسے کے لیے

The book returns replete with
the heart's suffering, the
questions left unanswered.

Spring comes,

چھوٹی سی علم ہزارک بھی ہے اور جسمی قسم کے
درد کی جھنجھ میں داہلی ہوئی گئی۔ ایسے درد کی آنکھ
میں داہلی ہوئی جو کسی خاص ہر کی خاص سب سے
کسی خاص موسم کے ڈر سے درد ہوا 'آفری پارچی'
تمام تر پردوں کے ساتھ خود کر آئے۔ اس علم پر مجھے
جی کہہ دو کہ دل کی پناہ دی۔ ہر انکا زیر صورت 'پر نشان کو
خصوصی شکل دیا دی۔ مطلب کے اعتبار میں نام لائی
انداہ پھا کرنا چاہا تاکہ شہزادہ سے جڑ میں ہی گئی اور
حرامت داتی رہے جو اند میں رہتی کسی کھلی تھی ہے۔

میں نے فقیر سے پوچھا تو اس نے سطر میں
Book سے کہا 'فرد ہے' انہوں نے کہا 'تو کہتے
میں میں گرا ہے' آج کے جانتے ہیں۔ اس علم کا دوبارہ
کھینچی کہنا تھا آج اس کی خود کھلی تھی یہ گئی

Spring Comes

Spring comes; suddenly all
those days return,

all the youthful days that died
on your lips,

that have been waiting in
Lumbo, are born again

each time the roses display
themselves.

Their scent belongs to you; it is
your perfume.

The roses are also the blood of
your lovers.

All the torments return,



کولمبیا یونیورسٹی کے مجلے میں تواریخ کے موضوع پر ایک مضمون لکھا ہے

and the eye (eyes) become
restless lies leap over the timeless
land of isolation morning begins
to dawn.

On some distant horizon a wave
of light is playing.

■ snatch of song, a whiff of perfume, a glimpse of a beautiful face

money, but like the travellers

bringing the disturbance of hope.

I fill the cup of my heart

with my morning drink.

mix the bitterness of today with
the poison of yesterday.

and raise a toast of my boon
companions

at home and abroad

"to the beauty of earth, the ravishment of lips."

ان لفظوں کے ساتھ آغاز کیا کہ:

اور قرآن مجید تو میں مستور نہیں کر سکتی مگر علم اللہ ہی کی طرف سے ہے، اگر اللہ چاہے تو اسے علم ہی سے خارج کر دے گا۔

ظہورِ الہی ہے۔ ان میں سے اکثرہ بیشتر اپنی اصلی قوت

ماتے ہیں۔ یہاں یہ بیان کرنا بہت ضروری ہے

وہ غلے میں جو غلے کے اس آئینے سے ملے ہوئے ہیں

سب سے اہم بات اس کی طبعی معنوی طاقت اور
مخاس ہے۔ اسی معنوی طاقت کی وجہ سے اس کا جذبہ

flowers and the woman carved
in granite.

She is their mother now.

she makes them all small again,
watches them sleep forever.

Only she is awake, draped in
her hard garland, weaving and
reweaving

her other part and of sorrows.

ایک غریب شاہی جو فطرت سے توجہ کرتے ہوئے ہر پہلو میں آسانی تھی وہ یہ بھی کہ وہ نظم

کتاب پر پوزیٹو رائے کے انکشاف کے لیے اس کی تمام خوبیوں کا
استعمال کیا جائے گا۔

محسوس، حالی اور لیاؤ اور شعور جو جاتی ہے کیونکہ ان کی زبان سرخس اور رونا کی مضامین و مستحکات سے بھر

ہے۔ وہ صوبہ گری قبائل کاری میں جسی و ملال کی
عظمی ہری سے زیادہ کام لیتے ہیں، چنانچہ ان کے

تبدیل کرنے سے پہلے اس کی شکل کا تحلیل و تفسیر کرنا

میں نے اس کی بات اور فطری ماحول پر گہرا غور کیا ہے۔

کی طرح کے اس کی وجہ سے جاری رہا
 اس طرح کے اس کی وجہ سے جاری رہا

ہمارے دروازے، بھٹوں کی سہولت کو انگریزوں کی زبان کے

۴۱۔ ایک میں سونے کی کاشی کی ہے۔
 نظم ”تو قیام“ کا نظم دیکھو۔

On some distant horizon a
wave of light begins to play

and in my sleep the city of pain
awakens

but every flower carries the name:

of same unknown deeper

and someone weeping in his
 presence

Finched with their blood

Shouldered in their blood

All the users are fast as/less

The mother alone is awake
wearing the garland of her
sorrows.

وہ یہاں کیا ہے؟ کمر نشین؟ یوں! کھڑے ہو کر
 ہاں کوں ہے؟ وہ ایک بہت قد میں ڈھکی ہے۔ وہ لڑ
 قہروں میں اٹھ کر فریادیں کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ یہاں
 ہے۔ یہاں چکر مار رہا ہے۔ اس کے ذہنی کی حالت کا ایک
 حصہ مجھے اس بات کا بھی پتہ ہے کہ اس کے ساتھ علم کی
 شہادت پر کڑی نظر ہے کہ اس کے جس طرح فیصلے کے عمل علم
 میں ہیں۔ یہ علم کی اصل شکل ہے۔

The War Cemetery in Leningrad

These dabs of living blood
are carnations and tulips
sprinkled on the ice cold stone.

Each flower is named for one of the unforgotten dead, and of someone who weeps for him.

These men have finished their work;
there is the testament of the

اور لہ اچلی چن سے کوئی حلقہ ہے اور اس میں
”سکرین“ کی علامت ہی محسوس ہوتی ہے۔ یہ مفاسد
یہ کھلی کھلی چاشنی جس میں ترانہء عالمی لذت اور ہر
عاجی کا شہ نہ ہو۔ تعلق کی شاعری کی انفرادی شان
ہے اور یہ ان کی سنبھلی ہوئی انصاف اور کشمکش کی
فشاری کرتی ہے۔ وہ دھم دیر اس میں بھی استقامت
پامری کا اعجاز کرتے ہیں۔ یہی ان کی شاعری کی
سب سے نمایاں خصوصیت ہے جس نے مجھے چنانچہ
بکرا لہابِ ظلم کا حقیر مرزا نظر ہو۔

Solitary Confinement

On the distant horizon a wave
of light
begins to play; in my sleep I live
in the city of loss. My eyelids
flutter in their restless dream
as morning moves forward
over the loneliness, the country
without borders.
A wave of light is dacing
over that distant horizon.
The merest retain, the ghost of
perfume,
the beloved face glimpsed for a
moment,
fortune me with hope, the final
disturbance.

They arrive and leave,
travellers who have no time to
stay.

I fill the cup of my heart
with my morning drink, today's

gall
mixed with yesterday's
bitterness.

I raise a toast to my friends
everywhere:

"Let us drink, my dear ones, to
human beauty,

to the loveliness of earth."

اور اس کے بعد پاؤں کی پرہیزگاری کھینچ کر کھانے
کے بعد تعلق اور میں پر صبح کر دیا رنگے آواز کیوں
نہ ٹھہری بدستور ان کے گہری دستور میں کھانا کھانا
ہائے! اور لی کا نظریں میں آنے والے مساجد میں کو
کھانے کی دشمن صرف بارہا ادریب سے تھے۔ شانی
بدستور ان کے دستور میں کھانا کھانے کی بات تھی
نظر نہیں آتی تھی۔ لیکن ہم "اوست ویت منتر" کی
حدود میں کھانا کھانا کھانے کا شکر اچھے تھے۔
ہم نے پودھان کی اور اپنی ترکہ میں بدستور ان میں
پہلے ہوئے دلی کھلی کر باقی نہیں۔ کھانا کی کر
دستور ان سے دیر گئے ہی والے تھے کہ تعلق کا ہم
سننے ہی ایک بھی لڑکا کا کھانا آیا اور لڑکا چنی میں
ان سے بہت گہرا۔ ہر کیا خیرا فیلنگ کا نام چنگ کی آگ
کی طرح سارے میں بھٹی گہا۔ دیر دیر ہم اس "سمن
ہارے" سے خائے ہائیں ہو گئے۔ اس کا نام انکار
دوران تھا۔ وہ ایک دم سے ہمارے میں بھج گیا۔ اس
کی کہانیاں لڑکی سنائی تھی۔ اس رات سے نہ ہو مگر تعلق
کا ہیے کارور میں گیا۔ ہوئی میں پاکستان کی تھی ڈی
تقدیر میں رہتی تھی۔ اپنے ہم وطن شاعر کو خوش آمدید
کہنے اس کے ساتھ کھانے چنے اس کے ساتھ کھانا
تکلیف سے ایک ٹاکر بیٹھے کے لیے بہت سے لوگ
جمع ہوئے تھے۔ انھیں اس لیے کہ اپنے محبوب اور
ہندو شاعری آواز میں تھیں۔

ایک اور نظم "جب توں آئی" کو یہاں ہی سہاٹی و
سہاٹی میں چھپا دیا ہے۔ پاکستان میں انٹیکلر شپ
کے ساتھ جب سٹریٹس کی پینڈی نافذ کی گئی تو سہاٹی
اور سہاٹا سہاٹا انکار اکھڑا مشکل ہو گیا۔ چچہ دیں کہ ان
کے اصلی جہوں سے چکارا مشکل ہو گیا تھا۔ دھڑکائی
انجامیت و اشاعت سے ضروری ہو گئی۔ اسی دور افلا کی
ایک نظم ہے اور اس دور کے خالق کی امید پر تمام ہوتی
ہے۔ لکھی دیر سے ہے

And then one day such-wise
autumn came
naked trees of ebony torsos
stood arrayed
with yellow leaves of their
hearts
scattered all round on
roadways.
Whoever willed trampled them
underfoot
and not even a mean was heard.
Songster birds of dreams,
imaginings,
when they lost their sons
became strangers to their voice,
fell into the dust all by
themselves,
And the bird-hunter had not
even strung his bow.
Oh, God of Spring, have mercy
Bless these withered bodies with
the passion of resurrection,
their dead veins with blood.

begins to sway
in the bedroom of the beloved,
and the tinkle of stars as they
rush to depart
can be heard on the silent
windows.
What will it be like, the day
death comes?

Perhaps like a vein screaming
with the premonition of pain
under the edge of a Knife, as a
shadow,
the assassin holding the Knife,
spreads out with a wing span
from one end of the world to the
other,

Whichever way death comes, or
wherever,
in the guise of a disdainful
beloved who is always cold,
there will be the same words of
farewell to the heart:

"Thank God it is finished, the
night of the broken-hearted.
Praise be to the meeting of lips,
the homeyed lips I have
Known."

فتنی کی شامی "فتنی کی یہ غلام خدمت" جو
اس نے تمام کے درمیان سر کیا: سب سے اور سچائی کی
قضا سے ہے چڑ ہے۔ کیا وہاں جو اس کی شامی
کے وہ پتہ سنا ہیں "اے ابو بھگے" کے فتنی میں
کے اہل میں دکھ ہے کہ میرے دل کے اندر لگی
لیکن زخم ہے گا

☆☆☆

وہنا اس نے یہ نہیں کہیں "وہ اب لہری
نچر سوتا ہے" انہوں نے لہری نے اس کے سر سے کا
سنگ چٹا۔ میں آج لگی اس دھچکی فراموشی تم کو
بھانے کی کوشتی کر رہی ہوں۔ میں ڈرتے کا نام ستم
کر رہی ہوں۔ سب میں ہی ایک لہری لگاتار ہوں
اُن آگہوں کی جہنم نے ایک ساتھ دھڑک کر رکھے ہیں۔ ہم
سے۔ شامی اور رات کی کے بدصوں میں ایک
دوسرے کے ساتھ آگے ایک ساتھ کام کیا جو رشتہ
قائم ہوا تھا وہ بھی نہ تو مضبوطی اور پائیدار ہو گیا۔
فتنی اپنے دل کی دھچکیوں کو اس کے کپڑے کپڑے میں
معمولی دھچکیوں کا دھڑکا ہے کیا یہ وہی قلب اور
جھٹکا تھا جس کے سوں کو ایک دوسرے کے ساتھ
نرزانی سے یہ صفا بیت دکھاتا ہے

اب کے سال غلام کی آمد پر میں نے اور
چند شوروں کر دی ہے سب کے "بہ سے دل" میں
فتنی کہ ایک ہی کاغذی تھوڑی کڑی کی جس پر میرا
نام فتنی کے نام ہی کے ساتھ اور زبان میں لکھا ہوا
ہوگا۔ اب ایک فتنی ظلم میں کا اور سچائی فتنی زجر
میرے ہی نہیں

The Day Death Comes

How will it be the day comes?

Perhaps like the gift when night
Begins,
the first Kiss on the lips, given
unasked,

the kiss that opens the way to
marvelous worlds

while, in the distance, an April
of nameless flowers agitates the
moon's heart.
Perhaps in this way: when the
morning

green with unopened buds,

Let some tree flower again

Let some bird sing.

اس ظلم کے جس سے کہ زجر کرتے ہوئے گئے
سب سے زیادہ دشواری کا سامنا کرنا چاہتا تھا فتنی
کی ساقیوں سے لگا کر وہی طرح ہو رہی ہے۔
فتنی زجر دھڑکا ہے۔

When Autumn Came

This is the way that autumn
came to the trees:
it stripped them down to the
skin,

left their ebony bodies naked.

It shook out their hearts, the
yellow leaves,

scattered them over the ground.
Anyone at all could trample out
of shape
undisturbed by a single moan of
protest.

The birds that herald dreams
were exiled from their song,
each voice torn out of its throat.

They dropped into the dust
even before the hunter strung
his bow.

Oh, God of May, have mercy,

Bless these withered bodies
with the passion of your
resurrection:

make their dead veins flow with
blood.
Give some tree the gift of green
again.

Let one bird sing.

”کیا روشن ہو جاتی تھی گلی جب یار ہمارا گزرے تھا“

20 نومبر 1984ء کے بعد سے اب کئی وقت گزر چکا ہے لیکن ابھی تک دل اس رنج حقیقت کو نہیں مٹا کر اب فیض احمد فیض زندہ نہیں ہیں۔ کہ اب یاد سے ’اگر سے اپنے فیض صاحب ہاسکو بھی نہیں آئیں گے وہی لوگوں کے کاپی ہماری یاد میں نہیں گئے‘ کیوں نہیں اٹھ اٹھ کر آتے ہیں؟ میں نے آنکھوں پر پٹی لگائی ہیں۔ سنہ چھ آواز۔“

مر گیا تو دہائیوں پہلے ہی شہرام کو سنا ہے کہ اب کن رنج تھلائی لاقی غم کو گھر سے جانے کا اب کن اگر چہ جانی کے کھنڈہ غائب کے یہ سر سے ہے اختیار رہا ہے ہمارے شاید یہ واقعہ بات نہیں۔ پہلے تو اس نے کہ اب ادیب و ادیب پر غم رہا ہو مگر یہاں میں غائب تھا کہ فیض کے نام ساتھ ساتھ لگے جاتے ہیں کیونکہ ان میں اس عظیم شعراء کے کام میں ہر ایک کے ذریعہ دست افروزی رنگ کے پانچو وہ شعر کہ بائیں پائی جاتی ہیں جو درد و شہر و شامی کی کوئی روایات کے حاکم کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ناموں کا یہ تسلط اور ادیب کی تاریخ اس کی دانش و محال کا نتیجہ دار ہے یہ تمام ادیب اب کے مختلف ادوار کے نشان ہیں۔ ہماری بات پر کڑائی طور پر بھی میں ایسا فیض صاحب کو غائب سے بات کرتی ہوں۔ یہ اس لئے کہ غائب کی مدد سے ہی فیض صاحب سے ہماری ملاقات ہوئی جو 37 برس کی فیض صاحب سے ہماری آشنائی کی ابتدا تھی۔ ان 37 برس کے دوران فیض

صاحب میرے لئے آجوا ’ساجھی دوست‘ اور بہت عزیز انسان ہوئے۔
ہمیں اس کو ہاسکو پر لے کر لائی میں غائب میں کے زمانے میں لکھے اور وہ شامی سے شوق ہو۔ ہمارے دوست اور دل میں جہاں میں غائب کی حیثیت سے ہزاروں کی خلق کیلئے مقرر کیا گیا ایک سہلی کیلئے بھی گئی تھی میرے غائب جانتے ہو گیا۔ میں نے اور وہ شامی کا ساتھ کرتے رہنے کا فیصلہ کیا۔ 1987ء میں جب ہاسکو میں مرزا غائب کی مدد مل رہی تھی سنانے کی چاروں طرف ہوتی دیکھے سے مرزا غائب کی غزلوں کا احباب اور ان کا مدد میں لکھی تھیں کہ میرے لئے کی تجویز کی تھی تاکہ میرے میں ایک بچہ جو میرے حرم میں شامی سے لکھے کہ غم میں ملے۔ میں بڑی خوشی کے ساتھ چاروں ہوتی تھی میں نے دیکھے ان کی شکایت سے وہ چاروں چاروں کہ میں نے دیکھے وہ جو اس ہو گئی۔ تب میرے ایک واقعہ کا زمانے میں سے کہ ”آج کل فیض احمد فیض ہاسکو آئے ہوں۔ تم ان سے کیوں مدد نہیں مانگی؟“ پہلے میں حرم میں ہوئی یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہاں فیض احمد فیض اور کہاں میں لکھی کی طرف؟ وہ مجھ پر اپنا فیض وقت کیوں خارج کر رہے گئے؟ اس وقت بھی میں فیض صاحب کا وہ مشہور شعر پڑھتی تھی جس کا ایک مصرع ہے ”وہ تو جب آتے ہیں ناگہ بہ کرم آتے ہیں۔“ لیکن اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا کہ ناگہ بہ کرم آئے والے خود فیض صاحب ہی تھے۔ اس لئے میں کبھی گھر کی تھی

لیکن وہ ان غائب میں سے ایک ہوا شمار کا احباب کرنے اور ہمارے میں سے کافی اشتہار کھینچے میں بھی شکایت کا قائل ہو کر مسلم ہو رہی تھیں۔ اس میں فیض صاحب جیسے غائب شامی سے ہجر کوں میرا ہاتھ بنا سکتا تھا؟ اور میرا سے بڑے شامی نے کا شوق بھی بہت قدر میرے دوستوں نے فیض صاحب سے بڑے کا احترام کیا۔ ابھی تک مجھے یاد ہے کہ میں کس قدر گھبرائی ہوئی، شرمیلی ہوئی فیض صاحب کے حضور آئی تھی۔ اپنے حوالہ کے ساتھ ساتھ وہاں سے گلے لگائے ہوئے کہنے کیلئے چار کیا کیا تھا ان کا بچہ آئے ان کے حضور میں۔ تب تب تک ہم مل گئی۔ بڑی مشکل سے ”I am very glad to meet you“ کا کوئی انگریزی جملہ میرے حوالے لکھا لیکن فیض صاحب نے ہماری حالت کو گھبرا دینا بھی نہیں۔ مسکراتے ہوئے کہا ”تم غائب بہ کام کرنے والی ہو؟“ اور فرمائی ہوئی؟ تم اپنے ساتھ غائب کا کوئی دواں دلی ہو؟ کوئی ایسا نہیں ہے۔ دیکھا۔“ اس اعتبار میں فیض صاحب نے لکھا ہو گیا۔ تب پر چھائی جواب دیا۔ میری ساری گھر بہت ساری پر چھائی کا لہر ہو گئی تھی۔ ہماری بات جیسے کافی دیر تک رہی۔ میں بھول چکی تھی کہ خود فیض احمد فیض سے بات کر رہی ہوں اور یہ کبھی میری سے ملنے ملاقات ہے۔
ہاں وہ ”آئے تو ہیں کو کیسے ہیں؟“ سے میرا ”اگر خوش قسمت سے اس شعر کے بعد سے میرے کا وہ معلوم

ہے مجھے اس کا تجربہ بھی نہیں ہوا۔ بجلی کی حالت کے بعد بھی فیض صاحب نے مجھے بہت وقت دیا تھا۔ انہوں نے مجھے غالب کی فزوں کے انتخاب کے لیے اصول بتائے۔ غالب کے مشکل اشعار پر جانے والی کی خاص خوبیاں پر میری توجہ دوائی اور مجموعی طور پر اردو شاعری پر بھی کچھ سبق پڑھائے۔ اس طرح کے سبق چلے رہے تھے 1967ء میں کے اردو داؤن وقتا طور کا قیام ہوا۔ اس لحاظ سے میں اپنے آپ کو بے حد خوش قسمت سمجھتا ہوں اور اس کیلئے فیض صاحب کی عمر بھر اسان صبر ہوں گی۔

اس بار 1967ء میں پاکستان سے جانے وقت فیض صاحب نے مجھ سے کہا تھا: "کیوں انکی ادب غالب سے تہداری دیتی ہوگی ہے؟" پھر میں جا رہا ہوں۔ "فیض صاحب چلے گئے جن کی ان کی پختہ ان کے لئے اشعار ان کے ذاتی ادب، کچھ میرے ذاتی پر نقش ہو کر رہ گیا۔ اس وقت سے میں بڑی بے حالی سے دھل رہا ہوں۔ ان کے لئے فیض صاحب کی یاد دہانی رہتی تھی۔ اسی طرح میرے علاوہ پاکستان میں اور بہت سارے لوگ تھے جن کیلئے فیض صاحب کا آواز ایک قریب سے آگیا ہوا تھا۔

13 فروری 1971ء کو ساگرہ گاون فیض صاحب نے ان کی ہار پاکستان کی گزارشات فیض صاحب کی 70 ویں سالگرہ بھی ملنے پاکستان میں منظم پیمانے پر بڑی دھوم دھام سے منائی گئی تھی۔ چنانچہ ادب میں سب سے شاعر چلے رہا تھا۔ ہال لوگوں نے کچھ کچھ برا تھا۔ فیض صاحب اپنی انھیں اردو میں جانتے رہے اور وہاں کے بڑے بڑے شاعر انھیں ان کا اپنا ہاتھ چھو کر جانتے تھے۔ اس جلسے میں فیض صاحب نے ایک تقریر بھی کی اس میں فیض صاحب کو دیکھتے اور بچتے وقت کی کوئی ان کی عمر کا خیال تک نہیں آتا تھا اگرچہ یہ ان کی 70 ویں سالگرہ کا جشن تھا۔ ایک

بڑے بڑے شاعر انھیں ان کے لئے کچھ یاد دہانی اور ان کی بات کر رہے تھے۔ ان میں میں بڑی کی بھی تھی اور علیحدہ گروہ خیال کا تہداری۔ فیض صاحب نے پاکستان کے بارے میں بہت اچھے اور بڑے طبعی الفاظ کہے تھے۔ ان کا طبع مجھے ابھی تک یاد ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح کہا: "اسکے میرے لئے ایک حیرت خیز بات۔ پاکستان نے مجھے تعلیم محبت اور محض طرحت کا سبق سکھایا اور اس میں سے محبت کا رنگ اور تھوڑا سے طرحت کا سبق۔ پاکستان میں ہی اس کی طرح کہا کہ اس میں سے نہ صرف محبت کرنی چاہئے بلکہ اس کیلئے ہمدردی کرنی چاہئے۔ اس کی خاطر مشکل اور غیر معمولی ہمدردی کا ضروری ہے یہ ہمدردی وہاں دارشماں کا نقل ہے۔" یہ کوئی نیا کئی الفاظ نہیں تھے اس حقیقت کو جان میں بیٹھے والے لوگ ان کی طرح جانتے تھے۔ ہمارے ایک بڑے شاعر مرزا گوف نے جو

ایک سوشلسٹ تھوڑا سا تھا۔ اس طرح کے طبقہ کو شاعر اور ہار پاکستان میں اور سارے پاکستان میں ان کی ایک جانتے تھے۔ یہ یاد رکھتے تھے۔ ایک عام خیال ہے کہ فیض صاحب کم گواری تھے۔ لیکن مجھے اور دوسری پاکستانی رہنے والے فیض صاحب کے چھوڑے ہوئے کواں بات کا بھی احساس ہوا تھا۔ ہر جگہ یہ اس لئے کہ فیض صاحب نہایت کم وقت کیلئے ہمارے یہاں آتے تھے اور زیادہ وقت معمول رہتے تھے ان کو خاص طور پر کچھ کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔ پاکستان میں فیض صاحب کو طرح کے کام گھر لینے تھے کہ کاغذی زبانوں میں حرکت کرنا کسی ادیب یا سارے کیلئے ممکن تھا۔ "بڑے بڑے بڑے" وچن پر تقریر کرنا "وفاقی انجمن کی بیٹنگ میں جانا 1973ء سے ان سب کاموں کے علاوہ "فونٹ" کا کام بھی سنبھالنا تھا کیونکہ فیض صاحب "افرو ایشیائی



فیض صاحب کے گھر پر گزریں۔ دائرہ خانہ فیض صاحب کے گھر پر گزریں۔ فیض صاحب کے گھر پر گزریں۔

فیض صاحب کے دوست تھے۔ ان کے بارے میں کہا تھا "فیض نے ایک انتہائی کی حیثیت سے خود اپنی زندگی کو ایک لمحے میں اچھا کر دیا تھا۔ وہ ہمدرد

فہرست مضامین، جلد اول

[illegible]

فیض صاحب سے اس مسئلے میں ایک ذائقہ رکھنے کی تحریک کی گئی۔ میں نے ان سے کہا کہ "فیض صاحب! مزید تحریک کے شعراء کے آپ کا طریقہ مضوں کے زمانے کے شعراء میں نہ پڑے ان شعراء میں شاید ہی دوسری جاتی" فیض صاحب جس کرہ نے اسکا لئے میں نے جو یہی مدلی میں پھا ہونا زیادہ لکھ رکھا۔

فیض صاحب کی ہر ضرورت اُن کی پُرکشتی
 طبیعت اور خصوصیات تھیں اُن چہ سارا، سکون، تھوہ۔
 ہر کون فیض صاحب کی زندگی کی سلاخ رہا۔



2000年12月

اور ہندوستانی فقیر صاحب سے ملنے کے خواہاں تھے۔
 سب کیلئے فیض صاحب دلت فاسٹے کی کوشش کرتے
 تھے۔ انہوں نے سماج کی کمان

Yoshida, Y.

وہ ٹائیس بھی اگلی فرسٹ ہی میں جب کسی کے یہاں محفل ہوتا تھا، وہ محفل صاحبِ دلت کے۔ کبھی اچھا کھانا آ رہے تھے۔ محفل صاحب کا اپنے اشعار پڑھانے کا انداز کہ جب ساتھ اس میں وہ اثر محفل تھا جس کے اشعار پڑھ کر ایک بار میں نے

میں ان کی یہ قدر میں ان کی ہم خیالی اور ہم حسن میں ان کی ہم
 اور وہ ان کی وہ مافیہ فاضل کی کردار بھی فیض
 صاحب کی شریک حیات ایلی صاحب سے ملاقات
 ہوئی۔ اس سے بہت پہلے بھی جب میں ایل ایک
 پندرہ سو سالہ کتاب "نوست علیا، کولکٹوریٹی تو اس کے
 اقتباس پر میری فکر رکھ رہی تھی۔ اب جب میں اس کے
 تمام۔ اگرچہ جب اس طرح کے اقتباس میں
 ان کو زیادہ سے اب جان رہا ہے۔
 میں کہہ سکتا ہوں کہ ان کے لئے

ہاں کہیں جتا ہے کہ بچے نے ابھی کچھ فرق
اصل میں بچہ کا ہاں، آٹھ گھنٹی کی دلت
قول میں اس خاتون سے بٹنے کی بڑی
نوا میں جتا ہے ہائی قمی میں نے شاعر کے دل میں
کہ اس خاتون نے جتا ہے اور اچھی سندھو سکن کا کپڑا
یا ایک دن فطری صاحبہ میں صاحب کے ساتھ
کچھ کہنے کے لئے اور بھری، مہم اور بڑی، لیکن جس
میں اس صاحبہ سے ملاقات ہوئی، اس وقت وہ بڑا
میں تھیں جو پانچ، کچھ کہیں میں اس سے ملنے
تھیں کہ ان کے کمرے میں میں نے کچھ کا کپڑا اور
کہہ دیا تھا۔ میں نے بھول کر اس صاحبہ کو اس میں
کسی نہ کسی کام میں مصروف پایا، عام طور پر یہ فطری
صاحبہ کیلئے کوئی کام ہوتا تھا۔ اس صاحبہ پر دلت
فطری صاحبہ کا ہاتھ ڈالی تھیں۔ وہ ان کی مدد کا
بیکر لئی، ٹاپسٹ اپنے بڑے ہوتی تھیں۔ جو ملاقات کے
وقت اس صاحبہ سے فطری صاحبہ کے کام میں کی
تھیں ان کے ساتھ ان کی تھیں اور ان کی
ملاقات یا ملاقاتوں کی انہوں نے کی، انہوں نے ان کی
تجربہ کرتی تھیں، لیکن انہیں بھی اس ملاقات
میں۔ یہ فطری صاحبہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے اور
اس صاحبہ کو دست فطری میں نے بڑی مشکل سے ان کو
دراپے دار سے دھو کر تانے کیلئے تیار کیا۔ پہلے تو وہ
چھ کھل کے دار سے میں نے انہیں دھو کر لا کر
لی جاتی ہیں لیکن وہ دھو کر اس صاحبہ کو گویا "یاد کا
ہوئی" دھو کر رکھا اور میں نے فطری صاحبہ سے ان
کی پہلی ملاقات، ان کی شادی اور ملاقات اور
صاحبہ کا سامنا کرتے ہوئے فطری صاحبہ کے
ساتھ زندگی کی راہ پر چلتے چلتے قدم چلانے کے
ساتھ اور انہیں بڑی تھی، لگے اسے ہے کہ ایک
میں اس صاحبہ تھیں کہ "تو" پانچ گھنٹی کی ملاقات
میں انہیں فطری کے ساتھ ملاقات کی تھی۔

اور فی جہد اسی جہاد کا ایک پہلو ہے۔
 ”سچ سب“ کے لٹا لے کے یہ لٹاؤ فتنے کے خلاف
 زندگی کا لب لباب اور ان کے مٹی، مٹاؤ کا حق
 بھی ہے۔

ہم سوچتے تھے کہ یہ ہمیں اس حق سے کو
 بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور عزیز رکھتے ہیں۔
 فتنے کی متعدد سیاسی تعبیریں اور فتنے کی عام طور سے
 جہاد میں اور جہاد آزادی کے منظر پر اس
 بات کی تائید ہیں۔

شاعر غلامی حم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کیلئے
 ایک دوسرے کو کھینچنے کھانے میں زبان کوئی رکھت
 نہیں ہوتی۔ یہ خیال مجھے بار بار آیا تھا جب میں فتنے
 صاحب کو ان کے سونے، دھنوں، سونے، سونے
 کے دوہان دیکھتی تھی۔ جب ان سے پہنچتی تھی
 ”فیض صاحب! آپ کی دعا کون؟“ تو کہتے تھے ”سب
 ضرورت ہو گی“ ”وہ سنکر کر کہتے تھے ”سب
 ضرورت ہے“ سب اپنے ہی لوگ ہیں۔ ”شاعر اور
 دہان، غلام کے سامنے شاعری اور ادبی۔ یہ منظر
 فتنے کی شاعری کا ایک اہم ترین منظر ہے۔ شاعر
 لوگوں کی عظیم برادری کا جذبہ بہت ہی فتنوں میں ظاہر
 کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک کا عنوان ہے ”شاعر
 لوگ“ ”دراصل فتنے صاحب نے نے اپنے ایک
 ”دوست“ ”سچ سب“ کا مکتبہ کی ملکیت کی رقم کو اپنے
 کر کے اسے دوسرے میں منتقل کیا۔ ”علم کا علم کو دیا
 لیکن اسی اسی نے فتنے کا رنگ بکھرا:

ہم نے ان پر کیا حرف حق سچ دیا
 جن کی صحت سے دنیا لڑتی رہی
 جس پر آسمان بھانے کو کوئی نہ تھا
 اپنی آنکھ ان کے علم میں رہتی رہی
 سب علم زدہ لوگوں سے کتنا شہرہ اس
 کا کھت ہے ”یہاں دکھائی“ ”ساری دنیا نے فتنے



فیض صاحب کی آمد اور ان کے ساتھ دیگر شخصیات کے ساتھ ایک تقریب کے دوران

ہے۔ سب میں چھلنے کے کر فتنے صاحب کے پاس
 فتنے صاحب کی دینی اور دینی ان کو سہارا دینا
 سکون گ۔ سب ان تک پہنچا دیا۔ یہاں کا بیٹا
 تاجن ہے۔ سب یہ کام اس جہاں کے کئی دینی دوسرے
 کے اختیار میں ہیں۔

فیض صاحب ہم سے دور چلے گئے لیکن ان
 کے غرض سے گئے۔ کئی دہائی گزشتہ ”کئی“ ”کئی“
 ”شیریں“ ”فیض صاحب کی یاد میں“ ان کی یاد میں د
 دہائی غرضیت کا ”کئی“ ”ان کو جاننے والوں کے دلوں
 میں غرض ایک سب سے بڑی دولت کی طرح محفوظ
 رہے۔

☆ ☆ ☆

صاحب نے یہ رشتہ باوجود یہ اور شاعر کے دل کو
 دکھا دیا ”شاعر“ ”یہ قرار دیتے تھے“ ”انہی“ ”پہنچا دیا۔
 ”دوسرے شاعر کی دل سے نکالنے کی خاطر تھی۔ وہ کہ

میرے دور کو جو زبان ہے
 مجھے کائنات کی سرحد
 مجھے ”دلت“ ”دہاں“
 فتنے کے دور کو زبان ملی گئی۔ یہ ان کی لافانی
 شاعری ہے۔ ہو سکتا ہے فتنے کے بے شمار دوسرے
 ان کے کام کے ساتھ ہی ساتھ ہی ساتھ ہی ساتھ ہی
 ”ادب“ ”دہاں“ ”لوگوں کا“ ”شاعر نے اپنی علم میں
 کیا۔

فیض صاحب اپنے ”دوسرے“ ”ہم لوگوں سے
 پہنچنے کیلئے رخصت ہوئے۔

13 فروری ”فیض صاحب کی سادگی کا بیان
 آنے والا ہے۔ اس کی یاد سے دل کو بڑی جھنجھ

قطر میں فیض ایوارڈ..... ایک رپور تاثر

قدست کا بھی ٹیپ نہاں ہے۔
 ہاتھ آتے ہیں شہرت کی غلب سے بے نیاز
 ہے جس قدر قدرت اس کا دامن شہرت ہو، تنہا یہ
 سے بھر جاتی ہے۔ گنہگار ہر وقت شہرت کے
 قوت میں ہے، جتنے ہی گنہگار کرتے ہیں، کتنی
 دے سکتا ہے، اُسے اُنے بھنے کی کوٹھلی کرتے ہیں اور
 اپنی مٹکی اُٹا کر شہرت ڈالنے کے لئے بھاگتے بھاگتے
 دے جاتا ہے۔ لیکن قدرت، خدا کا فیض شہرت دیتی ہے نہ
 عزت۔

فیض ایوارڈ فیکلٹی آف انگریزی لٹریچر میں سے ہیں
 جن پر قدرت سربراہ رہی ہے اور شہرت دشمنوں کا ان
 پر اثر نہ ہونے دیتی ہے۔
 ہرگز شہرت اس کی بات ہے۔
 ”فیض“ کے خالص لہر، تعلیمی ریاستوں میں
 اردو کے لئے ایک تقریب اور (تقریب) میں منعقد کی
 گئی۔ یہ تقریب کی حوالوں سے ایک رنگارنگ اور زرخیز
 خواہی ہو گی۔ تقریب اور ادب کے بے لوث اور متوا
 شخصیت مصیب الرحمن نے اپنی منظر پر عظیم کمال و راز
 اور ادب کے ذریعہ تمام منعقد کی تھی۔ مصیب الرحمن
 نے جس طریقہ پر انگریز میں دے ہوئے اپنی اپنا میں
 اور شعر و ادب کو جو حلقہ ہمارے معراج تھی، اس کی
 مثال اور کچھ نہیں ملتی۔ ان کی تحسین کے لئے کم لکھتے
 ہی بہت لکھتے کہ حروف ہے۔ اور ان کا ادب میں، جس
 سے اردو کی سچا سچ لکھی ہوئی ہیں ”نثر“ ”سدا“

کھانے کی انجمن کوئی غلب نہیں کہ نہ وہ شاعر ہیں نہ
 عریب۔ ان اردو سے محبت کرنے والے اور اسے
 زخم سے زخم زدہ اور پائیدار کھنے کی کوٹھلی میں
 مصروف ہیں۔
 ”فیض“ کے حلقہ خاص خبر کی ایک اور
 انفرادیت تھی کہ اس کا سربراہی میں انفرادی شہرت
 یا قصور و سبب اپنی نے تو نہیں کیا تھا۔ سب اپنی اپنی
 تمام عظمت اور عظمت کے باوجود، سماں کے
 سربراہی میں جاتے ہیں، ان کی اس طرف ”فیض“ ہی نے
 راجد کیا تھا۔ ”فیض“ کے لئے خاص تقریب تہنیت
 دی گئی تو فیض نے سیدہ بانو کو بھی فقر میں ہمارے
 لیا۔ بدولت کی ادب پر وہ شخصیت کے اہل رنگ
 ساری تھی ”فیض“ سے قطع رکھنے کی جگہ سے اس
 خصوصیت تقریب میں جانے گئے۔
 یہ بھی منظر پر فیض ایوارڈ کے اجراء کا۔
 ”فیض“ کی تقریب کے بعد فقر میں پاکستان کے
 سیدہ بانو عارف کمال تھے۔ ہمارے سیدہ بانو
 انیس سہری ہو رہے ہیں۔ کئی بھی ان کی تقریب میں
 آئیں گے تاہم ان میں کوئی نہیں کرے گا۔ چاہات
 دے کر بٹے ہاتھ ہیں۔ جناب عارف کمال نے تو
 حیران کر دیا۔ سب ایک ”سیدہ بانو سمیت“ انعام
 خیال کر چکے۔ ”فیض“ کی نہایت کا مصروف ہو گیا
 تو انہیں نے ایک اعان کر کے چکا اور سیدہ بانو
 کی سہولت کے ایک کی روایت کو انعام دیا ایک ناز

روایت کا ناز کر دیا۔ نہ فیض کے کمال میں تو سیدہ
 بانو نے خیال کیا کہ نہ ”فیض“ کی طرف سے کوئی
 اعزاز دیا گیا تھا۔ اس قدرت کی سہرائی کی ایک اور
 جھلک سامنے آئی۔ فیض کا نام سربراہ ہوا تھا۔ سربراہی
 نے بھی کی کوٹھلی ”غلب“ اور کھانے کے نقش کی سہرائی
 میں پڑا تھا کہ عارف کمال نے کہا ”میں فقر میں ۱۱
 اجازت داری کہ وہاں۔ فیض ایوارڈ اور انعام ایوارڈ
 فقر میں عظیم حاصل کرنے والے پاکستانیوں میں
 حضور انور کی کاغذ پر لکھا جائے گا اور جو اپنی اور بچے
 اول نمبر پر آئیں گے انھیں شہادت نامے کی طرف
 سے پاکستان جانے والے آئے گا۔ کھانے کا ناز دے گا
 وہاں ہندو اور کراں عظیم شعراء کے بارے میں زیادہ
 سے زیادہ جانیں گے۔ ان کے خاندان والوں کو بھی
 اور شخصیت کے مختلف پھولوں سے آگاہ ہوں
 اور یہاں میں جا کر ان کے لیے ہر ممکن سہولتیں
 سے فیضیاب ہوں۔“

سیدہ بانو عارف کمال نے کہا ”میری
 خواہش ہے کہ جناب مصیب الرحمن یہاں فقر میں اور
 جناب انعام ایوارڈ پاکستان میں ان ایوارڈ کی تعمیر کا
 داخل ہو جائیں کہ ان کی فیض کو ان کی سہرائی کو ان کی
 تحریریں کو سمجھ دینے کا اور فیض اور انعام کے بیچ کا
 فرق لکھنے کا سہولت دینے کا۔“

فیض سے بہت زیادہ کھر کر سامنے آئی۔ انہیں
 ایوارڈ کی فیل میں آپ ان دونوں کے لئے میں نے

ملک کے لیے ایک ایسا ادارہ بنائے۔

حصہ ہوں شعیب ہائیڈ انٹرنس چار سے بیٹن کہہ کر کہہ جاتے ہیں اور شعیب ہائیڈ کا بھی اظہار ہے کیا زمانہ لیکن انتہائی دوستانہ رہے انہوں کو سنا جس کی طرف کھینچا جاتا ہے بیٹن سے ان کا چہرہ روشنی رہا ہے۔ یہ طرف وہ بیٹن کے کام کے ساتھ ہی نہیں ماضی گئی ہیں اور بیٹن نے بھی انہیں غور سے دیکھا ہے۔

خدا خدا کر کے 2001ء کا سورج ٹرپ
ہوئے سے پہلے 'دبیر' کے آخری نسخے میں شعیب
راہی نے نقشِ اجازت کی تقریب میں سورج چاند
دونوں ٹھکانے یہ سورج اور چاند شعیب باہمی
اور طیر باہمی ہیں۔ طیر باہمی تو گزشتہ ہی سال
فریگٹا، مسمیٰ سٹارک اور مسمیٰ قائم کے سبب دھماکے

[illegible]

جو کہ مصیبت ازخونی کار کہہ کر کہتا ہے اور جو کہ عارف کامل کا سہارا ہیں لہذا خداوند میں سیر اپنی اور مصیبت اپنی کہیں پہنچے کوئی "سیرۂ آسمانی" ہے۔ اس کے کہ مصیبت میں فتنے سے محبت میں اور انسانی گرفت ہی جھک رہا ہے خداوند میں لایا ہے کہ وہ نہ دے چکے۔

خواتین میں (اور مردوں میں بھی) اپنے بائیں ہاتھ کی
پہلو پر انگوٹھی پہنانے کا رواج پھیل گیا ہے۔ یہی ہے
حافظہ کا وہی دھماکا۔ مگر دل میں آ کر جانے والا
تغزل کسی کو پہلے ہرگز نہیں ملتا تھا۔ اچھے عربوں
سے ملتا تھا۔ اور انھیں مل جاتی ہیں۔ اچھے افسانے کا

انہیں بھی پانچویں سوار کی طرح صحرانوردی کی تمام کو
سعادت خانہ پاکستان میں قائم کرنا ہے۔ ایک بھرگور
بھروسہ مثلاً وہ دونوں فنکار کام ہوشیار رہیں۔
آج کی شب جب دیکھ جائیں تو انہیں کو
ہو۔ ”اس کو“ سے دوست ہو چکا رہا دیکھا رہا
عارف کمال کو معاملہ کا چنگ ہے اور مصیب الرحمن کو
انہی نکلوں کا چنگا شعیب باقی تو میری ہی دیکھی
اقول کہہ دیا اور سخی کی بیچ میں کمال ہے اور
پہلے باقی سے آئے کی باتیں کرتی اور سخی ہیں۔
ان کی بیوی اور صاحبہ شعیب باقی کی دوست ہیں بھی
تھیں۔

پاکستان انجکشن سٹریٹیا انجکشن ادارہ ہے جو
سعادت خانہ پاکستان کی گرائی میں چلتا ہے۔ یہاں
کے پرنسپل رحمان صدیقی پہلے باہر میں تھیں ہی کالی
کے پرنسپل وہ تھے ہیں۔ پانچویں سوار کی تک قائم اس
سکول میں کم دیکھ سارے تھیں بڑے اور چھوٹے
پڑھتی ہیں۔ اور وہ نہ کم اور انجکشن میں کم ہیں اور
فرائض و صعرات پر مشتمل عارف اعلیٰ کے قریب
ہے۔ وہاں دوسری لڑکیاں تھیں اگر تھیں کے ہم پر
آرے سے سزاوارہ حال گھبراہ بہت ہی علامت اور
علامہ انجکشن کے تھیں ان میں سے کسی ایک نے تھیں اور
کے کے مضامین بھی لکھے ہوئے تھے۔ اس قریب کو
تھیں تھیں قائم رہا گیا۔ وہ تھیں انہیں نے تھیں قائم
خدمت سے چلایا اور وہ تھیں اور ایک مرد اساتذہ نے
تھیں کی شامری پر مضامین تھیں سکھ۔ یوں تھیں کے
تھیں ان سے دوست بھی نہ رہا گیا۔ پہلے باقی اور
شعیب باقی نے بھی خطاب کیا۔

انگلینڈ اور سے تھیں انہوں نے تھیں تھیں اور
کی قریب تھی۔ یہ قریب مثلاً سمیت مسطر
ہوئی۔ تھیں ان کے غیر جیسے اقبال اور کے رہے
دائے ہیں انہوں نے اور یوں پاکستان کے

دل چند کھانے بچانے کے لئے ہادی اور کی
خودست گھر کی باہر سے چلے ہوئے تھے۔ یوں
چلائے کے حوالے سے عسیر اقبال کی شعیب باقی
کے انہوں نے تھیں میں تھیں ہو گئے۔

تھیں اقبال کی قریب کو خیریت کا وہ پ
دے کے کے مصیب الرحمن نے بہت جا اس پر
ہو۔ انہوں نے اپنے ذاتی گھر خانے سے تھیں کی
آواز اور نور جہاں کی گھر کی کو ٹم کر آواز ہے ایک
یا گھر وہ ٹم ہی گھر تھیں صحت کی اس قسم میں نور
جہاں نے لکھا تھا کہ گھبراہ۔

مجھ سے ملنے کی صحت سے بہت بہت ایک
یہ ایک انکی قریب کی بھٹی تھی جس میں
اور جہاں نے عارف ہا کر اپنے لی کا مظاہرہ کیا تھا
اور ان کے ساتھ ساتھ ان کو چاہت ہے ہوئے
سوہتا اور تھیں دیکھا ہے ہے۔ تھیں کی آواز
میں تھیں کا کام ماحول کو تھیں اسی اور بہت سادہ
دے گیا۔ تھیں کے انہیں تھیں اقبال اور تھیں اور تھیں۔

لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں کے
یوں کا تھیں آج بھی اس طرح سانسوں اور
ہر کون میں ہے نہ تھیں۔

مصیب الرحمن نے بہت شائستگی سے قریب
کو سنبھلا دے رکھا۔ بیٹریچوں نے اپنے مضامین
کے اقتضات خانے اور گھر والے اپنی بیوی اور
بچے کو سعادت خانہ پاکستان کی طرف سے پاکستان
جائے آئے کے گھر دے دیے۔ پہلے اور مصیب نے
تھیں کی زندگی میں اور ان کے بعد بھی بہت ہی
تقریبات میں تھیں کہ بہت بہت سوار کے ہا گھر ان
کے اپنے خیالی میں انہی صحت گھر اور انکی مغرور
قریب پہنچی انہیں تھیں ہوئی۔

میں نے تھیں اور ان کا ہنس مٹھو تھیں مٹھو
جان کا پہلے باقی اور شعیب باقی کا گھر عارف

تھیں کیا کر رہا گھر بھی لکھی کو تھیں انہی کے تھیں
ہوئے آپ کے بھی تھیں تھے۔ ہا سہولت اور ان
میں وہ کی اور ہی ہوئے سے تھیں ہیں۔ پہلے باقی
نے تھیں کی تھیں تھیں کی تھیں اور انہوں نے انہوں
میں تھیں کہ کسی طرح تھیں میں بھی تھیں تھیں کا رہی
کرتے اور پہلے کا کہتے رہے۔ عارف اور مصیب کے
لئے تھیں نے اپنی ایک تھیں کی تھیں تھیں تھیں
کے سہولت میں سہولت تھیں اپنے مضامین میں پہلے
نے وہ بھی تھیں۔ عارف۔ شعیب باقی بچے بچے
تھیں تھیں اور ان میں وہ کی گھر بہت کر جاتے ہیں۔
انہوں نے کہا تھیں کو میں تھیں اور کے تھیں
میں تھیں صوفی تو تھیں کیا تھیں کی تھیں صوفیانہ
ہے۔ اپنی ذات کی تھیں کر کے تھیں کی تھیں تھیں
صوفیانہ کا کام ہے۔ پہلے پاکستان عارف کمال نے
اقبال اور تھیں کی ہم انہی انسان ذاتی اور تھیں سے
صحت کا ماحول بیان کیا۔ انہوں نے تھیں اور مصیب
راہنہ نے بھی اشارہ کیا تھا کہ وہاں ہی ادا کرچے
سعادت خانے کی صرف شروع ہوئے ہیں اگر تھیں
ہو اور تھیں دے دیا گیا ہے کہ یہ تھیں غیر سرکاری
تھیں تھیں تھیں انہیں تھیں تھیں تھیں تھیں اور اس
صحت سے ہادی دیکھا جائے گا۔

☆☆☆

فیض..... ایک روحان ساز شاعر

مکتبہ انجمن اہل حق کے مدیر اور شاعران ساز شعور ہوتا ہے جس کا اسلوب نگارائی اعلیٰ ہوتی ہے۔ اردو شعری ادب کم و بیش چار صدیوں پر محیط ہے۔ اس دوازہ سو کے دوران میں متعدد ایسے شعراء نظر سامنے آئے جو چاند صاحب طراز تھے، مگر ان میں صدوے چھٹی دہائی ساز کھانے کے مستحق ظہور نے سڑ ہوئی صدی کی تکمیل آتی تھی کے ساتھ میں تھی۔ انھارویں صدی ہر گز ترقی کے ماحول میں مٹ آئی۔ انیسویں صدی پر غالب غالب آئے جبکہ دسویں صدی اقبال کے نام سے۔ ان تمام شعراء کے اسلوب پختہ خاص، نامور تھے جنہیں صرف ان کے معاصرین نے بکھائے والے ادوار کے شعروں نے بھی اپنا مقام حاصل کیا۔ ان کی ایک نے قوائی اسالیب میں اپنی افادگی کی رنگ آمیزی کر کے اپنی شعری ادائیت کی وہ عمارتیں کاغذ میں کھینچ کر لیا۔ اہل اقبال کا رنگ و آہنگ قول عام کی سند حاصل کرنے کے باوجود شعراء تمام کامیابی شعری ادب میں ہی رکھا۔ جس کی شہرہ ادبی نظریاتی یا عقلی، دیگر دھڑوں کی ہوں ان کی فرائی ہو وہ ضرور ادائیت کا اظہار ہے جو صرف اور صرف اقبال سے مخصوص ہے۔ اردو شعراء میں اقبال وہ واحد شعور ہیں جنہوں نے ادوار و مراحل کے لیے اساتذہ کی تصدیقات سے معافی و سہاہم مستعار لینے کے بجائے اپنی ایک الگ شعری لکھ لکھائی ہے۔ جس میں ان کی تریاکیہ

محرکات لفظی ہی نہیں، تو یہ استعارات و تشبیہات اور علامت و انداز بھی شامل ہیں۔ دسویں صدی کے شعراء میں اقبال کے لکھنے کی کوثر کوئی دینی ہے۔ مگر ان کے اسلوب کا رنگ و آہنگ نظر نہیں آتا۔ لیکن تاریخی خیالات اس صریح تصانیف کی کہ دسویں صدی میں بھی مصطلح فن پر کوئی ایسا آداب طبع ظاہر نہیں ہے جس کے اسلوب کی کریمیں انھی و موصوفی ہر طراز کے کلام کا فائدہ قدرت، کائنات اور جو نوعیت عام کی سند کا حال ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے ادوار کامیابی شعری ادب کے لئے کا بھی اہل ہو۔ ہمارے خیال میں تاریخ کی اس ضرورت کو بھی اہل حق نے پورا کیا ہے۔ ایک صریح ان کی شعری اسلوب کی چھاپ ہمارے دماغ پر مضبوط ہے۔

آج کل ادبی حلقوں میں یہ بحث اپنے عروج پر ہے کہ اقبال کے بعد اردو کا عظیم شاعر کون ہے۔ ہر جتنے نامور تھے ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے عرصے کے سر پر ہاتھ دھکی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس حلقہ کے سرکار و حامل کسی انھیں گردا گردا گیا ہے۔ دیگر صدیوں کی طرح دسویں صدی کی بھی ادبی لکھنوں کی ایسی حلقہ و حلقہ و حلقہ سے حلقہ ہے جنہیں کائنات کی صف میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ شعراء کی کے حوالے سے بھی تاریخ اسلوب اردو کے مطالعہ پر چھاپے نامور جگہ جگہ کر رہے ہیں جو ہر سو سے جاہر کر چاک ہیں۔ ان میں سے بھی خرقاتی جنم و نشوونما

مکتبہ انجمن اہل حق کے مدیر اور شاعران ساز شعور ہوتا ہے جس کا اسلوب نگارائی اعلیٰ ہوتی ہے۔ اردو شعری ادب کم و بیش چار صدیوں پر محیط ہے۔ اس دوازہ سو کے دوران میں متعدد ایسے شعراء نظر سامنے آئے جو چاند صاحب طراز تھے، مگر ان میں صدوے چھٹی دہائی ساز کھانے کے مستحق ظہور نے سڑ ہوئی صدی کی تکمیل آتی تھی کے ساتھ میں تھی۔ انھارویں صدی ہر گز ترقی کے ماحول میں مٹ آئی۔ انیسویں صدی پر غالب غالب آئے جبکہ دسویں صدی اقبال کے نام سے۔ ان تمام شعراء کے اسلوب پختہ خاص، نامور تھے جنہیں صرف ان کے معاصرین نے بکھائے والے ادوار کے شعروں نے بھی اپنا مقام حاصل کیا۔ ان کی ایک نے قوائی اسالیب میں اپنی افادگی کی رنگ آمیزی کر کے اپنی شعری ادائیت کی وہ عمارتیں کاغذ میں کھینچ کر لیا۔ اہل اقبال کا رنگ و آہنگ قول عام کی سند حاصل کرنے کے باوجود شعراء تمام کامیابی شعری ادب میں ہی رکھا۔ جس کی شہرہ ادبی نظریاتی یا عقلی، دیگر دھڑوں کی ہوں ان کی فرائی ہو وہ ضرور ادائیت کا اظہار ہے جو صرف اور صرف اقبال سے مخصوص ہے۔ اردو شعراء میں اقبال وہ واحد شعور ہیں جنہوں نے ادوار و مراحل کے لیے اساتذہ کی تصدیقات سے معافی و سہاہم مستعار لینے کے بجائے اپنی ایک الگ شعری لکھ لکھائی ہے۔ جس میں ان کی تریاکیہ

مکتبہ انجمن اہل حق کے مدیر اور شاعران ساز شعور ہوتا ہے جس کا اسلوب نگارائی اعلیٰ ہوتی ہے۔ اردو شعری ادب کم و بیش چار صدیوں پر محیط ہے۔ اس دوازہ سو کے دوران میں متعدد ایسے شعراء نظر سامنے آئے جو چاند صاحب طراز تھے، مگر ان میں صدوے چھٹی دہائی ساز کھانے کے مستحق ظہور نے سڑ ہوئی صدی کی تکمیل آتی تھی کے ساتھ میں تھی۔ انھارویں صدی ہر گز ترقی کے ماحول میں مٹ آئی۔ انیسویں صدی پر غالب غالب آئے جبکہ دسویں صدی اقبال کے نام سے۔ ان تمام شعراء کے اسلوب پختہ خاص، نامور تھے جنہیں صرف ان کے معاصرین نے بکھائے والے ادوار کے شعروں نے بھی اپنا مقام حاصل کیا۔ ان کی ایک نے قوائی اسالیب میں اپنی افادگی کی رنگ آمیزی کر کے اپنی شعری ادائیت کی وہ عمارتیں کاغذ میں کھینچ کر لیا۔ اہل اقبال کا رنگ و آہنگ قول عام کی سند حاصل کرنے کے باوجود شعراء تمام کامیابی شعری ادب میں ہی رکھا۔ جس کی شہرہ ادبی نظریاتی یا عقلی، دیگر دھڑوں کی ہوں ان کی فرائی ہو وہ ضرور ادائیت کا اظہار ہے جو صرف اور صرف اقبال سے مخصوص ہے۔ اردو شعراء میں اقبال وہ واحد شعور ہیں جنہوں نے ادوار و مراحل کے لیے اساتذہ کی تصدیقات سے معافی و سہاہم مستعار لینے کے بجائے اپنی ایک الگ شعری لکھ لکھائی ہے۔ جس میں ان کی تریاکیہ



پیش روئے
دہلی
غیاثی کی طرح
آپ کا ہاتھ
اس کے ساتھ
علاؤ دہلی



پیش روئے
2001ء کے سال
پیش روئے
پیش روئے
پیش روئے
پیش روئے
پیش روئے
پیش روئے



پیش روئے
پیش روئے
پیش روئے
پیش روئے



میتھ روٹینج حسین کاموائی انکار

مجھے یہ کہہ کر اب بکرا گیا ہے

کہ تیرا زور چھو بولتا ہے

ترقی پسند شعراء نے نہایت پامردی سے اھل

دہلی بھلی کو زراطم ہر نامہ انسانی استحصال اور مادی

وسا شرقی بہماری کے خلاف احتجاج کی ایک ایسی

طرز اظہار ایجاد کی جس نے اظہار کے اہلوان کو

حوائل کر دیا۔ اس فضا کی سب سے زیادہ بھراؤ

انگیز اور آواز آخری نے فضا کی تھی۔ جسے عام خواص

کی ہر سطح پر مشوریت نصیب ہوئی۔ فضا کے کچے میں

ایک طرف بااثر مکتوبات سے لہرے جوش گن گرج

تھی تو دوسری طرف دنگہ دار سوز اور درد و مصائب و صیحا

پہن تھا۔ قیام پاکستان کے بعد اہل مزاج پر مسلط

آمریت کے خلاف بھی ان کی حراغی شاعری کا یہ

اسلوب پادار ہو گیا اور اسلوب قدامت کے ایک نصف

صدی کو اپنے طغیان میں لے لیا۔

دھن سے تیر کو سار کی نے بھڑکا

سوئے بھانہ بھینان غم آتے ہیں

قلی گاؤں سے بھی کہ ہمارے علم

اور فضا کے علاقے کے قافلے

جن کی راہ طیب سے ہمارے قدم

تھکر کر چلے درد کے قافلے

کر چلے جن کی خاطر جہاں گیر ہم

جاتے گھبرا کر تری راہری کا بھرم

ہم جو تاریک راہوں میں مارے گئے

ستم کی دھن بہت تھی لیکن تھیں تری راہوں سے پہلے

سزا دھائے فکر سے پہلے کتاب جرم تھی سے پہلے

جو ہلی سکو تو چلا کہ راہ وقابہ تھکر ہوئی ہے

مقام ہے اب کوئی نہ حوالہ ملتا داروں سے پہلے

☆☆☆☆

بہل کہ اب آواز ہیں میرے

بہل۔ اب اب تک تیری ہے

تیرا خواں غم ہے تیرا

بہل کہ جاں بگ بگ تیری ہے

دیکھ کر اس کی کہ نکال پر

تو جی تھمے مرے ہے اس

کھینچے گئے تھکوں کے دہانے

بہا ہوا ہر اک لکچر کا دھس

بہل پر تھوڑا وقت بہت ہے

جسم و جان کی موت سے پہلے

بہل کی کچ زخم ہے اب تک

بہل۔ وہ کہہ کرنا ہے کہ لے

فضا کا احتجاجی وہ ہے یا مہیت و قنوطیت کے

اصنامات و جذبات سے پاک ہے۔ ان کی تمام تر

شاعری رجاہت، امید و دھم اور غش آلود مستقبل کی

بیانات سے ملے ہے۔ قارئین کو ان کا دھس لہو بھی اس

لیے بہت ہے کہ وہ اس دھن و دھن پر پڑ جائے نہیں ہوتا۔

وہ ہے بھی انسان فطری طور پر بات کو اس لیے کہہ کر کرتا

ہے کہ اس کے بعدوں کا ہے۔ فضا انسانی لہجہ بات

کی اس دھر سے غولی آتا گا۔ لہذا حقیقت حال

پر چاہ بھی نہیں ڈالتے اور راہیں بھی نہیں ہونے

دیتے۔ یہ ایک عیاں ہے جو فضا کے حاضرین میں

سے کسی کو بھی نصیب نہیں ہے۔ ایسا رجاہت پسندی

کے حوالے سے بھی فضا میں نہ نکوت کرتے ہیں۔

دھن کھن بہا کے انہیں ہونے تو ہیں

گھٹن میں چہ چاک کر چاہ ہونے تو ہیں

ان میں تو جا جو ہدا کہ جان د دل

محل میں کچہ چراغ فرداں ہونے تو ہیں

دل تا امید تو نہیں۔ تا کام ہی تو ہے

بھی ہے غم کی تمام تر خامی تو ہے

دست ملک میں گردن تھوڑی تو نہیں

دست ملک میں گردن ایام ہی تو ہے

لیکن اب غم کی پیدا کے دن تھوڑے ہیں

اک اور صبر، کہ فضا کے دن تھوڑے ہیں

بھی چار کی تو ہے فضا دھما دھما

مچا ہونے ہی کو ہے اب دل چاہ نہیں

فضا کی مقبولیت کی ایک اہم وجہ بھی ہے کہ

انہوں نے ترقی پسندانہ جذبات و افکار کو اس میں

غولی سے فضا کیا ہے کہ وہ بنا دے ہوئے نہیں

گئے۔ فضا کی نظریات کے پرچار کے 'تھے' جو

بلاشبہ تاریک تہذیب و مہیت کے لیے تھی تھے۔

بریں کا اکثر ترقی پسند شاعروں کے یہاں

ایک جہ اصناف انجیبت کی کار فرمائی ہے۔ کو بارہ

بارکس کے انسانی شراکت کی فضا کا اقدار کو آواز

شاعری کی تہذیب سے ہم آہنگ نہ کر سکے ہوں۔ مگر

فضا نے اپنی فنی مہارت کے صلے ہونے پر ان اقدار کو

بہاوی تہذیب و مہیت کے جزو لاینک کے طور پر

فضا کیا ہے۔ اس میں غل نہیں انہیں نے کھیں بھی شعری

بہاویات کو گھروا نہیں ہونے یا یہ وہی کسی کی نظر

کو دہانے کی چلا تھی ہے جو تاریک تہذیب و مہیت

سے تھام ہو۔

چاہا بچکے ہوئے کوچہ و بازار میں جنم

خاک میں اخترے ہونے خون میں لہاؤں ہونے

لوت جاتی ہے دھر کو بھی فکر کیا بچکے

اب بھی دھن ہے قرا حسن مگر کیا بچکے

اور بھی دکھ ہیں زمانے میں مہیت کے سا

راتیں اور بھی ہیں وصل کی رامت کے سا

مجھ سے بکلی سی مہیت میری محبوب و ناگ

اس راہ میں جو سب پہ کڑی ہے وہ گری

عجا ہی زلفاں، بھی رہا سر ہزار

گرے ہیں بہت شمع سر کوٹے صبر

کڑے ہیں بہت اہل علم ہر دور
 بھڑا نہیں مجھوں نے کوئی ناک دھام
 پھٹی نہیں انہوں سے کوئی غرض عامت
 اس عشق، نہ اس عشق پہ نام ہے مگر دل
 ہر داغ ہے اس دل پہ بہر داغ عامت
 ماجری بھی غریبوں کی حمایت بھی
 پاس و درمان کے دکھ درد کے حق نیکھے
 دہر دھنوں کے مصائب کو سمجھتا سیکھا
 مرد آہوں کے داغ درد کے حق نیکھے
 اندہ شامی میں سیاہی رنگ کی آبیروں کا
 شعلہ آجراں آبادی اس کا شعلہ بھری آفتابوں سے جلتے
 کی۔ نکل کے یہاں بہ رنگ جب شامزدن ہر
 گھڑی حال کے ساتھ موجود ہے۔ دراصل نکل کو
 بظاہر اس خاندان میں چٹا پڑا لہذا انہوں نے تمام تر
 سیاہی گمراہت و مستی کو آپ جتنی کے طور سے پیش
 کیا ہے، اے ایک بات ہے کہ ان کی ذہانت انہوں نے
 اسے جگ جتنی کے عشق و محبت سے منکھ کر دیا
 ہے۔ قید بند کی صورتوں نے ان کے سیاہی شعور میں
 حیرت گمراہی اور گمراہی پیدا کر دی۔ جا رہی اپنے
 مخصوص لیکن وہ گمراہی سیاہی گمراہت کے شعلے انہیں
 بین الاقوامی شہرت نصیب ہوئی اور دوس نے ان کی
 شامی کی عظمت اور شان و شہرت کی اصابت کے
 اعتراف میں انہیں "نیشنل ایوارڈ" سے نوازا۔ عام طور
 پر یہ سمجھ گیا ہے کہ سیاہی انوار و خیالات کی ترغیبی
 شامزدن میں کہہ جاتی ہے۔ اور شامی ایک
 سیاہی شعلہ ہی کہہ جاتی ہے۔ تاہم یہاں اس نکل کے
 کام پر نہیں لگا، ہر سنگ انہوں نے لپٹا ہے ان کے
 عشق اور اپنی محبوب کے عشق دلوں کو اس غریب سے
 گھڑی و محبت کے سانچے میں ڈھال کر شعریات کا
 رنگ دھلا دیا۔ نکل کے یہ وہ عشق ان کی شعری
 لطیفیات کے ترخان ہی کہہ سکتے ہیں اور ان کی

صناعت میں جو انہیں اپنے ہمد کے نوجوان شعراء کا
 آنکھ لپٹا رہے ہیں۔
 جو آج قلم سے ہر اچھی فکر کو ہم ہوں کے
 بہر دست ہر کی ہدائی تو کوئی بات نہیں
 کہ آج ادب پہ ہے طالع رجب تو کیا
 یہ چار دن کی خدائی تو کوئی بات نہیں
 حجاب و حجب و حجب بھی تو کیا غم ہے
 کہ غریبوں میں ہونے لگا ہے انہیں
 لوں پہ ہر گئی ہے تو کیا، کہ نہ وہی ہے
 ہر ایک حلقہ و گھر میں وہاں میں نے
 دار میں قری نہیں کے اسے وہن کہ جہاں
 جاتی ہے رسم کو کوئی نہ سرفرا کے چلے
 جو کوئی چاہے وہاں طواف کو نکلے
 نظر چا کے چلے جسم وہاں ہمارے چلے
 یہ داغ داغ ابھار۔ یہ شب گزرا، سر
 "انکار" تھا جس کا یہ "سر تو نہیں
 یہ "سر تو نہیں جس کی آواز لے کر
 چلے تھے ہر کمال چاہنے کی کہیں نہ کہیں
 ملک کے دشت میں چاروں کی "ختری حول
 نیک کی شامی نے اپنی اہمیت و گنجش لطافت
 اور دھن اسرار صولی آجک سے بھی قاریوں کو اپنی
 طرف کھینچا ہے۔ وہ ایک ہر سو بھلی کی طرح حرم
 انوار کا انکسار کر کے وہی نئی چاندنی سے انہیں
 فریب دیتے ہیں کہ ان کے ہر صرصر اور ہر شعر میں
 ساز و آواز کی ہی مدد پر کجلیت پیدا ہو جاتی ہے۔
 ہر دہائی کی شعلہ اس پر مستزاد ہے۔ نکل کی تراکیب
 اور سرکشت شعری میں بھی ایک شامزدن صحن چلا جاتا
 ہے۔ خاص کر ان کے شعراء نے تجزیوں اور حاشیوں

جب ایک رنگ لکھا تو غم کرتے ہیں تو لکھتے اپنے
 قلم کا کوشش کی کی کا دوسرے نہیں رہتا۔
 رنگ، ہی ان کا خوشی داغ ہر دہائی کا نام
 موسم گل ہے تھوڑے ہر دے ہر دے آئے کا نام
 ہر نظر میں بھول جیٹے، دل میں ہر صحن میں
 ہر تصور نے لیا اس ہر دے میں چاہنے کا نام
 ہر صحن دل آرا کی دہی رنگ ہو گی
 دہی خواہی ہی انہیں دہی کامل کی گھر
 رنگ دھار پہ چکا سا وہ قازے کا غبار
 صندلی ہاتھ پہ دھندلی ہی حاکم کی قمر
 اپنے انکار کی انکار کی دیا ہے جکی
 جہاں صحنوں ہے جکی شہد صحنی ہے جکی
 اب سب کا دھنوں میں ہر دے کا دھنوں میں ہر دے
 جہاں پہ کسے ہی نیک کے ہر دے پہ کسے ہی نیک
 اب وہ کی گمراہی کے لیے ان انہوں سے چلا گیا کہنے
 کہ اب کو بھولے انہوں سے تھیں، دل انہوں کے
 شہر اب خوشی دے دہی سب شعلے کا دھنوں کوئی نہیں
 شہر اب دل، انکار اب غریب دہت کا دھنوں کوئی نہیں
 اس دور کے نوجوان صحنی ہیں
 اس آگ کی کئی گلیاں ہیں
 جس میں ہر دے کا دھنوں کوئی نہیں
 سے غم کی دہی دہت میں ہر دے
 صحن و دھن کا دھن
 اور صحن کوئی کس میں انہوں
 ان صحنوں کا چاندنی دہا
 ان چوڑے کے دھنوں میں
 جگہ جگہ دھنوں میں
 جو چکا چا ہے ہر دے
 پاس آئے دیکھے ہی ہر دے

انسان..... فیض کا بنیادی موضوع

فیض اور فیضی کا لفظ کسی تعارف کا محتاج نہیں فیض آئندے بھی "نار سردار" "خود نادر دین" ہمارا خدا کا اسم الحسنی کا قسم شب و روز کا گانا خود کی نوا تھا۔ فیضی عوام کا خلق بھی اور مشرقی بھی۔ ہمارا یہ عاشق ہمارے لئے حق و سچ کی بازی لگاتا رہا۔ ہمارے ہی لوگوں کی مراد کو توڑنے کے لیے ہر حال کو زخموں میں نہان رکھے خطر فرما تھا۔ وہ خدا کا خدا اور ہمارے ہی سبب ہمارے بچنے کا تمام کرتا رہا۔ ہم نے ساتھ دیا "ہم نے ہی گواہیاں دیں اس کے خلاف ہر وہ دہائی رواں تھا اپنے بے خواب کا زانو کو عقل کر گیا۔

فیض نے وہی شاداب زندگی گزار دی وہ دنیا اور اعلیٰ دیا ہے کہو لیتے داڑھے تھے بکھڑے دلوں میں سے تھے۔ انہوں نے شاعری کو اپنے دور کے دکھ درد سے نکال دیا۔ اس کو اپنا جہاد بنا آج کل لکھا۔ "پلج" نامی سے نظمیں اور مضامین فرما کر فضا میں لگائے اس دلی۔ انہوں نے ایک جڑ و راز اور پیچھے کی ٹی آئی دلی۔ ہر کچھ کو بے لب و لہذا ان کو عزت عطا دی۔ ہر مہیا اپنے ایک شاعر کے درجے پہنچا دیا تھا۔

بڑا ملحق اور بڑی ملحق اپنے مہیا کی آواز نہیں لیکن ان کا مہیا ان کی آواز بن گیا۔

اور شاعری میں بکھڑے ہمارے مرد ادب میں بہت کم طبیعتوں کو جن افواہی سچ پر شرف قبولیت حاصل ہوا۔ شاعری میں فیض سے پہلے انہوں نے قوی

سردی ہمارے ہی اور اس کا کلام مختلف پہلوں اور شرتی زبانوں میں ترجمہ چکا ہے۔ فیض نے نظم اور نثر میں وہی گواہی شاعر اور قصور کے اظہار کا اور میر طاب۔ کسی اعتقاد یا بعد کے جانے دلوں آنکھوں میں اس دور کے سیاسی اور سماجی حالات کی عکاسیاں دکھائیں جو ایک مجموعی نظریہ حیات کی تشکیل کرتی ہیں۔ فیض نے خود اپنی شاعری کو ان میں تقسیم کیا ہے۔ اور ہم دانتھ "فیض قریبی" کے دیباچے میں لکھتے ہیں۔

"مجموعی ہندوئی نظمیں میں ملکر ایک ہوشیار صحن پرست اور غوطہ کا جلد و شاعر نظر آتا ہے۔ اس زمانے کی نظمیں ہری ہری "گلابی دلوں میں لپٹی ہوئی" خواب سے چھوڑ دقت سے ہر شاعر قصور میں سے بھری ہوئی ہیں۔ زندگی سے ان کا دور راست کوئی قطع نہیں۔"

کسی بھی شاعری کو سمجھنے کے لیے اس دور کے سماجی سیاسی اور معاشرتی حالات کو سامنے رکھنا پڑتا ہے۔ چارہ زمین میں کسی نریمان کی شکل کرتا ہے بیوی بیوی صدی کی دوسری چو قوتی میں ابھرا لیکن وہ عظیم جنگوں کا درد بھائی وقت جب ایک مختصر کا درد اور دوسرے کا درد پڑ لوگوں کے حواس پر پڑی تھا۔ ہر لطافت کی دھوپ سے تھلائے ہوئے انسان چمکے سے چمکے سامنے کی طرف پک رہے تھے۔ اپنی بے چارگی کا احساس اور سہاویں کی جستجو شروع تھی۔ گرد و

خوشی کی جستجوئی حالت نے بنا دیا کہ لوگوں کی حالت پر ہجر کر دیا تھا۔ گزشتہ پورا ہمارے "موجودہ سے نا آلودگی اور آلودگی کے لیے اس۔ چارہ انسان کا دل سہاویں بھی دکھتا تھا۔ دوسری جانب حالات کی کڑھائی سے لہجہ کی کڑھائی لاحق تھی۔ کوئی ایسا گنگا تھا مہیا کر نہیں ہوا تھا ہمارے ہی دور ہر دور سے کھانسی کی آواز کی کڑھائی کر کے۔ مگر کا خدا تو دہشت میں سب ممکن ہے۔ نتیجتاً اشتراکیت کا اور خانہ خالی میں آئینہ اور لوہے انوں نے اسے اپنا چہرہ بن لیا۔ اشتراکیت پرستوں نے نظام زندگی میں عکاسی، عکاسی، عکاسی کا اہم خدا خالی رکھا۔ اس دن کے نزدیک عصاب سے کوئی قلب چڑ ہے ہی نہیں۔ اس پس پس منظر میں اصل قابل ملاحظہ چیز درد داغ اور تجدد و آزادی کی وہ کلیت ہے جو قلب و روح میں چاکری ہو گئی۔ انسان کی شخصیت سالم نہیں رہی۔ محرومیتوں اور نا آسودگیوں نے ہر دل بکھڑا کر دیا۔ بڑا دل تھا انہیں جیسے جیسے دلی دلی سننے لگیں۔ اس صورتحال کا کوئی تجدد نہیں میں دلی اور ادب کا ہر اعتراض تھا۔ گھٹتے خود ہر شاعر ایک طرف طعنے اور دہلی کی جانب پک۔ دہلی تو دوسری طرف شیعہ و خانے کے تشکیل کو بھی چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ وہی صورت بہت تھیں حتیٰ کہ دوسری لہجہ کے بے طرہ دلی معلوم ہوتی تھی۔ دلی و دہلی میں ہر چہ دیگر میں شکوک و شبہ تھی۔ علم فیض اور علم و زندگی پر تمام آج کل دہلی کی اصل کے خدا و شاعر فیض کے پاس بہت لہجہ

ہر ایک کے کام میں وہی رابطہ کار کی چوٹی پر
اسپیکٹر کے ساتھ ساتھ چلے گا۔

دل کی ہے سو ترپ جسم کی ماہیں پھر
پھر سوز اور مری جاں اٹھتا چند ہی سوز

فقیہوں کے کہہ سونے کا نام کا بطور مصداق لیا جائے تو یہ بات دوزخ و آگ کی طرح نمایاں ہو جاتی ہے کہ فقیہوں کے خیالات، افکار، موضوعات، ایک ہی طرح کے گرونگھومے ہیں اور وہ خود ہے۔ ”انسان“۔ ”اسلم جانتاں اسلم لداں“ دہلی میں جمہوریت کے لیے آواز بلند کرنے والے مائیں انقلابی سچ، گردن کا طوق توڑ کر احوال جاننے میں افریقہ کا حوصلہ بلند کر رہے ہوں یا اسیروں کی غلامی، ظلم کی اندھیری رات میں محض نبوت کا گناہ کا دس دے رہے ہوں یا فلسفہ خیال کے ”کریا و جیلا“ کو دہاتی، جینا کے نقطہ کے کی دولت دینے کو لے لے ان کے ”پدارتھو“ کو اپنے غلوں کی چادر گری کے عزم و عمل کا چھام دے رہے ہوں ان کا بنیادی موضوع صرف اور صرف انسان ہے۔

فلسفی کا فلسفہ ہے یہ چار نظریاتی حدود کی پرکھ کے بغیر محکمہ علم کو سب کرنا ہے۔ "سبھا" نظامِ محبت ہے جہاں تک پہنچنے پر یقین رکھتے ہیں۔ انہیں صرف اپنے آپ کو دیکھنا ہے شہر اپنے ملک کے واقعات اور بد نظمیوں کی غلوں کے انہوں نے دیکھیں بلکہ ہر ملک اور ہر نقطہ پر ہے جہاں جہاں انہیں علم کے سامنے بات نکالتے ہیں وہ بہ اعتبارِ تاریخ لکھتے ہیں۔ انہاں وہ بالکل پرکھ کر گستاخوں کی امر کی ان کے لیے کئی ایک ہیں۔ غیر ملکی واقعات سے تحقیق ان کی جو کج کیفیت ہیں ان میں کئی ایک کی حدود اور اثر ہے جتنا اپنے ملک کے حالات پر تبصرے میں وہ استثنائی سرمایہ داری اور قسطنطنیہ اور مشرقی ممالک کی ہے یہی ہے عربوں کے آئینہ جاتا ہے۔ اس خطے میں ان لوگوں میں جو جدید انداز جاری ہے اور قسطنطنیہ اور بحرِ اوقیانوس

دل بہاؤی میں غافل کو کھاتے دھڑ سے بیان کرتے ہیں
ہم تو مجبور تھے اس دل سے کہ جس کی ضد پر
ہم نے اس رات کے ہاتھ پر سحر کی تحریروں
جس کے دامن میں ہاتھ سرے کے سا کو جا بھی نہ تھا
ہم نے اس دھند کو ٹھہرا لیا فردوسی غزل
جس میں جڑ مضبوط ٹوٹی سر پا کہ بھی نہ تھا

اٹھ آئی کہیں سے پھر گھٹا جیٹھ زبانون کی
 فضا میں، بھلیاں لورا میں پھر سے جڑبڑوں کی
 ہم ہونے لگی کدوں ہم سے پہلوں کی
 گھٹا جگم ۱۰ جوں کا۔ گئی بولی زبانون کی
 افریقہ میں آکڑی کی، ادا میں پائی تھیں قربان
 کرتے جابوں اور استعارہ پرستوں کے درمیان جو
 جہاں چلی ہے اس سے حشر ہو کر کہتے ہیں

آج کل میں نے کبھی ہی ترے اصول کی ترنگ
آج کل، مست ہو گئی میرے لہو کی تال

آجہاںؔ میں نے دھول سے ہاتھ اٹھالیا
آجہاںؔ میں نے چمیل دی آنکھوں سے غم کی چھال
آجہاںؔ میں نے درد سے باز چھڑا لیا
آجہاںؔ میں نے نوحہ دیا ہے کسی کا ہال
”آجہاںؔ“

”نعم“ ہارنیک، ماہوں میں مارے گئے“ کے
 حلقوں ”نوعان جاس“ کے واسطے میں مگر اس
 جنہوں نے قید و بند کا زیادہ عرصہ فیصل صاحب کی
 رفافت میں گزارا کہتے ہیں۔

”اسی نظم کی آفاقیت عجیب و غریب ہے۔ اگر
نے صدیوں کو پات کر چرانا ہے اور بڑا دل کیلے
سرافت ہے کر کے ہر ملک کے شہروں کی ایک صف
میں اکٹرا کیا ہے۔ یہ نظم کرنا چاہی امریکا عالم کی
بھائی خاں گرو، علیا، نیلما، مراخل سنگی

سے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ اور جو ان کی نگاہ کی آواز کا
 اور طبع کے خون میں نئی پت ہوا سب ایک ہی
 چاندرا خواہ ہوا سے نکالی ہے ہیں
 قتل گاہوں سے نکل کر ہمارے علم
 اور فہم کے مشافہ کے قافلے
 جن کی دلو طلب سے ہمارے قدم
 طغیر کر چکے ہیں وہ کے قافلے
 "ہماری طلب کے نام" میں ان طلب کو خراج
 تحسین پیش کیا گیا جس کی آواز اعلیٰ کی صدا میں سب کام
 آتے اور ارضی سطح سے حوالہ کرتے ہیں۔

یہاں کہاں ہیں ادھر افسانہ
یہ گھٹا
میں کے ہمسویں کی
بہر چہ عرواقی کا کہنا
ہاں خاک میں رہ چہ وہ ہے
کہاں وہ چہ کہیں نہیں یہ کہہ دے

لایا کہ کچھ کچھ بکھرا ہے
 اسے لڑی علم اسے لڑی علم
 ان آنکھوں نے لڑی علم
 ان ہاتھوں نے لڑی علم
 ان پاؤں کا لڑی علم
 کس کام کی تھی اس لڑی علم

فقیہان کیم کو گناہ مست پسند اور علیٰ حوصلہ انسانوں کے لئے انھوں کے جوہری فکری کمال اور دینی جہاد کے تاجدار و نواز کے لئے تاج بادشاہی نظر میں روایت گھنٹی انھوں میں روایت پسند انھوں سے ان کی استعداد کی بے پناہی کے بار گھنٹی میں داخل ہوا تو تحقیق چہ قری سے انھوں کو کہ تازہ و متجدد اپنا کارکنے لگے فکری کے مہم کا اعزاز اور عالمی زندگی کا تقسیم ہونے کا شعور کے ساتھ آئندہ جوہر فکری انھوں کی کا تقسیم اجتماعی انسانی زندگی کے ساتھ رخنہ رخنہ اختیار کرنے سے بچنا

ہے۔ نقی نے انسان کے حوالے سے اپنا معروضی جواز فراہم کیا۔

انہوں کے گمراہوں کے بارے
چہ دل کی محروم کب ہوتی ہے
اک بجے اور چہرہ ایک بنا
یوں محروم کب ہوتی ہے
فیض انسان کے ہر وہم سے محبت رکھتے
تھے۔ تم جہاں ہو کر تم بار بار مجھ کو ایک کے ساتھ
سے طرار میں انہوں کا دل سے جو جوتے تھے۔ فیض کی زندگی
تم ان اتفاق کو نہ دیکھ سکتے تھے کہ ایک شاکستہ وجود ہی وہ
شکوہ طواری سے محبت ہے۔ وہ اگر نہ بچنے کے
خدا کے دل پہ چٹنے والی آریوں کی داستان فلم کرتے
رہے۔ دو حواس جنہوں میں سے ناشکی کو لکھایا۔

تم جہاں ہو رہا ہو کہ وہ جب خدا
سواک جس سے کیا ہم نے عاشقانہ کیا
ان کی زندگی سواک سے محبت تھی۔ ان کا
کلام پندری پہنچتی کی آنکھ لگاتی سے آواز ہے۔ ان میں
الطاف ہی اللطاف ہے۔ پندری ہی پندری ہے۔ ہر
محبت اپنی مسکراہٹ کی بات سے انسانوں کے دلوں پر
نہی کو محبت کی شکل کو محبت سے صرف رہے۔ ہر
دوسروں کو بھی طوفان اور غرقوں کے ذریعہ کو سنانے کے
لیے مسکراہٹ کے تپانی کا مشورہ دیتے رہے ہر کہتے
رہے کہ جو دنیا مائیں کو زندگی ہیں جو چٹا کاش بیت بھی
ہیں جو حرف سے محبت ہوں کو غنہ کر رہے ہیں
انہیں بھلا دیں۔ ہر جہاد میں انسان پر گز رہی ہیں۔

کوئی ان کی دھن نہ تھی
کوئی ان کا گیت نہ تھی
جو ہر سے مسکرائی
جو ہر سے مسکرائی
فیض ایک نظر اپنی اصل پندری اور ایک حم کی
انسانی انصافیت کے طبر رہا ہیں۔ ایک اور غریبی جو

انہیں اپنے ہم نیاں سے بھی محروم کرتی ہے یہ ہے کہ
وہ سچی نظر ہیں۔ ان کی انسانی اور انہوں کا جواز
اشعار میں دیکھا ہوا ہے وہ شخصیت ہے اصطلاح عقلیت پر
بند نہیں رکھتی بلکہ عقول پر استوار و پائیدار و کھلی
ہے انسانی وجود پر نہایت دراصل نہیں ہو سکتی۔ اس
کے لیے عقل خدا کے نام پر اور حقیقت کے درمیان
باز آواز محبت دعا ہے۔

مظہر ہو گئی یہ قسم کو گوارا
تم جہاں دلائے فلم کرتے رہیں گے
یہی سو بار کر کے خاک ہوئی
رہتی خاک آفتاب ہے وہی
فیض اپنی دہنے کے شیشہ ساز ہیں وہ اپنی
قناریں کے باغ و خارا لکھتے ہیں۔ یہی شیشہ
ساز ہی رہا پھلنے والے انداز میں فیض کی غزلوں میں
بھی نمایاں ہے۔ فیض عشق و محبت کے پرستار تھے مگر
انہوں نے اپنے عشق کو حیات کے محرم انسانوں کی
طرف عقل کر دیا جو ان کے محبوب دہن کے طرب
انہیں تھے۔ وہ ایک اور پیاس کی مادی ہوئی و ناپائید
من خراب اور عشق خوں کا ایک ہی حقیقت نہایت
تھے۔ وہ خیالی طرب لکھی کو اپنی زندگی کا محور بنانے کے
لیے تیار تھا۔

اور بھی وہ جس زمانے میں محبت کے
رائیں اور بھی ہیں اصل کی راضی کے
فیض نے جس انسان کو اپنی شاعری کا موضوع
بنا یا اس کی زندگی کا لازمی انسان کی آزادی کے ساتھ
مطرب کیا۔ اس اعتبار سے فیض انسان کی آزادی کا
شاعر ہے اور ایک ایسی دنیا کی مصروفیت اور وفات کا
نور افشاں ہے جہاں آزادی اپنی بھری صورتوں کے
ساتھ ٹھن ہے اور اس طرح جدید انسانی عقل کی تائید
کرتا ہے۔ فیض نے اپنے ہمہ کے جس انسان کو
دریافت کیا ہے جو ماضی انصافی طاقت سے وہ پار

ہو گیا انسان تھا۔ اس انسان کے گمراہی کے احساس
اور پندری کی فضا دکھائی دیتی ہے۔ فیض کی شاعری
جہاں انسانی انہوں کی فضا دکھائی دیتی ہے وہاں اس
صور حال سے عقل کی صورت کی طرف کی بات دکھائی
ہے۔ اگر روز کا فراہم کیا جائے اور محبت سے جو
اعراض پیدا ہوتے ہوں ان کا علاج کیا جائے تو
شاہد انسان کا دکھ اور کیا ہا شکستہ فیض کی شعری عقل
اس اعتبار سے ماضی اور ماضی انسان کے باقی رشتہ
میں مرکزی اہمیت اختیار کرتے دکھائی دیتے ہیں۔
ماضی کے اپنے تصور میں مصنف اور پندری استعارہ کو
حوالے کے طور پر مثال کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ پندری
اور انہیں انسان کے ابتدائی تعلقات کی نشاندہی
کرتے ہیں۔

کیس وہ تم میں نے غلب کی برا کیا
ہم سے جہاں عجز کو کھلم کھلا تم اور کیا نہ تھے
ہر پارہ کر کو پارہ گئی سے گریز تھا
وہ نہ بھی ہو دکھ تھے مجھ کو اور نہ تھے
کوئی سچا نہ بچا ہے ہم کو بچا
بہت حاشی بھی تھی عام ہوئی رہی
جو کہ بھی میں نہ چاہا فیض ان کے پاؤں سے
تو درجوں سے دعا وہ سلام ہوئی رہی
جب ہر طرف دکھ اور غریب کا رہا ہوئی
کھیل رہا ہو۔ جیل و جیل کا پارا گرم ہو اور آہم
محبت سے بلکہ پندری اور آزادی و انصاف کے قزاقوں
پہ کالے ناگ بچاں بچاں نے بچ رہے ہوں ناگوانی
اور غربت پر ہم ہی جاگتے اور رات و انتظار
خداوندی میں کہ انہیں سے گھر دہن میں جانست کی
ہوئی کھیل رہے ہوں اپنے میں وہ خود شاعر اور
انسان کو گھر فیضی بیکروں کے چٹوں میں چنے کر
دلوں کی دھڑکی کی دھڑکی ناگ سکا ہے۔ اسے

اٹھ بیٹھوں سے بھی رخصت کیا چلتی ہے سب
مگر کیا کریں اپنی ماہی ہوا میں
کہہ کر سعادت کو اپنی ہے فتنے کے ہونٹوں
سے وہی پاسری لگی ہوئی ہے جو کہنے محبوب میں دیا
کے ساتھ تھی اور ان کی لہائی وہی ہے مگر لٹے بدل
گئے ہیں اور وہ اس پاسری پر ہمارے نہیں انکھاب
کے گیت گاتے ہیں۔ یہ پاسری ان کے عزیز شعری
کی حیران ہے بہا ہے اور فتنے اس پاسری پر۔

وہیں جاں ہیں بھی، سارے کے سارے سال
یہ کڑی رات لگی ہے سارے لگی، تھکنی لگی
دور دور رنگ میں بگمہ کیل نہیں ہے اسے دل
وہ سٹکا کوئی جوتی غشب کا انکار
میں میں گزری بھی ہے حرکت بھی کوئی بھی
ہو نہ وہ اپنے قیلے کا بھی کوئی فکر
خضر ہو گا انہرے کی فلیٹوں کے دھر

ان کو فٹوں کے رزا اپنا پتہ تو دیں گے
خیر ہم تک وہ نہ بچیں بھی، مصداق دیں گے
وہ کتنی ہے ابھی صبح نا تو دیں گے
فٹوں انسانوں کی انسانی جہد کو زندگی اور
فٹوں کا کٹنا سمجھتے ہیں۔ دستہ ہا کے انداز میں
فرماتے ہیں۔

"حیات انسانی کی انسانی جہد کا انساں
اور اس جہد میں حسب فطرت حرکت زندگی کا ہی
کٹنا نہیں بلکہ کٹنا ہے۔ لیکن اسی زندگی کا ایک
جزوہ بھی جہد جہاں جہد کا ایک پہلو ہے۔"

جو بلی سکوت چلو کہ وہ دھابہ صخر ہوئی ہے
عظام سے اب کوئی نہ سنوں فرار داروں سے پہلے
کسے کوئی چق کا کٹارہ اب ان کو پہنچ نہیں گوا
بند ہے قاتل کہ جان بلی نکار، وہ جسم تو جس سے پہلے
فیض کی شامی نے فٹوں کے در پہانی چار
دنی تو جس سے ہوا دکھیلے لگواتی ہے۔ بلکہ ہی
زندگی اور بے عظام کی پیرست نہایت دھکی لے میں
وہی ہے۔ جس میں ایک رہتی ہوئی اور صفی اور
کائنات میں تھے ہونے غلغلے کا گوا ہے۔

کب نہت جھپٹے سستی کی
ہا کہیں خالی ہوئی ہیں
ہاں یہ جھپٹے جھپٹے ہیں
ہاں ساگر مارا سوئی ہیں

نیکوئی ہیں عباس دولت پر
ہاں نہ کھاتے بھرتے ہیں
ہر پرے ہر سارے
خاتم چر حیات بھرتے ہیں

فٹوں فٹوں کی اس لگتی تک خیالی قدر حیات
انسان وہی کے ذریعے چلے۔ اگر ان کو انسان سے
اٹھت جھپٹے ہوئی تو وہ ایک جھپٹہ وہی شاعر کی
زندگی کی کہ ایک معروف وہاں شاعر کی موت مر
جاتے مگر وہ انسانی حیات کی پہاڑیاں کتنی میں چر
کر عظم کے جوار ہوا میں آ کر گئے۔ اس بحر حیات
میں ہر کے گھوڑے اور بھکی ہوئی رات کوئی خود
آزاد نہیں۔ فٹوں وہی وہی کے آہوں سے جڑے
نوح کر بھوک اور پیاس کی ماری ہوئی انسانیت کے
قوسوں میں ڈھلا جاتے تھے۔ وہ انصاف کے
چاند جڑوں کو کٹتے ہی کر لیا ہوا میں احوال کر لیا اور
آدم کی بھٹی ملی اور فٹوں کر لگی کے انسو پہنچ جاتے
تھے۔ وہ وہی دھابہ دھابہ سے گزروں کے لیے
وہ فٹوں کے خواب سمجھتے رہے۔ وہ اپنے آئینہ کے
تیلے سے کوئی کا کام لے جاتے تھے۔ فٹوں سم پر
چار یک دھابوں میں مارے گئے سمیٹا رہے ہیں۔

جب لگی تیری ماہوں میں جسم ستم
م چلے آئے لائے جوں تک قدم
ب پ خوف فرار۔ دل میں ترقی تم
اپا فٹ تھا کہیں میرے حسن کی
ایک قائم رہے اس گواہی پہ ہم
م جہد چار یک دھابوں میں مارے گئے
فٹوں گاہوں سے جوں کر مارے م
اور فٹوں کے علاقوں کے قاتلے
جن کی داہ طلب سے مارے قدم
خضر کر چلے اور کے قاتلے
کر چلے جن کی خاطر جہاں گیر ہم

اپنی فٹوں کر رہا ہوں میں
وہ تھے سے تو مجھ کو بڑا بھی
جہاں ڈاکٹر مہدائی "فٹوں کے ہاں رہا ہوا
کسی انظر ایچ سے انظر ایچ کی طرف ایک ارتقا
ہے۔ فٹوں رات بڑا کٹم کا کٹا ہوا جاتا ہے۔ فٹوں
کئی فٹوں حیات کے حال ہوں ان کی انسانی
بصیرت اور احساس ہمارے قابل فہم ہیں۔"

فٹوں اس کج کی تلاش میں تھوڑا دن میں
بریلی اگا دے بھول کھا دے۔ آزادی انصاف
مداخلت کے چرے چکارے۔ فٹوں اور جہاں ک
رات کوہر ہو۔ ہر طرف فٹوں ہی ہو کٹا دے۔ ایک
بہت بڑے انڈیا تھے جو انہونی کو ہونی جانے
کے لیے سرگرم تھے۔ یہ کھاتے کھاتے نہیں
بلکہ دھکے دھکے انداز میں اس سوہے کی راہ سمجھتے
رہے۔ وہ کتنی بھی انہونی اور شاد کھاتے کھاتے نہیں فٹوں
اس کر کا پچہ لینے کے لیے جگہ آگاہی جگہ شعری
ہے کوئی کھیل نہیں ہے سداں۔

ہاں تھا کہ ذی دہری کا برم
ہم جو ہر ایک دلوں میں بادے کے
فعلی کا خوب کا بھل میں اب بھی جیت کے
لطیف چیزیں ہیں نواب جانے کی رحمت دیتا ہے۔
جس کا فلم دہر کے بھڑے مٹا دیتا ہے۔ جس کی
صورت سے عالم میں یہاں کو ثابت ہے جس کا
حصول بقدر لوگوں کر دے لیکن اس کی نظر ہر جا ہزار
میں پکے ہوئے اور ناک دلوں میں اختر سے ہوئے
جسوں کی طرف لوٹ جاتی ہے اور وہ یہ کہنے پر مجب
ہو جاتے ہیں کہ ۔

لوٹ جاتی ہے اور کو بھی نظر کیا کچھ
اب بھی بھل ہے تیرا میں مگر کیا کچھ
فعلی کے اپنے دلم اور دکھ دکھا سکتا زیادہ نہ
تھے تخیل جہاں تھی اور جہاں نے قدم قدم پر جہاں کا
ساتھ دیا تو یہ کوئی عیب اور انتہی نہ تھی۔ سڑ
سردلوں کے ہی کچھ ہیں۔ فعلی دلم کھاتے رہے
مسکراتے رہے اور سوائے رہے تاکہ تھل کے دست
دراز اور کھڑت لگے۔ لیکن ہر انہوں نے اپنی ہر دلی
اور ناشدنی بھلا کر اپنی نام کھلی ہے کہ کہ بھڑائی کہ
"میں جیہ بھی ہوں اچھا ہوں" انھیں اس بات کا
شعور کے ساتھ حساس ہو گیا کہ ان کی زندگی کا
حصہ صرف اپنی ذات کی کامیابی سے وابستہ نہیں ہے
بلکہ انھیں دیا کہ لوں کا چارہ کرنا ہے۔ پاپ کے
بندے اور فلم کے بندہ میں کائے کے لیے انھیں آگے
بڑھنا ہوگا اس لیے انھوں نے سوچا "کیوں نہ جوں
کا نام اپنی"۔

فلم ہر حالت میں ہلکے ہے
اپنا ہو یا اور کسی کا
وہاں دنیا ہی کو جہاں
جوں بھی تھوڑا ہیں بھی تھوڑا
کیوں نہ جہاں کا فلم اپنی

اور میں سب قصوں میں سوچیں
اور میں سکھ کے چنے دیکھیں
بہنوں کی قصوں میں سوچیں
فعلی امراء کی دولت کی تقسیم دیتے تھے تاکہ
فریبوں کے کھوں کا بکھڑا ہو سکے۔

بے گھر سے دین دولت والے
یہ آخر کیوں غول رہے ہیں
وہاں کا سکھ آپس میں باتیں
ہے بھی آخر ہم جیسے ہیں

فعلی کی محبت اور انسانیت واقعی نے اسے اور شاعری
کے ساتھ رقیب و رقیب کے لگے میں گویا ہیں ادا
وہی ہیں بھلائی سے روحانہ سرگوشیوں میں محبوب سے
دلچسپی کی پوری تازہ کرتے ہیں۔ ان کی فلم "رقیب
سے" جہاں کراختار ہوتا ہے کہ انھوں نے کسی طرح
فعلی کو مسلم کا کراختاری اور دینی کا پس لایا۔

ہم نے اس عشق میں کیا کھو یا ہے کیا سچا ہے
22 عرصے اور کو کھلائی تو کھانا نہ سکوں
ماجری بھیجی، فریبوں کی حالت بھیجی
پاس و دھن کے دکھ اور کے سخی بھیجے
زیر دھنوں کے مصائب کو سمجھا سیکھا
مرد آہوں کے رہنے زور کے سخی بھیجے
فعلی طارے ایسے شاعروں میں سے ہیں

جنہیں زندگی اور اس کے شعور میں سے محبت ہے۔
اور اس محبت کی وجہ سے ان کا ہر زندگی کا بھڑائی ہوا
آتا ہے۔ بقول آل احمد سرور

"فعلی کو کھل خانوں میں مقدس آج کی فکر
اس نے انھیں بھلا دیا انھیں بلکہ ان کی شخصیت کو تو انہی
اور ان کی شاعری کو اب وجہ عطا کی۔ فعلی نے اپنی
پچھائی پر انکھ انھیں کیا بلکہ اسے ہوائے رنگد سے
دیکھا اور اس سے شہر کا کام لیا ہے"

فعلی نے زندگی کو کچھ دیا اس کے ساتھ اور

انسانیت پر انھیں ہائے ایک ہجر زندگی کے جہاں میں
قیسم میں انھیں سے صبر اور اپنے غلوں کی خاطر سچ
تھا کہ جسے خود کارا ہوا ہے مسکن کے اور انھیں ہوائے
حب کہیں جا کر ان کے حکام میں قسطنطنیہ پہنچ گئی۔ ایک
انہی قسطنطنیہ جس کی نے میں تمام انسانیت کی سسکیوں
سنائی دے رہی تھیں۔ انھیں کے تاریکیوں میں جنس
نے انسانیت چند ہی دور میں عشق کی شہرہ چلی۔ مگر
دوسری نے زندگی کی مبینہ فتنوں "لطیف ہاں نہ
کیسے فتنوں کو بھڑا اور کڑھیں کیا۔ انھیں خواب
خیال کا ہلکے کر زمین اور دوزخ کا دھواں۔ اسے
دانشین کے فخر "میں دھن کے کوئی دھارہ فتنوں کو
پہن اسالی ہے ۔

شب فتنوں سے حد بھر نہ جانے اور انوں کی روا
نیرہ ہو جی رہا فتنوں کی، ان سب سے کہہ دو
آج کی شب وہ پے پے جانے کوئی دھن کو
یہ زمانہ عجب شاعرانی ہر گھس کے سرکاروں
سے دھن کی وجہ عجب گھن میں لپکا دھنوں کو بال
کھولے دھار دیکھتا تو اس کے سر کا کھنکھن میں
بھل بھل کر آنسوؤں میں دھن اور اس آہ کو کہ
شعری کہانی میں سنا جاوے اس کی بھل کو بھڑا کر
بھٹنی انسانیت کی بھٹنی انھوں کے لئے عزم کے طور
پر بھیجتا ہے۔

فعلی انسان کو دلی اور دکائی سے دلیر دانش
انھیں کرتے بلکہ ان کے ہاں فتنوں کی ایک سرشاری
موجود ہے۔ اگر وہ ایک فرد کے ذہنی دھنوں کا ذکر
کرتے ہیں تو دلی ہی کا پچھل انھیں نظریہ صرف انھیں فعلی
نے اپنی محبت کی دکائی کو زمانے کی دکائی کے ساتھ
دیکھا تو انھیں اپنا تمام بھٹنی بھڑا کر لیا ہے۔

"ایک انسانی فرد کی ذات اپنی سب محبتوں
کندوں میں سرسوزی اور دانشوں کے دھارہ جہاں
بھٹنی ہی محبت اور نظریہ ہے اس کی رحمت اور

پہنائی کا پیمانہ پائی عالم سوجھتا ہے اس کے فانی اور جذباتی ہونے میں خاص طور پر انسانی برادری کے مشترک کھنڈ کے ہوتے۔

فعلی کی شاعری اور زندگی دونوں انسانیت کی دشمن قوتوں کے خلاف ایک ہی لڑائی اور حاصل جنگ اور جدوجہد ہے۔ فعلی نے یہ جنگ اس لڑائی میں ان کے ساتھ لڑی کہ ان کا ایک دن انسانیت کل ماحولوں کو اکٹھا کر دیتا ہے۔ وہ وقت کی تقسیم ہو یا رنگ و نسل کے امتیازات۔ انہوں نے ان کے ماحولوں کو اپنی شریف آہستہ کی پائی ہو یا اس عالم کو ان کی جنگ اور جانی کے خطرے فعلی کی شاعری ان تمام قوتوں کے خلاف آہستہ آہستہ انسانی کامیابی کا منہ کرتی ہے۔ فعلی فرماتے ہیں۔

”مجھے یقین ہے کہ انسانیت جس نے کبھی شکست تسلیم نہیں کی ہے آج بھی کبھی شکست سے ہٹ کر نہیں ہو گی“

مجم پر تو ہے جذبات پر دلچسپی ہیں
ظہر بھوں ہے گنگا پر غور ہے ہیں
جس کو فراموش ہوتے ہیں۔
انہی باتوں کا ہے دم گراں ہار خم
آج سنا ہے ایسا تو نہیں سنا ہے
فعلی کی شاعری سماجی و معاشرتی حقائق کی انھیں کو برکات کرتے اور لوگوں کے ساتھ کئے مجھے وعدوں کو بھانے کی شاعری ہے۔ وہ سر پر ہر بات اور غیر انسانی رویوں کو کچھ کرکٹ الٹا ہے اور لوگوں کو بھر سے نہات کا چیلن دیتا ہے۔

دل سے بچم خیال کتا ہے
اتنی شیریں ہے زندگی اس پہ
غم کا زہر گھولے والے
کامراں ہو تھیں کے آج نہ کی
جلاو اور دھال کی طیشیں

”وہ بچا بھی بچے اگر نہ کیا
چاند کو گل کریں تو ہم جانیں
فعلی انسانوں کا یہ کسی سے مرے نہیں۔ کچھ
تھکے ہیں کے خدایک اپنے آپ کو قاتل کے بہرہ کر
رہا مرہا کی ٹپس ہے۔ نہ وہ اس بات پر یقین رکھتے
ہیں کہ عالم کے اسے سرگرم ہو کر نہ دھو شاد ہے دم
آجائے۔ بلکہ دیکھتے ہیں کہ کوئی ٹپس نہیں کھائے۔
منظوم کی بچہ اور اور دنیا کا عالم کا حوصلہ ہلک کر
ہے۔ فعلی غم سے کہ عالم کی حمایت کھتے ہیں اور قاضی
کہ عالم کی پشت پر ہی فرم دیتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں
کہ اس عالم کے ہر طبقہ کا انسان آزاد یا تیار ہو
ہر سکون زندگی کو ادا ہے۔ وہ جب کوئی جانتے اس کے
حق کو پا رہا کہ اس کے خلاف آزاد ہو کرے۔

خو علم ہی منت ذکر ہے آپ ہمیں ہے
جو جہر کا سکر نہیں وہ سکر دی ہے

کوئے غم کی خاموشی آباد ہو کہ تو ہو
بکھڑا کوئے غم کھنکھنایا ہو کہ تو ہو
بیدار کہ سے گھو بیدار ہو کہ تو ہو
یاد کہ شہر حشر کی آباد ہو کہ تو ہو
گرتی نہیں رہاں کئی آباد ہو کہ تو ہو
پچلا ہے درد اسے دل پر آباد ہو کہ تو ہو
یاد کہ شہر حشر کی آباد ہو کہ تو ہو
یاد کہ دردِ حال کی بیدار ہو کہ تو ہو

فعلی کی امید اور فری ہے کہ انھیں اپنے جس کا
انہا انسانیت کی شکست ہو۔ انہیں منظم ہے کہ پڑا
تھیں سڑے ہیں فعلی کو اس میں انہاں کی کریں
نظر آتی ہیں۔

یہ شب کی خوری سامت گراں بھی ہو ہم
جس سامت میں پہاں ہے اپنا ہم کی بھیجیں کے
ہرل ہرل سن ”علم زمانہ سے ان کو کرا لگا

ان کی انسانیت اور وہی انسان کی انتساب پندہی
اور انہاں کی سب سے مطلق کے شعور ہے۔
بھڑا انھیں طغیوں نے کوئی جاک و شام
بھرتی نہیں انھوں نے کوئی طرز و دست
ان مطلق نہ اس مطلق پہ ہم سے ہر دل
بر داغ ہے اس دل میں بھڑا داغ عاست
فعلی کی اپنی شاعری کے متنوع میں انسان
اور سکر میں وہ قہر نہیں بھرتی دیتی ہیں۔ شیری ہونا
میں انسان کی آزادی کا تصور ضرور ہو چکا۔ عالم
قہر میں انسانیت کو کھا کرنے پر آمادہ ہو چکی ہیں۔ جب
عالمی قہر میں انھیں کو کھانے کرتی ہیں اور لوگوں کا
کھانہ کرتی ہیں تو فعلی گھر گھر کے انکار سے لے
کراتی ہے اور رسالت میں گھر روتے کے جانے ٹپس
وعدہ کے انکار سے انکار دیتا ہے۔ طغیوں کی جہر سوج
منظم چوتے ہیں اور مطلق دنیا کا دروازہ پر بند ہو جاتا
ہے تو مٹا ہوا دھار میں چھپ جاتا ہے۔ انھیں فعلی
جب عالم کے کہ سے بڑھتے غم کو دیکھتے ہیں تو خدا
سے سوال کرتے ہیں۔

وہی کچھ ہیں ہر اک غم میرے غم سے ہے
گہر کا ہے تو تو سے بدل سے لاکر کہوں؟
ان کی باتوں کی قوی ذات کا قرار کہوں؟
بہر کہوں سے کتنا حق انسانیت کے لیے
آخرا کہ دھار کا سہارا لیتے ہیں۔

جن کی آنکھوں کو شام کچھ کا پارا بھی نہیں
ان کی باتوں میں کوئی شمع نہ کر دے
جن کے تھکوں کو کئی رات کا سہارا بھی نہیں
ان کی ٹھنڈی پہ کوئی رات اپنا کر دے
فعلی کی شاعری کا یہ وصف ہے کہ انھیں
لے تو ہم پر درد اور اظہار میں سب باتیں اور دانا نہیں
اپنی گرفت میں لے لے لے لے لے لے لے
نہ کوئی جاک و شام غم میں دل رونا رونا گھوندا

جہ پہن ہیں سنگ صیت لوتی داغ داغ لادیا
اپنی مچھلی اور الزام تراشیوں کے باپ میں
فلج کے ذاتی اور شعری لہجہ میں اس کی بھڑکی
بہت حد تک ہے۔ سحران کے ناگل میں پیسے سونے
تیسری دنیا کے مفکروں کا خون فلج نے جہ جہ
معدن سے چکانا ہے۔

کبھی کبھی ہے کبھی کبھی کبھی لو کا سران
کسی کو بے رحمت نہ دھت تو نہ دانا
نہ دانی نہ شہادت سب پاک ہوا
یہ خون خاک بھانڈا تھا، رزق خاک ہوا
”میاں سے شرک و کفر“ میں کبھی کبھی دہا ہے۔
ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

خواب جام ہوئی کس صواب میں گھبے
بہار گل میں جس پہ پیچے ہیں خار گل کو کڑھ
فلج انسان ذاتی کے اس میں حشر کا حوالہ بھی
دیتے ہیں، جہن فرجوں اور زہر دہن کی وہ نکال
جہاں ماسرا می کشا لوں کے داخل سے یہ کھلے سکے
ذرا لے جاتے ہیں جو دراصل فلج کے موضوعات کھیر
والکاب کی طرح ہے۔ فلج کا کہنا ہے کہ صرف وہی
ادب اور شاعر نہاں اور غم سے طبع اور دلا ذاتی
پہچانے دلوں کے خلاف کبھی جہاد کرتے ہیں جو
انسانیت سے محبت کرتے ہوں۔

فلج کی انسان دوستی میں ہیں انوکھی سچ پر
سارنڈی قزاقوں اور دہن کے عماروں کی ان سازشوں کا
دیکھو اور شعور بھی مثال ہے حتی کے کثرت شعری آزادی پر
سچا پھر وہی مسئلہ کوئی ہانتی ہے۔ جہودیت اور
جہودیت اور ان کا گل جام ہوتا ہے۔ گریہ و غریہ اور
آزاد سڑکی رماہوں میں خدا اور ان کی گٹھائی جاتی
ہیں۔

فلج نے تمام انسانیت کے دکھ کو اپنا کراہی
دانت کو کھ کر دیا۔ فلج کے کلام میں ”کلمہ“ ”ہم“ کی خبر

کا استعمال ہوا ہے۔ اس کی ایک جہ فلج کا ذاتی
شعور ہے جو پہلی نسل کی تہذیب سے آلود۔
De Gourmont نے کہا تھا۔

”ایک شخص انسان کی جہودیت ہوتی ہے کہ
وہ اپنے ذاتی تاثرات کو ذاتی اصولوں میں احوال
دے“
فلج یہ بات صادقاتی ہے۔

سویڈن سے یہ سب لوگ اپنی اپنی خوبی کی لے میں
سوج تارو دے دل میں جب ہم نے فلج آواز کیا
لوہل کی ماضیت کا پتلی بار غم غصہ پر ہم نے
آنکھوں کے دھبے بند کیے اور چپے کا دروازہ
بھل حرمت الزام۔ ”فلج کی شاعری میں
ایک طرح کا داخل کھلا ہے جس کی حدیں دور تک
نکلنے لگی ہیں اور جہاں انہیں انہی صورتوں میں غم
دکھائی دیتی ہیں۔ یہ ان کے جذبہ کا گت اور
انہی نے ذاتی انسانی اخلاق کی دلیل ہے“

فلج صاحب اپنی جان کی قربانی دینے کا انتھاب کی
خشیت اول قرار دیتے ہیں۔ ”دکھ اک اٹھنے بازک
دارنے اے اٹھنے باز ہے۔“ دلوں کی مرہم کا کر
اچار انسانوں کے غم پر رکھتے ہیں۔ غلب کی طرف
فریدی تو فی انسانی کو کاغذی ہی اس چیز کو ذاتی
قدار سے بزم چکانا کرتے کاماں کرتے رہے۔

جہاں ادا کر غم اور غموں ”اس کی گھر کی کے
مٹاے مشہ سے اور گھر سے اس کے گل سے غم
پینے دانے ہیں انوکھی انسانی شعور کی اگلائی کی
آئینہ دے“

فلج کی گھر انسانی محبت اور زندگی کے درد
مشترک کا سرچ ”نور“ ہیں نام اور غم ہے۔ اکلو
انتھاب حرکت کی کوکھ سے غم پینے ہیں کبھی فلج کے
انتھاب کے چاروں اطراف محبت و اخلاقی کی پندہ
ترنم پر گھرائی ہیں۔ وہ ہے جس اور اچار انسانوں کا

دیکھو اپنے اور سرانہ کر پیچے کا اصول پتے رہے۔ وہ
قوانینوں کے لیے دے رہے ہیں سو۔ ان حالات
نے دے کی فرصت دی نہ دے کا پیلو سکھا۔

دانتے دلوں سے کوئی ان کا کبھی روا دلوں
جہی کو گرتی حالات نے دانتے نہ دیا
فلج انسانی محبت کے غم کو بہت جلی قیمت
گرا دیتے ہیں۔ اور انسانی کے غم کی کبھی جانے
سے کراتے ہیں، شعور کبھی کی قربان نہ دے پڑا
پکارتے ہیں۔

صوت اپنی نہ گل اپنا نہ بیٹا اپنا
کھ گیا خوش کبھی میں قرب اپنا
انہی جلیں تو کہ اور غم جانے کا رات دھل
جانے کی اس لیے مشہور ہے جس کی ”غیم نہ کر“
اب کبھی شام بچے اگر نہ دھیرا ہو گا
اب کبھی رات اٹھنے کی نہ سیرا ہو گا
وہ غم بہت دیکھنے والے انسان ہیں انہوں
نے بکریاں لے لیوں کا قتل کیا۔

ہر اک یہ شاعر کی کس سے
بکر میں نولے ہیں ہر بچہ
بکر سے نولے ہیں اور ہر اک
کا ہم نے قتل بنا لیا
فلج داخل ”دش غم کا اضمحلال کھتے ہیں۔
وہ غم کی حکومت غم کے لیے چاہتے ہیں۔ غم ”نار
میں جری گلیوں کے تھکر راتے ہیں۔

بہت ہے غم کے دست بھانڈ کے لیے
جہ چھال دلوں حیرت نام لیا جی
چنے ہیں اہل ہاں، دلی بھی منف کبھی
کے دیکھ کر ہی کس سے حاصل چاہی
لیکن وہ ان کی کے صاحب، دلوں کی
جہاں اور حیرت دلوں کے کام سے بالکل نہیں
گھبرائے۔ اور اپنے موقف پڑنے دے۔ فراتے

و فقہ سے عہد وفا استوار رکھتے ہیں
طاہر گراش نکل و نہد رکھتے ہیں
فتیٰ کی خاطر ایک صاحب دل کا جوش اور
دلوں سے فتنے صاحب کی نظریں کا دغاؤں میں جا کر
کسانوں اور مردوں کی جھگڑی قوت اور اس کی عظمت
کا درس حاصل کر رہی ہیں۔ فتنے نے اپنے کام کے
اور بے فکرانوں، دیکھوں، لکھوں، عالموں، کسانوں
باجوں کے کوئی شریعت اختیار کی ہے۔ "سر دانی
چتا" کا "استیلا" اس کا ثبوت ہے۔

پست سینوں کے نام
تنگے دلوں کے نام
رہیں باؤں کے نام
کارخانے کے نام کے جانوں کے نام
بادشاہ چاہا ناکی، سوانا، شبلی، افغان، بھان کے نام
جس کے احمدوں کا نام رکھنے کے
جس کی بی بی کو کاٹھ لے گئے
فتیٰ کو انسانیت کی توہین کی طور گوارا نہ تھی۔
حالت سے دامن چا کر ظلم کے حق میں آواز بلند
کرتے ہوئے وہ ظلم کے چاند منصب اور حشم سے
بالکل گھبرائے۔

دہری ضمیر، زبان، خلق سکھانے کا نام
اب ٹھکانے لیجے پری، روزانہ ٹھکانے کا نام
تکسب کی غیر بدنامی ہے اسی کے فتنے سے
دنگ، سامانی کا غم، کا سے، کارخانے کا نام
فتیٰ فتنی آزادی کے قائل ہیں۔ وہ جب قوم
پر جبر و استبداد کی افواہیں مٹا دیتے ہیں تو انہیں پر غر
داس گیر جوتی ہے کہ ابراہیم کیوں ہے۔ پانڈاؤں کو
سکوں بھر کیوں نہیں ہے۔ دین کے چٹاؤں کو گھن
ادان نہیں۔ پانڈاؤں کا قائل کو چار کیوں نہیں آئے۔
"یہاں سے شر کو، نکھو" میں کہہ سکی صورت حال ہے۔

یہاں سے شر کو، نکھو تو ساری فطرت میں
ن کوئی صاحب فتنے، ن کوئی دانی ہوئی
و کوئی جی چلے ماہ تو پر پھتا ہے نیل
کہ تو کسے کوئی غلام کیوں نہیں آئی
ن کوئی دھما جانے تو دہم کو ہے سال
کوئی ہلک، کوئی بھٹکا کیوں نہیں آئی؟
"اور نہ دیکھو" میں بھی فتنے نے صاحب
دعوت اور صاحب قلم کی قسمت کا وہاں دیا ہے اور حق کی
دلوں میں دہرا چہ فتنے دلوں کی عظمت کو سلام کیا ہے۔

فتیٰ دامن کے دامن پر طبردار ہیں۔ اس
چاڑھنے پر انہوں نے جو تقریریں سکھیں کی اس میں
بھی انہی خیالات کا اظہار کیا ہے۔
"ساری دنیا کے کڑے انسانوں میں میں آئیے
ہیں تو کیا انسانوں میں ڈی شعور، منطق، حجاج اور
دیانت دار کوئی کی اتنی تعداد میں جو انہیں ہے وہ سب کو
خدا کے کہہ سکتی ہے سمیت اور۔ یہ ہم اور ان کے
تو ہیں، بد فتنی، سندھ میں غرق کر دو۔ اور ایک
دوسرے پر بھڑھائے کے جہاں سب ہی کر تھیں
کا کات کاٹو۔"

ایک جگہ لکھتے ہیں۔
کوئی طاقت نہیں اس میں دور آزما
کوئی جیڑا نہیں ہے کسا ملک کا
اس کی جہ میں کوئی آبدازی نہیں
کوئی راکت نہیں کوئی توہین نہیں
یوں تو سارے دوسرے ہیں دلا زور میں
اسی گنا ہے اس مگر پر چادر میں
سوارہ خاک کے بھونگی جھکو ہیں کہ۔
کب گھر میں آئے کی ہے اس بار بڑے کی بہار
خون کے دھبے، ہمیں کے فتنی دستانوں کے بعد
لوہگی اٹھان کرتے ہیں۔

"اب کوئی جنگ نہیں ہو گی سچے و سافراں ذرا"
فتیٰ کے بیٹے میں ایک میدان ہے اس میں
سارے جہاں کا دور بھرا ہوا ہے۔ اپنے گرو، بیٹی کا
گھرا مشاہدہ کرتے ہیں۔ فن کی خاطر میں
سامراجیت کے لحاظ اور غریبوں کے "سکوں"
مردوں اور ماہر فتنوں کی بھونگی میں جو ہڈیاں
اڑا دیے گئے ہیں وہ فتنے کے حواریوں کی فطرتی
کرتے ہیں۔

جب بھی دھوکا دیتے ہیں وہ ٹیکس جن کے
ملک انہوں میں پھٹتے ہوئے سچاتے ہیں
تاقوں کے فوٹوں پہ پھٹتے ہیں، طالب
بارہ تو نے سونے سنا دیتے ہوئے آتے ہیں
جب بھی کہتا ہے بازار میں حوروں کا گوشت
ٹھہرا ہوا ہے، غریبوں کا لوہا جتا ہے
آگ سی جیتے میں دلوں کے اٹلی سے نہ بچو
اپنے دل پر لکھے کاہر ہی نہیں رہتا ہے
فتیٰ انسانیت کا جہاد پر نہیں لکھتے ہیں۔ "تیرا
سر بڑی تری اس" بھی دھوکا دیتے ہیں "میں بھی انسان کا جہاد
مسکوں کے اور بے نیات کا راستہ دکھایا ہے۔ فتنی
کے کام میں زندگی کا سہارہ دینا، ماننا جو ان کا دینا
ہے۔ اس سندھ میں اہمیت، طاقت کے نظریہ بھی
ہیں اور غم کی طاقت کی توہین بھی، "میں دھال کی
رہتا ہوں بھی ہیں، اور حق و محبت کی دھال سامانیاں
بھی، لٹائی و لٹائی کی زنجیر بھی ہیں اور آزادی و
حریت کی حقیر بھی۔ غلام انسان کا حق، "میں دھن"
زبان بکھاتا نہیں، دھواں غم کے نکال، آواز اٹھانے
سے بھی رات ہے لیکن فتنے ملک کو جرات اٹھا رہے ہیں۔

بال کہ اب آزاد ہیں تیرے
بال زباں اب تک تیری ہے
بال کہ جگہ نندہ ہے اب تک
بال جو کہہ کہتا ہے کہ لے

نہ فرماتے ہیں

آئی تک سر سناں یہ صدیوں کے ساتھ گئے
آدم و حوا کی عبادت پہ کیا گزری ہے
سوت اور زیت کی دھڑاؤں صف آرائی میں
ہم کو کچھ گزرنے کی "امداد" پہ کیا گزری ہے
مرنے کی صورت میں بیچنے والی تھوپی پر یوں
نور کمال ہیں۔

انہ دیکھتے ہوئے شعروں کی فردوسِ حقوق
کوں افکار مرے کی حسرت میں دیا کرتی ہے
یہ عین کھیت بھلا جاتا ہے جو جی نہیں کا
کس لیے ان میں فکا ہو کہ لگا کرتی ہے
فیضِ بکھر دیا کلمہ سیدہ امانتِ زکریاں پر چوہ
زلم گولا فیلڈ پا حالِ سزاوار سفر اور صراعتِ حکمت
شہسازِ امیدِ حرکتِ سوزا کہ کر جو صلہ داتے ہیں
یہ اور صراحت ہیں جب تک ان فوں میں امداد ہے جب تک
یہ کوسا و غم، یہ ملل و غم یہ مالی و ختم سب اپنے ہیں
اک کلمہ و غم ہیں ان کا کجیرو اعتبار کیے جا سکیں
خانوائی تو تیشی لاکھ جاچیں کہ گھنٹیاں حرکت، سر سبز و
شاداب نہ ہو۔ وہ جذبات کو لاکھ پانچ کرنا چاہیں لیکن
بے پند فوٹ کے بار بار پلاؤں انہیں راجی گھٹتِ تسلیم
کرتا ج سکتا۔

فیس ہے کسی شہ قہار سے قہار سے کسی شہ لیکن
بہی میں آج کل گلی کے گھار کا موسم
فیضِ آفتابِ شہرِ شہر یا غیر شہر کی طہر ہے

نکلتا حرکت اور طہر میں سوز و دلِ شال کر کے
ہوا و بادل چلا کر رہے ہیں۔ ان کے ہاں امید "مزم
اور اشتغال کی ہیبت ہے تم سے کہ جو جیسے کے ساتھ"
سوز ہے مگر تیشی دل کی گری کے ساتھ۔ دلی کی محبت
شیر کرب ہے مگر توانائی کے ساتھ۔

فیضِ محرم کا دکھانچہ کر محرم درست ہے۔ وہ
جاتے ہیں تو اس شخصِ مومن کو گھوڑا بے شک ہو۔
گیت آواز کا مہر پہنچے ہیں لیکن شہر نہیں۔

فرحِ صدا کا کہتا ہے کہ "فیض اور فیض کی
شاعری اپنی خصوصیات اور خاصیت کے ساتھ صرف صدی
پر محدود ہے۔ وہ جدید اور شاعری کے ان پانچوں میں
سے ہیں جنہوں نے شاعری کی دینی کا پورا ہی پتہ کی
بجائے اسے اپنے رنگ میں دھارنے کی کوشش کی۔"

فیض اپنے فلسفہ فکر پر جو "آخر کا غم" ہے۔
کوئی فکر کوئی حیران کا راستہ نہ بدل سکے۔ وہ لوہار کا
تھوڑا کر کے دالے بنا رہے۔ اور سکھ کوہ گراں ہے
پڑتا تو جاں سے گزر گئے لیکن کوچہ دار کا پکا سا گھر۔
اپنے گل ہارے کے سر صحرائی حیران کو کچھ گئے۔ جان
ہار کر بازی جیت گئے۔ اور اپنے چاند گراں کو فوہ
دے گئے "خمن حیات بکاتے کی فریب و دشمنی
تک پہنچا گئے۔

میر سے چار کر کو فوہ ہو معجب دشمن کو خبر کہ
وہ جو فرض دیکھتے تھے چاہے وہ صاحبِ آج پکا دیا
فیض کے مرے پر گھنڑوں میں لپٹے ہیں اور

دلوں میں لہائے دلم پھرتے ہیں کہ فیض اور افکار
فیض اورا ہے اور رہے گا۔ فیض کے مرے سے
غریبوں کی دعا اڑاؤ گزرتا ہے جب اور حکمت کی
گورانی ہو گئی۔ شاعری سفاک ہو گئی۔ چاند فوں ہار
چند افس کے سر میں ہے شفقت و صراحت کی محبت
ہست گزرتی فیض کی حکمت کا فراق و افس ہے۔ کے ان
جھلوں سے گزرتی ہے۔

"فیض صاحب کی شاعری بھی کلاسیک نہیں۔
پانچ شاعری ہے جسے آئی فیلپس اہلسن و الیگزینڈرا کا
شاعر کہاں کہتے ہے۔"

فیض کھل اس صدی کا شاعر ہی نہیں آئے
دالے کا سر مرگئی ہے اس لیے کہ وہ گئی انہیں ہے کا
شاعر ہے۔ احتجاجی لب، دلچسپ کا شاعر ہے نہ ہار گوار
لغاتوں کا شاعر ہے۔ نمکین اور چٹان کا شاعر
ہے۔ شعور حیات و کائنات کے ساتھ ساتھ شعور امداد
کا شاعر ہے۔ فن جیسے شاعر اور لیکن روز بروز غم نہیں
دیتی۔ ایسے زمانوں کے لیے اور آج کو فوں پھلور ونا
چتا ہے۔ زندگی ساہا سال میں محرم کا طواف کرتی
ہے۔ فیض نے فہم بھی پہنچا کیا ہے۔

ہم کل طب کوں سے فرما تھے لیکن
اب شو میں تیرے کوئی ہم ساہا کہاں ہے
☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہیں۔ اور ہادیٰؑ ایک ایسی عاتق تھیں۔ ہے جسے قرآنی آیت "انہذا علیہا نعین" کے تاثر میں دیکھا جائے تو نوع انسانی کا اس فکر تک ہمیں ملتا ہے۔ انسانی عقل کے مطابق مرنے اور مگر قیامت کے دن دوبارہ زندگی پانچے۔ پانچیں کمال کو جو انہیں قرار دیا گیا ہے۔ "اور مردہ کے ہے اور ہاں میں کیے گئے اقبال کے باب اور ہیں کا صاحب نے لگا کر ہمارا آج کا نظریہ نیست و بمل اور سب کی کھنچ ہے اس تاثر میں اس قرآن کا دوسرا اور تیسرا شعر سورۃ القادہ کی قرآنی فکر اپنے اندر سونے ہونے سے بلا نظر نہ پانچے

اے خاکِ لہجہ! اٹھ بھڑو، وہ وقت قریب آچکا ہے
 جب تختہ کرنا چاہیں گے جب تاج پہنا سنا چاہیں گے
 اس وقت کر رہی کی زنجیریں اب زندہ لوگوں کی فکریں
 جو درجہ ہم کے اٹھے ہیں انھیں سے نہ ہونے کے
 اس صورت میں سب ذوالکمال قیامت کا مہر
 یوں ملتا ہے۔ "کہ کون کون اڑائے دلی۔ کیا ہے وہ
 کون کون اڑائے دلی۔ اور تو کیا بھلا۔ کیا ہے وہ
 کون کون اڑائے دلی۔ جس دن ہوں گے لوگ بچے
 جیسے ٹکڑے بھٹکے۔ اور پہل ہوں گے جیسے آدھی
 ہوئی رنگی ہوئی اداں۔ سو جس کے اقبال دلی بھاری
 ہوں گے۔ وہ آرام میں رہے گا۔ اور جس کے اقبال
 چنگے ہوں گے۔ اس کا تھکانہ کڑھا ہے۔ اور تو کیا بھلا
 وہ کیا چند دھن دھن ہوئی ناگ ہے۔"

قیامت کا یہ شعر عقل صاحب نے اس زمانے میں اپنی عقیدہ، مگر فکارانہ صلاحیت کے ساتھ تصور کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جن لوگوں کو فتنے صاحب نے خاک تھیں کہ اگر غضب کیا ہے" وہ حقیقت پہل فتن کی جماعت ہے جنہوں نے اس دنیا میں اہل مال و زرہ اور سائنس پر قابض تختہ و تاج

کے ارکان کے ہر کے چپے میں جبر سے کام لیا اور جو انعام خداوندی کے قریب ہیں۔ ان کی دنیا کی کوئی اس دنیا میں ہی دہلی ہوئی کوئی کیا خداؤں کی بھرے گی اور کوئی کام نہیں آئے گی جو ساری زندگی خدا اور عقل خدا سے بے سرو سامان رہے۔

اپنی اسی غم میں فتن صاحب نے غصہ لگا کر ہمارے یوں مضمون لکھا ہے۔

میں نام رہے گا اندھ کا
 جو غائب بھی ہے حاضر بھی
 جو مہر بھی ہے باہر بھی
 اٹھے گا فلاحی کا نور
 جو میں بھی ہوں اور تم بھی
 اور مان کرے گی عقل خدا
 جو میں بھی ہوں اور تم بھی
 ہر ایک جگہ قرآنی فکر کے مطابق نور مل جائے گا
 اور اگر کوئی مان کیا ہے۔

ہر ایک اپنی افسر کو معاف
 کہ اپنی نور عقل سنبھالے
 اٹھے گا جب ہم سر فروشاں
 چہی کے وہ دہری کے کالے
 کوئی نہ ہو گا کہ جو چالے
 جو مراد سب بھی پہ ہو گی
 بھی غلاب و ثواب ہو گا
 بھی سے اٹھے گا شو مہر
 بھی غلاب و کتاب ہو گا
 فتن صاحب کے ہاں ہمیں توقعہ کے مطابق ملے ہیں۔ ان کا موضوع انسانیت ہے اور انسانیت کا کوئی رنگ کوئی نسل یا کوئی زبان نہیں ہے کہ اسے ان کے درپے بچنا پڑے۔ اپنی انسانی مشرک اور دینوں کو انھیں اور خوشیاں سونپتے اور

ہونے کی بے گت آزادیوں مثال ہیں جنہیں عقل صاحب نے انوار خاص اپنا موضوع بنایا ہے۔ عقل صاحب کے ہاتھ میں اپنی تخلیق میں یہ بات بھول جاتے ہیں کہ میں بات میں آجائے کا مہر مثال ہو اس کی رحمت چاہی کہ اور ان کوئی کتا دہا عقل نہیں کر سکتا قرآن کریم جو پہلی ہی نور انسانی کی روشنی و ہدایت کے لیے اتارا گیا ہے اس کا غلاب کوئی مسلمان یا سوسنی نہیں ہے بلکہ پہلی نسل انسانی کو کیا دے گا انہیں "کہ کر عربی" لکھی کہ نہ دے گا نہ کی قرآنی فتن کی گئی ہے۔ اسی قرآنی خدا فکر کے تاثر میں فتن صاحب کی رنگ و نسل تہذیب و مختلف اور عقیدے کے سرحدیں جہدم کرتے ہوئے آجائے کے ذوالکمال دشمنوں کی صداقت کے طہرہ رہا ہیں اور کسی بھی کتا کی اصول منظر پر پہنچا ہم میں یہ باتیں ٹھہری حاصر کے طور پر مثال ہوتی ہیں مگر فتن صاحب کو سمجھائی رسول حضرت ابراہیمؑ کی طرح "ظہور" سمجھا گیا اور انھیں دہلی و دہلی قرار دے کر دہلی کی فکر کا غلاب ہمارا کیا۔ فتن دہلی کے لیے رحمت خدا ہے کہ ظاہر ہونے سے پہلے فتن خاص بہت ضروری ہے کہ فتن خدا خاص مراد آگاہ ہے۔ صرف ملے نہانے یہ دیکھنے کے وقت غضب کا ظاہر ہوا کی لگا ہے یہی حقیقت ہندو افکار فتن ہیں۔ وہ فتن ہم اس دہلی غضب کے لیے ہمارے جیسے ذرا کیا جاتا ہے اسے فتن کی فکر کو سمجھنے پر غور کرنا کے بعد ہی کوئی دہلی اختیار کرنا ہوتا ہے۔ جو دہلی فتن اس سے فیض حاصل نہ کر سکا اس کے ظاہر و بات کی کاروں کی کوئی نہیں بکھا ہے فتن ہے اس کوئی کوئی اپنے اور دشمنوں نہ کر سکا دہلی کی ہوشی ہے

☆☆☆

"ایہ فیصل صاحب ہماری تاریخ کا بھی ایک حصہ بن گئے ہیں۔ ہم تاریخ کو نہ صرف دیکھیں، ہمارا کرتی بلکہ جڑی زندگی کو لکھتے ہیں جو ہمارے ایک ہیچ باؤنگر انٹیلیجیٹ Living Past ہے جس سے ہمارا حال Present مشکل بن رہا ہے اور ہماری زندگی کا ایک Living Impulse ایک زندہ قوت متحرک ہے۔"

کرار حسین

☆

"فیصل کی شاعری میں ایسی تیز رفتاری اور جھنجھکی ہے جیسا کہ سوسائٹ کے کچھ بڑے لوگوں کے اذیت بی ہز ہوگیا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ یہ ایک ایسا تصور ہے جو ان کی شاعری کو چنڑ (MORBID) یا غمناک (MELANCHOLIC) نہیں ہونے دیتا۔ یہ تصور ان کے پاس ایک فکری تحریک (INTELLECTUAL MOVEMENT) کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ کبھی خیال فروشی ہی کیا ہے اور ان کی آواز کے ذریعے اور زور دے رہے ہیں اس کا تصور ہے۔"

اکرام بریلوی

☆

"فیصل کا سب سے بڑا اکمل تو یہ تھا کہ وہ ایک عوامی شخص تھا۔ اس کے بارے میں اس کی انسانیت سے بہت لڑائی تھی۔ اس کی بی بی انجی اچھا نہیں ہے، وہیں ہوا۔ اس کا کوئی دھوکہ دیا۔ محبت اور انسان دوستی اس کا عقیدہ تھا اور اس کی حال میں اس سے محروم فیصل عوامی شخص کی پھر رہا۔ اس کی زندگی کا اصول یہ تھا۔"

جولائی احمد راشدی

☆

"فیصل کی شعور و شخصیت کی ترکیب جنی خاصہ سے ہوتی ہے بلکہ جنی خاصہ سے اس میں زبان و دھاریچ ہو رہا ہے۔ وہ اپنا انداز کھانے پینے اور لکھنے کے لیے اس کے خاصہ مذاقی میں اور سہولت کا بھی ادب کرنا کہ وہ چاہا ہے۔ وہ جذباتی طور پر نہایت کی گرفت میں رہے اور فکری طور پر نہایت سچا کے شاعر اور لکھنے میں جذبات کو بردھاری رہے ہیں۔" فیصل نے اس میں خاصا توازن قائم کر رکھا ہے۔"

حبیب الرحمن نقوی

☆

"ہم ان میں اپنے لوگ بہت کم ہوتے ہیں کہ جن کے نام سے ان کا ملک بچا جائے۔ پاکستان کی بچاؤ کی ساری زندگی میں جن کی جتنی شخصیت کو یہ اعزاز حاصل ہوا ان میں فیصل احمد فیصل کا نام بھی شامل ہے۔ فیصل صاحب جیسا کہ اپنے ملک کی بچاؤ تھے۔ ہماری ساری بڑا بڑا لوگوں اور ان کی سیاسی صورت میں پاکستان کے قتال کیلئے ان کا نام کمالی سمجھا جاتا تھا۔"

آغا ناصر

☆

"ایک اور جوت صاحب شیراز اور مہتابی سے آئے ہمارے ہمارے دھاریچ کے اشارہ دے تھے۔ ہم ان سے دور میں فیصل احمد فیصل ہیں جو جوت احمد اور اس سے دیکھیں پر ان کی شاعری کی سب سے عمدہ اور ان کی صفات لاتے تھے اور ان کی دھاریچ اور پندرہ سو صفات دیکھیں ان کے ساتھ جوت تھے انھیں ان کے مزاج کے بل بل دھاریچ دھاریچ ہم انھیں ان کے شعور پر ان کی انھوں سے لگاتے اور انھیں شے بنانے کیلئے بڑا داناں بہت تھے۔ سو فیصل صاحب بخدا ان کے ہر پہلو میں ہو جائیں۔"

جوانمہ صوفی

”میرے دل اُتے قیامت گزر چلی اے میں کیہہ کراں!“

[illegible]



یہ قرض اُتر جائے

ہم مشکور ہیں

جناب افتخار عارف، محترم سلیطہ، محترمہ حمزہ، ہاشمی، محترمہ شعیب، ہاشمی، محترمہ اعظم، جاوید، محترمہ ڈاکٹر یونس، جاوید، محترمہ عائشہ، جاوید، محترمہ مہر یوسف، محترمہ مژدہ القادری، حسین، ڈیگی اور دیگر تمام احباب کے جنہوں نے اس سلسلے میں ہماری سولہ روزہ شہود سے اعانت فرمائی۔

اس شمارے میں مندرجہ ذیل کتب و رسائل سے استفادہ کیا گیا۔

- | | |
|--|--|
| ☆ "فیضِ نثر و شخصیت" مرتبہ صابروت | ☆ ماہنامہ "انکار" کراچی فیضِ نثر |
| ☆ ماہنامہ "چمک" لاہور | ☆ "ذکرِ یار" فیضِ لاؤنڈیشن |
| ☆ "شبستان" وطنی فیضِ نثر | ☆ ماہنامہ "سہولت" لاہور |
| ☆ "ادبِ لطیف" لاہور فیضِ نثر | ☆ ہفت روزہ "مزدور و مزدور" لاہور |
| ☆ "نیا دور" (کتاب سلسلہ) | ☆ ماہنامہ "سرگزشت" کراچی |
| ☆ "عہد نامہ" (کتاب سلسلہ) | ☆ "فیض کے سفری حوائے" مرتبہ اشفاق حسین |
| ☆ "محبت کے مثنوی" مرتبہ کامریہ عویم احمد خان | ☆ "گمشدہ لوگ" آغا ناصر |
| ☆ ماہنامہ "جہان کش" کراچی | ☆ "فیض احمد فیض شاعر اور شخص" ڈاکٹر آفتاب احمد |

ہماری دستاویزی فلمیں



نمبر شمار	نام	دورانیہ	نمبر شمار	نام	دورانیہ
1	10 سالہ انقلاب	20 منٹ	18	مرزا غالب (آواز)	60 منٹ
2	35MM/VHS (پاکستان)	20 منٹ	19	پاکستان پاکستان چاند چاند (انگلش)	30 منٹ
3	آرکشیٹیکچر این پاکستان	30 منٹ	20	پاکستان اسے چاند چاند (انگلش)	30 منٹ
4	35MM/VHS	30 منٹ	21	کراچی (آواز)	20 منٹ
5	آرکشیٹیکچر این پاکستان (انگلش)	30 منٹ	22	پاکستان آواز (آواز)	30 منٹ
6	35MM/VHS (پاکستان)	20 منٹ	23	پاکستان پورانا (آواز) (انگلش) (مرلی)	20 منٹ
7	پاکستان پاکستان (انگلش)	30 منٹ	24	وہلی آواز (آواز)	20 منٹ
8	35MM/VHS (پاکستان)	20 منٹ	25	پاکستان طوری (آواز)	70 منٹ
9	گجرات آواز پاکستان (آواز)	20 منٹ	26	پاکستان اینڈ اس پیپر	30 منٹ
10	35MM/VHS/U.Matic	30 منٹ	27	پاکستان ایم آر ٹی (انگلش)	90 منٹ
11	کریا اینڈ چاند (انگلش)	30 منٹ	28	آواز (آواز)	30 منٹ
12	35 MM/U.Matic	20 منٹ	29	35MM VHS	30 منٹ
13	گجرات آواز (انگلش)	20 منٹ	30	35MM/U.Matic	20 منٹ
14	35MM/U.Matic	30 منٹ	31	35MM VHS	30 منٹ
15	کریا اینڈ چاند (انگلش)	20 منٹ	32	35MM/U.Matic	20 منٹ
16	کریا اینڈ چاند (انگلش)	30 منٹ	33	35MM VHS	20 منٹ
17	کریا اینڈ چاند (انگلش)	20 منٹ	34	35MM/U.Matic	20 منٹ
18	کریا اینڈ چاند (انگلش)	30 منٹ			
19	کریا اینڈ چاند (انگلش)	20 منٹ			
20	کریا اینڈ چاند (انگلش)	30 منٹ			
21	کریا اینڈ چاند (انگلش)	20 منٹ			
22	کریا اینڈ چاند (انگلش)	30 منٹ			
23	کریا اینڈ چاند (انگلش)	20 منٹ			
24	کریا اینڈ چاند (انگلش)	30 منٹ			
25	کریا اینڈ چاند (انگلش)	20 منٹ			
26	کریا اینڈ چاند (انگلش)	30 منٹ			
27	کریا اینڈ چاند (انگلش)	20 منٹ			
28	کریا اینڈ چاند (انگلش)	30 منٹ			
29	کریا اینڈ چاند (انگلش)	20 منٹ			
30	کریا اینڈ چاند (انگلش)	30 منٹ			
31	کریا اینڈ چاند (انگلش)	20 منٹ			
32	کریا اینڈ چاند (انگلش)	30 منٹ			
33	کریا اینڈ چاند (انگلش)	20 منٹ			
34	کریا اینڈ چاند (انگلش)	30 منٹ			

رابطہ برائے خریداری

پتہ: 10/1، گیت 1، محلہ 1، تحصیل 1، ضلع 1، پاکستان۔ فون: 051-9006828، 051-9006829

هماری مطبوعات



نمبر	مطبوعات	زبان	قیمت	قیمت	نمبر
شمار			پاکستانی روپے	امریکی ڈالر	
1	کتابہ اعظم برائے پاکستان خطبات احمدیہ شادانہ احمدیہ کونفرنسیں 1947ء، 1948ء (جلد)	انگریزی	150/-	\$-05	
2	کتابہ اعظم برائے پاکستان خطبات احمدیہ شادانہ احمدیہ کونفرنسیں 1947ء تا 1948ء (بھیک)	انگریزی	95/-	\$-04	
3	کتابہ اعظم برائے پاکستان خطبات احمدیہ شادانہ احمدیہ کونفرنسیں 1947ء تا 1948ء (بھیک)	اردو	95/-	\$-04	
4	کتابہ اعظم برائے پاکستان (تیسری عالم) 1876ء تا 1948ء، جلد	انگریزی	425/-	\$-17	
5	کتابہ اعظم برائے پاکستان (تیسری عالم) 1876ء تا 1948ء، بھیک	انگریزی	350/-	\$-17	
6	اقوال قائد (جلد بھیک)	انگریزی	50/-	\$-03	
7	جہان آبادی کا سفر (انگریزی)	انگریزی	250/-	\$-10	
8	پاکستان، ازبکستان، روس (انگریزی)	انگریزی	650/-	\$-20	
9	پاکستان، بھارت، افغانستان (انگریزی)	انگریزی	500/-	\$-20	
10	پاکستان، وسطی کراچی	انگریزی	100/-	\$-04	
11	پاکستان کونفرنسیں 1947ء تا 1997ء (جلد)	انگریزی	450/-	\$-17	
12	پاکستان کونفرنسیں 1947ء تا 1997ء (بھیک)	انگریزی	400/-	\$-15	
13	مسلم آرٹسٹری کی آف پاکستان (انگریزی)	انگریزی	100/-	\$-04	
14	مسلم آرٹسٹری کی آف پاکستان (انگریزی)	انگریزی	100/-	\$-04	
15	مسلم آرٹسٹری کی آف پاکستان (انگریزی)	اردو	100/-	\$-04	
16	مسلم آرٹسٹری کی آف پاکستان (انگریزی)	اردو	15/-	\$-01	
17	مسلم آرٹسٹری کی آف پاکستان (انگریزی)	انگریزی	40/-	\$-35	
18	مسلم آرٹسٹری کی آف پاکستان (انگریزی)	اردو	200/-	\$-35	
19	مسلم آرٹسٹری کی آف پاکستان (انگریزی)	اردو	150/-	\$-20	
20	مسلم آرٹسٹری کی آف پاکستان (انگریزی)	اردو	150/-	\$-20	
21	مسلم آرٹسٹری کی آف پاکستان (انگریزی)	اردو	5/-	\$-100	

1998, 1999, 2000, 2001, 2002, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010, 2011, 2012, 2013, 2014, 2015, 2016, 2017, 2018, 2019, 2020, 2021, 2022, 2023, 2024, 2025, 2026, 2027, 2028, 2029, 2030, 2031, 2032, 2033, 2034, 2035, 2036, 2037, 2038, 2039, 2040, 2041, 2042, 2043, 2044, 2045, 2046, 2047, 2048, 2049, 2050, 2051, 2052, 2053, 2054, 2055, 2056, 2057, 2058, 2059, 2060, 2061, 2062, 2063, 2064, 2065, 2066, 2067, 2068, 2069, 2070, 2071, 2072, 2073, 2074, 2075, 2076, 2077, 2078, 2079, 2080, 2081, 2082, 2083, 2084, 2085, 2086, 2087, 2088, 2089, 2090, 2091, 2092, 2093, 2094, 2095, 2096, 2097, 2098, 2099, 2100, 2101, 2102, 2103, 2104, 2105, 2106, 2107, 2108, 2109, 2110, 2111, 2112, 2113, 2114, 2115, 2116, 2117, 2118, 2119, 2120, 2121, 2122, 2123, 2124, 2125, 2126, 2127, 2128, 2129, 2130, 2131, 2132, 2133, 2134, 2135, 2136, 2137, 2138, 2139, 2140, 2141, 2142, 2143, 2144, 2145, 2146, 2147, 2148, 2149, 2150, 2151, 2152, 2153, 2154, 2155, 2156, 2157, 2158, 2159, 2160, 2161, 2162, 2163, 2164, 2165, 2166, 2167, 2168, 2169, 2170, 2171, 2172, 2173, 2174, 2175, 2176, 2177, 2178, 2179, 2180, 2181, 2182, 2183, 2184, 2185, 2186, 2187, 2188, 2189, 2190, 2191, 2192, 2193, 2194, 2195, 2196, 2197, 2198, 2199, 2200, 2201, 2202, 2203, 2204, 2205, 2206, 2207, 2208, 2209, 2210, 2211, 2212, 2213, 2214, 2215, 2216, 2217, 2218, 2219, 2220, 2221, 2222, 2223, 2224, 2225, 2226, 2227, 2228, 2229, 2230, 2231, 2232, 2233, 2234, 2235, 2236, 2237, 2238, 2239, 2240, 2241, 2242, 2243, 2244, 2245, 2246, 2247, 2248, 2249, 2250, 2251, 2252, 2253, 2254, 2255, 2256, 2257, 2258, 2259, 2260, 2261, 2262, 2263, 2264, 2265, 2266, 2267, 2268, 2269, 2270, 2271, 2272, 2273, 2274, 2275, 2276, 2277, 2278, 2279, 2280, 2281, 2282, 2283, 2284, 2285, 2286, 2287, 2288, 2289, 2290, 2291, 2292, 2293, 2294, 2295, 2296, 2297, 2298, 2299, 2300, 2301, 2302, 2303, 2304, 2305, 2306, 2307, 2308, 2309, 2310, 2311, 2312, 2313, 2314, 2315, 2316, 2317, 2318, 2319, 2320, 2321, 2322, 2323, 2324, 2325, 2326, 2327, 2328, 2329, 2330, 2331, 2332, 2333, 2334, 2335, 2336, 2337, 2338, 2339, 2340, 2341, 2342, 2343, 2344, 2345, 2346, 2347, 2348, 2349, 2350, 2351, 2352, 2353, 2354, 2355, 2356, 2357, 2358, 2359, 2360, 2361, 2362, 2363, 2364, 2365, 2366, 2367, 2368, 2369, 2370, 2371, 2372, 2373, 2374, 2375, 2376, 2377, 2378, 2379, 2380, 2381, 2382, 2383, 2384, 2385, 2386, 2387, 2388, 2389, 2390, 2391, 2392, 2393, 2394, 2395, 2396, 2397, 2398, 2399, 2400, 2401, 2402, 2403, 2404, 2405, 2406, 2407, 2408, 2409, 2410, 2411, 2412, 2413, 2414, 2415, 2416, 2417, 2418, 2419, 2420, 2421, 2422, 2423, 2424, 2425, 2426, 2427, 2428, 2429, 2430, 2431, 2432, 2433, 2434, 2435, 2436, 2437, 2438, 2439, 2440, 2441, 2442, 2443, 2444, 2445, 2446, 2447, 2448, 2449, 2450, 2451, 2452, 2453, 2454, 2455, 2456, 2457, 2458, 2459, 2460, 2461, 2462, 2463, 2464, 2465, 2466, 2467, 2468, 2469, 2470, 2471, 2472, 2473, 2474, 2475, 2476, 2477, 2478, 2479, 2480, 2481, 2482, 2483, 2484, 2485, 2486, 2487, 2488, 2489, 2490, 2491, 2492, 2493, 2494, 2495, 2496, 2497, 2498, 2499, 2500, 2501, 2502, 2503, 2504, 2505, 2506, 2507, 2508, 2509, 2510, 2511, 2512, 2513, 2514, 2515, 2516, 2517, 2518, 2519, 2520, 2521, 2522, 2523, 2524, 2525, 2526, 2527, 2528, 2529, 2530, 2531, 2532, 2533, 2534, 2535, 2536, 2537, 2538, 2539, 2540, 2541, 2542, 2543, 2544, 2545, 2546, 2547, 2548, 2549, 2550, 2551, 2552, 2553, 2554, 2555, 2556, 2557, 2558, 2559, 2560, 2561, 2562, 2563, 2564, 2565, 2566, 2567, 2568, 2569, 2570, 2571, 2572, 2573, 2574, 2575, 2576, 2577, 2578, 2579, 2580, 2581, 2582, 2583, 2584, 2585, 2586, 2587, 2588, 2589, 2590, 2591, 2592, 2593, 2594, 2595, 2596, 2597, 2598, 2599, 2600, 2601, 2602, 2603, 2604, 2605, 2606, 2607, 2608, 2609, 2610, 2611, 2612, 2613, 2614, 2615, 2616, 2617, 2618, 2619, 2620, 2621, 2622, 2623, 2624, 2625, 2626, 2627, 2628, 2629, 2630, 2631, 2632, 2633, 2634, 2635, 2636, 2637, 2638, 2639, 2640, 2641, 2642, 2643, 2644, 2645, 2646, 2647, 2648, 2649, 2650, 2651, 2652, 2653, 2654, 2655, 2656, 2657, 2658, 2659, 2660, 2661, 2662, 2663, 2664, 2665, 2666, 2667, 2668, 2669, 2670, 2671, 2672, 2673, 2674, 2675, 2676, 2677, 2678, 2679, 26